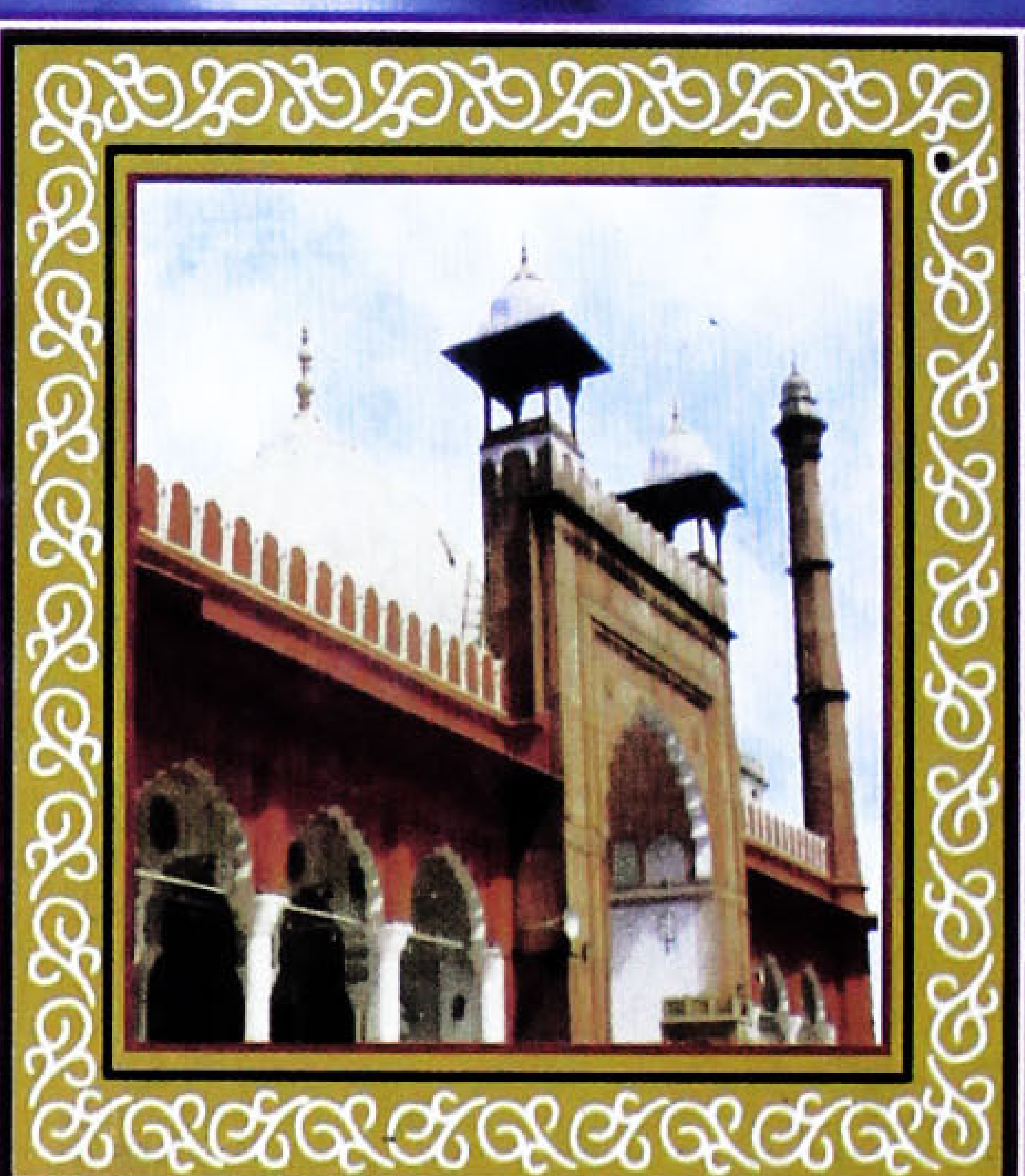
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
(بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں) فصلت : ۳۰

خسرو ملک فضیلت مفتی ہندوستان — خضر راہ علم و عرفاں راہنمائے عارفاں
نائب شیخ مجدد وارث علم نبی — وہ امام اہلسنت شیخ کل قطب زماں




مفتی اعظم پاک و ہند
حضرت علامہ شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی
علیہ الرحمہ

تالیف
الحاج محمد یونس باڑی مظہری
ادیب فاضل، ایم اے (فارسی)

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ
(بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں) فصلت : ۳۰

خسرو ملک فضیلت مفتی ہندوستان خضر راہ علم و عرفاں راہنمائے عارفاں
نائب شیخ مجدد وارث علم نبی — وہ امام اہلسنت شیخ کل قطب زماں

سیرت



فقیہہ العصر، عالمِ اسرارِ خفی وجلی، مقربِ بارگاہِ لم یزلی، کاشفِ حقائقِ سرمدی، مظہرِ کمالاتِ محمدی، شیخ الاسلام، محبوبِ ربِ انام، امامِ زمان، مفتی اعظم پاک وہندوستان، الحاج الحافظ القاری الرحمت الباری حضرت علامہ شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی، قادری، چشتی، سہروردی قدس سرہ الربانی خطیب امام شاہی مسجد فتحپوری، دہلی

تالیف

الحاج محمد یونس باڑی مظہری
ادیب فاضل، ایم۔اے (فارسی)

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

کتاب	انوارِ مظہریہ
مصنف	شیخ محمد یونس باڑی نقشبندی مجددی مظہری
حرف ساز	سید شعیب افتخار مسعودی
طابع	حاجی محمد الیاس مسعودی
ناشر	ادارۂ مسعودیہ، کراچی
اشاعت	اوّل
طباعت	۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء
قیمت	تین سو روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ ۲/۶،۵۔ای، ناظم آباد، کراچی (پاکستان)۔

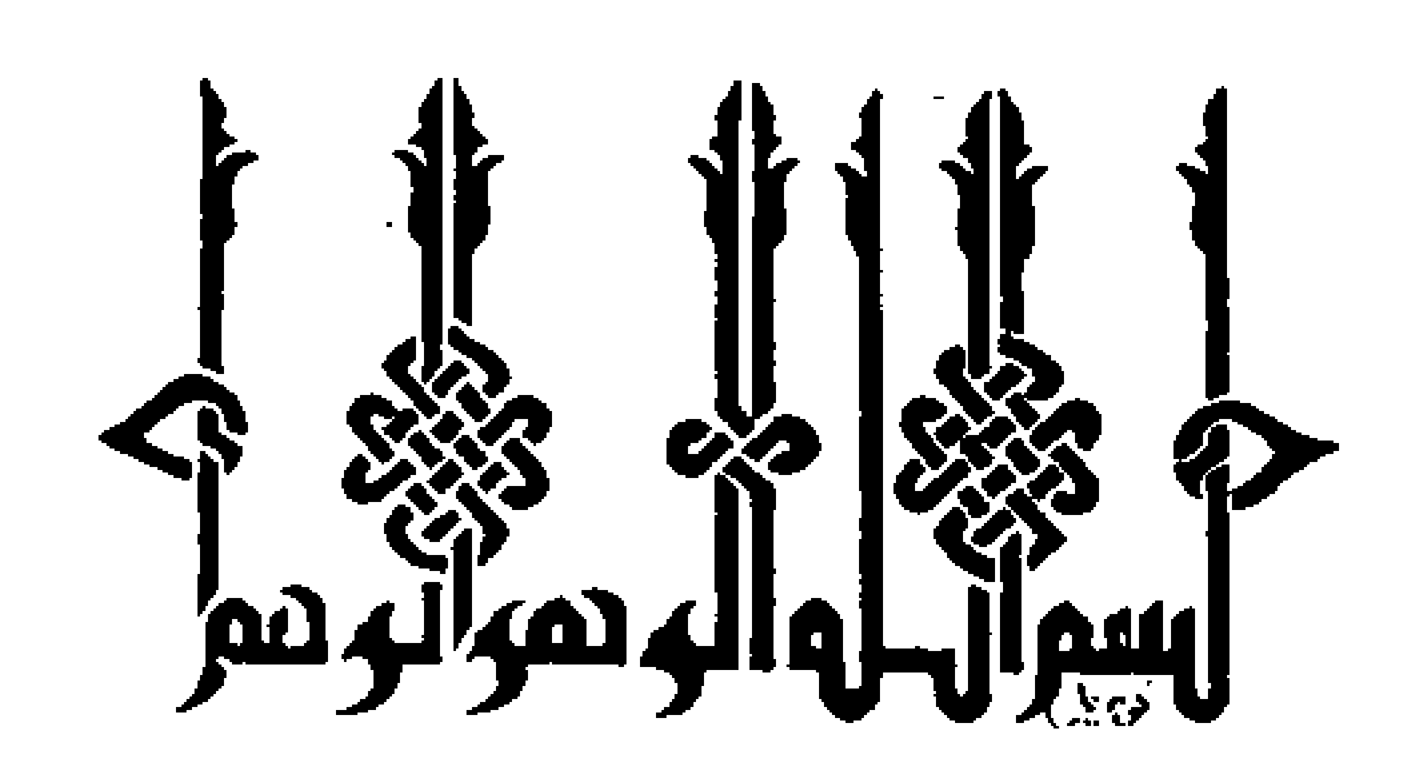
۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، شوگن مینشن، محمد بن قاسم روڈ کراچی عید گاہ، کراچی (پاکستان)۔

۳۔ فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور (پاکستان)۔

۴۔ المظہر ۱۳۵ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی۔

۵۔ ضیاء القرآن پبلیکشنز ۱۴۔ انفال سنٹر، اردو بازار کراچی۔

۶۔ ضیاء القرآن پبلیکشنز گنج بخش روڈ لاہور۔ پاکستان۔



انتساب

بحضور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ!

مخزن لطف وعطا، مصدر عفو وحیا، تاجدار صدق وصفا، آبروئے عشق و وفا، ثانی اثنین لقب، شہنشاہ عالی نسب، آپ کا ذکر تلاوت، آپ کا تصور عبادت، آپ کا وجود لطافت، آپ کا سایہ سخاوت، شجاعت آپ کا نشاں، شرافت آپ پر قربان، آپ کی شفقت معاون حیات، آپ کی محبت باعث نجات۔

یاسیّدی یامولائی یا آقائی یا ملجائی آپ کے ایک فدائی کی سیرت آپ ہی کے نام نامی سے منسوب کر کے پیش کر رہا ہوں۔

اس پر آپ کی تبسم آمیز قبولیت کی نظر ہی میری زندگی کی سعادت ہوگی۔

مظہری



مسجدِ نبوی ﷺ مدینۃ المنوّرہ۔ سعودی عرب



انوارِ مظہریہ کے دامن میں

فہرس عکس نوادرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشکر

نعمت کسی سمت سے آئے، انعام کسی ہاتھ سے پائے۔ نظر منعم حقیقی پر جائے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی۔ ادنیٰ سے اعلیٰ کا کام لے لیا۔ اس تعالیٰ نے توفیق دی تو اس عاجز نے اس کے محبوب کی سیرت لکھی۔ احسان کرنا اس کی عادت ہے شکر ادا نہ کر سکنا ہماری مجبوری ہے نہ الفاظ میں سمائی نہ خیال میں رسائی۔ یہ بندہ اپنے عجز کو سفارشی بناتا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف!

اپنے مرشد کریم کا شکر گزار ہوں۔ مجھ کو اتنا چاہا ع

نیک منہ دیکھتے رہ جائیں گے گناہ گاروں کا

ان خاصان خدا کا یہ احقر تہہ دل سے ممنون و مشکور ہے جنہوں نے علمی اور روحانی فیض عطا فرمایا خصوصاً حضرت پیر فضل الرحمٰن آغا مجددی اور ان کے برادران ذی شان حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاد والا اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف مدظلہ محقق دوراں مفسر قرآن سید انور علی انور صاحب اعلیٰ مدظلہ العالی آپ کی جانب سے تبریک تقریظ تقدیم و تاثرات کی شمولیت نے انوار مظہریہ کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ جزاہم اللہ احسن الجزا

بڑے کرم کے ہیں یہ فیصلے بڑے نصیب کی یہ بات ہے

حضرت والد ماجد الحاج شیخ محمد عثمان باڑی چشتی علیہ الرحمہ کے لیے دست بدعا ہوں کہ وہ غفار جل مجدہٗ ان کی مغفرت فرمائے اور وہ اقرب المقربین اپنے خاص قرب سے سرفراز فرمائے کہ راہِ طریقت سے احقر کو روشناس کرایا اور مرشد عظیم کے حضور پہنچایا۔

جن حضرات کی کتابیں پڑھیں مقالات و کالم پڑھے جن سے حالات و واقعات سے جو بھی فائدہ اس کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں اٹھایا مولیٰ کریم ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

احقر آنکھوں میں آپریشن کے سبب ان دنوں پروف ریڈنگ نہ کرسکا۔ جن عزیزوں نے اس کام کے لیے تعاون کیا ان کا ممنون ہوں۔ ان میں نور چشمیان، سعدیہ بنت مسعود ملت، عظمیٰ بنت محمد یوسف باڑی، محترم کرنل منور حسین اور ڈاکٹر علی سرفراز، ڈاکٹر عدنان خورشید، عزیزم خرم احمد اور عزیزم محمد امین سلمہا قابلِ ذکر ہیں۔ چند وجوہ کی بنا پر دوبارہ کمپوزنگ کی نوبت آئی۔ جناب سید شعیب افتخار صاحب نے جس خوش اخلاقی کا ثبوت دیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ مولائے کریم سب کو اجر وافر عطا فرمائے۔

اس بکھرے ہوئے کام کو سنبھالنے میں عزیز القدر ڈاکٹر سید عدنان خورشید سلمہٗ اور ان کی ہمشیرگان روشن دلان نے جو ایثار کیا مولائے کریم ان کی بصارت اور بصیرت میں برکت عطا فرمائے۔

صاحب سیرت حضرت علیہ الرحمہ کی یہ کرامت ہے کہ یہ تمام معاونین روحانی نسبت سے حضرت علیہ الرحمہ کی اولاد معنوی (روحانی) ہیں سب حضرت مسعود ملت مدظلہٗ کے مرید ہیں۔ سب نے اخلاص سے خدمت کی ہے۔

جزاء ہم اللّٰہ خیر الجزا

احقر۔

محمد یونس باڑی مظہری عفی عنہ



امام القوم

قصیدہ فی المدح مولینا مفتی الحاج امام صاحب
مسجد فتح پوری ادام اللہ فیوضھم

الا قولی لنا لمّا سقینَا — کوؤس العشق دھر امشھرینا
و تنھا فی ریاض الحسن عمراً — وکنا للجمال مسخرینا
ودمنایا ملیحۃ فی غَزام — وکان الوقت صاف تنشدینا
انما فی الحب دھراً فی ھدوء — بغرف العود تشجی السامعینا
من الوجنات ورداً قد شممنا — قطفنا جلنارالیا سمینا
فمنّی بالو صال علی حتی — یتمر الانس حقاً واطربینا
بلحن من رخیم الصّوت یدعو — جمیع الناس سکری مذعنینا
و قومی فی الانام وقد عراھم — من الصھباء سکرو ارقصینا
فرقص الناعسات ھوالندامی — ولحن الشعر زادا لھا ثمینا
عزام بین تقبیل و ضمر — وجاز الوصل بین الحاضرینا
وقطف الورد من خدالعذاری — حیاۃ القلب عندالفاصدینا
ورشف الخمر من ثغرالغوافی — مدام الروح شان العازمینا
وشکر من رحیق الثغرر شقاً — و ھزالحضر قصد الطالبینا
کذا اھل الھوی یرو واحدیثا — نعیم العمر نجوی العاشقینا
ولکن الانام لّھم شئون — وفی الاذواق شتی سائرینا

فاهل العلم موردهم جميعاً	امام القوم خير السالكينا
امام كامل يدعى بحق	محمد مظهر اللّٰه الامينا
امام المسجد المشهور قدما	فتح پوری مقام الذاكرينا
وريث منصباً يدعوه شاهى	من الآباء حقاً مستبينا
نحق اللّٰه يدعو باعتصام	وارشاد الحب الصالحينا
ادمه يا الٰهى فى سرور	بحرمة خير خلقك اجمعينا
مع الانجال ياربى فصنه	وللاسلام دو ما مخلصينا
وباالاقتطاب ياربى رجونا	تقبل من شريف المارجينا

بقلم الضعيف عبداللہ محمد شریف المکی مؤرخ الھند العربی (۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء)

مکۃ المکرّمہ زاداللہ شرفاً وتعظیماً

نوٹ: علامہ عبداللہ محمد شریف مکی جو عرب کے نامور مؤرخ، ادیب اور خوشنوا شاعر تھے۔ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان آئے۔ علماء وصلحاء کو شرفِ ملاقات بخشا۔ حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کی خدمت شریف میں حاضر ہوتے تھے، جب وطن جانے لگے تو حضرت علیہ الرحمہ کی عقیدت اور محبت میں سرشار ہو کر ایک قصیدہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں لکھا اور اپنے قلم سے لکھ کر فریم کرا کر بطور یادگار پیش کیا۔

مظہری

سبحان اللہ وبحمدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

دنیا میں ہر آنے والا جانے کے لیے ہی آتا ہے......لیکن ہر ایک کے جانے جانے میں فرق ہوتا ہے...... کسی کا جانا ایسا ہوتا ہے گویا وہ آیا ہی نہیں...... کسی سے کہیں وہ آیا تھا...... ہاں وہ آیا ہوگا...... وہ چلا گیا!...... اچھا چلا گیا ہوگا!......

کسی کی زبان پر اس کا ذکر نہیں...... وہ نسیاً منسیا ہو گیا!

اور کسی کا جانا ایسا ہوتا ہے کہ گویا گیا ہی نہیں...... وہ دل میں بسا رہتا ہے...... وہ آنکھوں میں سمایا رہتا ہے۔

آنکھوں میں سمائے ہیں جلوے رخِ مظہر کے
وہ سامنے بیٹھے ہیں ایسا نظر آتا ہے

جس نے ان کو سرسری دیکھ لیا وہ بھول نہ سکا جس نے دل سے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہا۔ وہ اکثر رُخ مظہر کے تصور میں کھو جاتا ہے اور اس متاع بے خودی کو کلیجہ سے لگائے رکھتا ہے۔

بڑے مزے سے گزرتی ہے بے خودی میں امیر
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوؤں میں

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اسی عاجز کو حضرت شیخ الاسلام ''محبوب رب انام'' فقیہ دوراں مفتی اعظم پاک و ہندوستان مظہر انوار الٰہ شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قادری چشتی سہروردی علیہ الرحمۃ الواسعہ کی خدمت مقدسہ میں تقریباً پندرہ سال حاضری کا شرف حاصل رہا۔ الحمدللہ! جس درجہ کی عنایات اس عاصی کے حال پر تھیں وہ کسی کو میسر نہیں ہوئیں۔ مثلاً:۔

○ پندرہ سال خدمت عالیہ میں باریابی اور ٹانگیں دبانے کی خدمت کا شرف حاصل ہونا —

○ احقر آخری شاگرد تھا جس کو ''لسان عربی مبین'' کا درس دیا اور قرآن کریم مع ترجمہ پڑھایا[1]۔

○ تین صاحبزادگان وہاں موجود تھے ان سے ایسا قرب جس کی مثال کم ملے گی ایک بار حضرت مولانا مفتی حکیم الحاج محمد مشرف احمد علیہ الرحمتہ نے فرط شفقت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''تم میرے بھائی ہو'' حضرت الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ کے پیچھے پندرہ سال ظہر اور عصر کی نماز پڑھی کبھی دوسری نمازیں بھی ہو جاتی تھیں۔ آہ! وہ ہر روز ملاقاتیں اور محبت کی باتیں۔ چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ تو یار غار تھے۔ ہم عمر تھے۔ بہت بے تکلفی تھی۔ ابتدائی انگریزی تعلیم میں احقر نے ان کی خدمت کی تھی[2]۔

○ حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ سرہند شریف تشریف لے گئے تو دو صاحبزادے اور ایک پوتے ساتھ تھے۔ احقر کو بھی اسی انداز سے ساتھ لے لیا گیا اور احقر کا بھی جملہ سفر خرچ حضرت علیہ الرحمتہ کے ذمے اسی طرح تھا جیسا صاحبزادگان کا اس لیے کہ بچوں بڑوں سب میں احقر کو گھر کا فرد شمار کیا جاتا تھا۔

○ حضرت علیہ الرحمتہ کسی بھی تقریب میں تشریف لے جاتے مثلاً نکاح، عرس کی محافل، مزارات مقدسہ کی زیارت یہ بندۂ عاجز ہمیشہ ساتھ رہتا۔

○ اس پندرہ سالہ دور میں بیرون دہلی کے سفر مثلاً سرہند شریف، دھام پور، مراد آباد وغیرہ ہر سفر میں احقر ہمرکاب رہا[3]۔

○ نجی خطوط حضرت علیہ الرحمتہ کبھی کسی کو نہیں دکھاتے تھے ایک بار صاحبزادہ گرامی حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا خط ملاحظہ فرما کر احقر کو یہ فرماتے ہوئے دیا ''یہ

۱- جا بجا رموز کی تشریحات بھی فرمائیں۔

۲- حضرت علیہ الرحمہ کو جب علم ہوا تو فرمایا
''ہم تو تمہیں (مبارک زبان) عربی پڑھاتے ہیں اور تم ہمارے بیٹے کو (نامبارک زبان) انگریزی پڑھاتے ہو۔

۳- پاسپورٹ نہ بن سکا اس لیے پاکستان نہ آسکا۔ مظہری

تمہارے بھائی کا خط[1] ہے۔'' یہ رشتہ حضرت علیہ الرحمۃ نے جوڑا تھا۔ وہ قائم ہے۔ الحمد للہ

O بیعت ہونے کی درخواست کی ''حضور مجھے اپنا بنا لیجئے'' کس قدر وثوق اور شفقت سے فرمایا ''تم ہمارے ہی تو ہو'' وہ مسکراہٹ وہ محبت وپُر اعتماد لہجہ تصور میں آتا ہے تو جسم و جان میں شہد گھل جاتا ہے اور دیر تک محظوظ ہوتا ہوں۔

O پاکستان میں ہجرت کرنے کے لئے رخصتی سلام کرنے حاضر ہوا فرمایا ''فی امان اللہ'' پھر فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ منظور نہیں کہ کسی کو دل میں جگہ دی جائے جس سے قلب کو تعلق ہو جاتا ہے وہ چلا جاتا ہے''۔ اسی وقت سفر منسوخ ہو گیا۔

کن کن نوازشات کا ذکر کیا جائے جہاں ہر روز نت نیا انداز کرم ہو ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ'' نعمتوں کا شکر نعمتوں کے ذکر سے ہی ادا کیا جاتا ہے ان کا ذکر خیر تو مجھ پر واجب ہے۔

واجب آمد چونکہ آمد نام او — شرح رمزے کردن از انعام او
کز برائے حق صحبت سال ہا — باز گو حالے ازاں خوشحالہا

افسوس اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کی ان میں سے کسی ایک احسان کا بھی شکر ادا نہ کر سکا۔ پھر بھی ان کے تصور نے ہی تسکین دی۔ ان کی یادیں ہی زندگی کا قیمتی سرمایہ بن گئیں۔ خدا ان کو قائم رکھے۔

اُجالا اپنی یادوں کا ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

حضرت مرشد عظیم کے وصال کے بعد احباب میں اُداسی بڑھنے لگی۔ وہ مرشد جو زندگی میں بہت شفیق اور بہت مہربان تھے وصال کے بعد زیادہ شفیق ثابت ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی دعا سے ''بزم اربابِ طریقت'' جو حضرت نے پاکستان میں اپنے

۱۔ یہ خط اس شعر سے شروع ہوا تھا:

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل
می بینمت عیاں و دعامی فرستمت

اور یہ پورا خط بہترین ادبی تحریر کا نمونہ تھا۔ — مظہری

قیام کے دوران ۱۹۶۱ء میں قائم فرمائی تھی اور کچھ عرصہ کے بعد بے دم ہوگئی تھی حضرت مسعود ملت مدظلہ کی مسیحائی سے اس کو حیات نو نصیب ہوگئی۔ احقر کے مکان پر اس کا ماہانہ اجتماع ہونے لگا روز بروز رونق بڑھنے لگی، نیکیاں پھیلنے لگیں۔ سلسلہ عالیہ مظہریہ میں لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے۔ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمتہ کے فیوضات و برکات جس قدر نمایاں محسوس ہوتے جارہے ہیں اسی قدر ان سے عقیدت ومحبت بڑھنے لگی۔ اور نئے شامل ہونے والوں کو حضرت علیہ الرحمہ کی مفصل سیرت سے واقف ہونے کا شوق بڑھنے لگا۔ حضرت کی برکت سے یہ انتظام بھی ہوگیا۔

جب کوئی ہمدم ملا ان کا ذکر محفل کی جان بن گیا۔ اخبارات میں مقالے لکھے تو ان کا ذکر تھا تقریروں میں ان کی سیرت مبارکہ کے کسی پہلو کو عنوان بنایا۔ آنکھوں دیکھا حال جس کو سنایا اسے پسند آیا۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ ان باتوں کو لکھ دوں مگر خود میں ہمت نہ پائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ایک پیارے سے کہلوادی۔ حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اعلی اللہ مقامہ، نے فرمایا ''اپنے پندرہ سالہ مشاہدات اور بعض مستند معلومات کو یکجا کر کے پیش کریں۔'' یہ اس مسیحا نفس کی کرامت ہے کہ ہمت مردہ میں جان پڑگئی۔ کام شروع ہوا تو برسہا برس سے جمع شدہ ذخیرہ بھی عنایت فرمایا...... خوب تعاون فرمایا اس کام کی اصل رونق حضرت ممدوح کے تعاون کی رہین منّت ہے۔

''انوارِ مظہریہ'' سیرت کے موضوع پر احقر کی پہلی کوشش ہے۔ جب یہ کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ سیرت نگاری بھی آزمائشوں کی گھاٹی ہے۔ اکثر سیرت نگار یا تو Hero Worship کے شوق میں شدت سے مبتلا نظر آتے ہیں۔ اپنے موضوع کی بے جا طرف داری کی خاطر حقائق کو مسخ کرنے یا بدلنے میں تکلف نہیں کرتے۔ خصوصاً روحانی شخصیتوں کو عقیدت کے جوش اور فداکاری کے بے لگام جذبہ میں مذکورہ شخصیت کو تخت الوہیت پر بٹھاتے نظر آتے ہیں۔ کبھی قلم کے جوہر دکھانے، زورِ بیان جتانے اور

ا۔ بمقام المظہر 135 پیر کالونی، کراچی مظہری

حیرت میں ڈالنے کے شوق میں اس شخصیت کو "مافوق الفطرت" ثابت کرنے میں ہچکچاتے نہیں۔ سیرت کے موضوع پر ایسی کتابیں وقتی دلچسپی کا سامان تو فراہم کر سکتی ہیں۔ پڑھنے والے کو حیرت میں ڈال سکتی ہیں مگر کسی کے لیے مشعلِ راہ نہیں ہو سکتیں۔

اہلِ اللہ کے ذکر کو ان کی صحبت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے اگر اس میں غلط بیان کی آمیزش ہوگئی تو گویا صحبت مکدر ہوگئی اور صحبت کا فیض ناقص رہ جائے گا۔ الحمداللہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت بافیض ہے۔ ان کا ذکر بھی بافیض ہے۔ توجہ سے مطالعہ کیا جائے۔ قریب ہو کے دیکھا جائے تو فیض مظہری مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ انوار مظہریہ کو اسی نہج پر ترتیب دیا ہے۔

جب ہم کسی شخصیت کے قریب آتے ہیں تو پہلے اس کے حسب نسب اور گرد و پیش کو دیکھتے ہیں۔ چہرہ مہرہ پر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کے لباس پر۔ اس کی نشست و برخواست پر۔ اس کی رفتار و گفتار پر۔ اس کے عادات و اطوار پر۔ اس کے اخلاق و کردار پر۔ اس کے نظریات و افکار پر۔ اس کی کارکردگی سے اس کی صلاحیتوں اور کمالات پر۔ اس کے ہم عصروں سے اس کی عزت و وقار پر۔ یوں تعارف کا خاکہ مکمل ہوتا ہے۔ تصویر میں رنگ بھرتے جاتے ہیں۔ نقوش ابھرتے جاتے ہیں۔ ایک سچی سیرت اور جیتی جاگتی زندگی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

پھر اس کی عقیدت سے سرشار ہو جاتے ہیں اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ حجاب اُٹھتے جاتے ہیں۔ انوار پڑتے جاتے ہیں۔ ہماری زندگیاں فیض یاب ہونے لگتی ہیں۔ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ یہی میری کوشش کا ماحصل ہے۔

آیئے ہم اس کے قریب چلیں۔ جس کی زندگی شمع کی مانند جلتی رہی چمکتی رہی اور چمکاتی رہی۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہہ عالم میں
خود جلیں دیدہ اغیار کو بینا کریں

یہ سچ ہے کہ آج وہ جسد خاکی تہہ خاک آسودہ ہے...... لیکن وہ مرا نہیں...... اس نے

جو جوت جگائی وہ امر جوت ہے...... اس نے جو سیرت اپنائی وہ جگمگا رہی ہے...... اس نے جو راہ دکھائی وہ روشن روشن ہے اس نے جو روشنی پھیلائی وہ پھیلتی جا رہی ہے۔ چاندنی کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ یہ روشنی کبھی سمٹے گی نہیں...... یہ دلوں میں اُتر رہی ہے...... اس کی چمک دماغوں میں کوند رہی ہے...... اس کا کردار آنکھوں میں بس رہا ہے...... اس کی سیرت خیالوں پر چھا رہی ہے۔ اس کی صورت من کو لبھا رہی ہے...... اس کی کشش محبت کی کشش ہے نیکی کی کشش ہے، یہ دلوں کو کھینچ رہی ہے۔ آؤ چلیں اس کے حضور جہاں روح کو راحت ملتی ہے جہاں بندگی کو تابندگی ملتی ہے۔ جہاں زندگی کو نئی زندگی ملتی ہے...... جو ذرائع ابلاغ کے سہارے زندہ نہ تھا...... جو خود پیکر حیات تھا۔ وہ زندہ جاوید ہے۔ اس کے انفاس جاں بخش اور اس کی صحبت آب حیات ہے جو اس کے قریب آ گیا حیات جاوداں پا گیا۔

راقم الحروف اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ احقر کی یہ نگارش اس عظیم انسان کی شایانِ شان نہیں ہے۔ حضرت فقیہ العصر مفتی اعظم کی جلالت علمی اور فضائل شخصی کمالات عرفانی ان کے گوں ناگوں محامد محاسن کا احاطہ نہیں کر سکا۔

ان کی روحانی عظمت۔ ان کے مقامات عالیہ حضور رسالت مآب ﷺ کی جناب میں تقرب۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت و محبوبیت تصرف و اختیار۔ ان معاملات کو خود حضرت علیہ الرحمتہ نے سختی سے پوشیدہ رکھا اس لیے ان رازوں کو چھیڑنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

اہل اللہ کی سیرت کا بیان ہو اور ان کی کرامات کا تذکرہ نہ ہو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ الحمدللہ کرامات مظہری علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکی! یہاں ان کا نقل کرنا چنداں مفید معلوم نہ ہوا۔ انوار مظہریہ کے پڑھنے والوں کی تسکین خاطر بھی ضروری تھی اس لیے چند نئی کرامات کو اس میں درج کیا ہے جو اس اعتبار سے نئی ہیں کہ کہیں اس سے قبل نہ لکھی گئیں نہ سنی گئیں۔ یہ مفید بھی ہیں ان میں سے بعض میں سیرت مقبول سرورِ کائنات ﷺ کی جھلک ہے۔ یہ کرامت کا اعلیٰ ترین معیار ہے۔ بے شمار کرامات میں سے تبرکاً

چند پیش کی جارہی ہیں۔
مناقب مظہری بھی شائع ہوگئی۔[۲] ان میں سے بعض اس کتاب میں شامل کر لیے بعض منقبتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ حمد، نعت اور منقبت مستقل اصناف سخن ہیں اور منظوم ادب کا حصہ ہیں۔ اس سے کتاب ہٰذا کی ادبی حیثیت میں اضافہ ہوا۔ فنی اعتبار سے تمام نظمیں بہترین نہ ہوں لیکن اخلاص اور عقیدت کے اظہار میں اعلیٰ شمار کی جاسکتی ہیں۔
منقبتوں کو ایک جگہ جمع نہیں کیا بلکہ مقالات کے شروع میں بعض مناسبتوں کے پیشِ نظر ترتیب دیا ہے اس طرح قاری کی دلچسپی اور اہل دل کے لیے زیادہ فیض بخش رہے گا۔
ایک جدت یہ بھی نظر آئے گی کہ ہر نظم کا ایک نام تجویز کردیا ہے اور یہ نام اسی نظم سے حاصل کیا ہے یقیناً بعض مناسبتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔
مثلاً عربی قصیدہ کا عنوان ''امام القوم'' تجویز کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام امام المسلمین تھے وہ شاہی مسجد کے امام وخطیب کے منصب پر فائز تھے اور ''امام صاحب'' کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یہ لفظ اسی قصیدے سے چنا گیا اور شاعر کے دل کی آواز بھی ہے۔
سیرۃ مظہری کے موضوع پر آج تک جس قدر کتابیں مقالے اور کالم لکھے گئے یا تقریریں ہوئیں ان سب کا مآخذ تذکرہ مظہر مسعود ہے۔
معلومات میں یہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے اور مستند ترین ہے احقر نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ سیدنا صادق علی شاہ علیہ الرحمۃ کے لیے ''ذکر مبارک'' اور سیاسی وابستگی کے لیے ''اکابر تحریک پاکستان'' یا بعض مقالات پر انحصار کیا ہے اور بھی بہت سی کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا ہے۔
بعض معلومات براہ راست حضرت مسعود ملت سے حاصل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ

[۱] مرتبہ حاجی محمد الیاس مسعودی، مطبوعہ کراچی
[۲] مرتبہ مولانا جاوید اقبال مظہری، مطبوعہ کراچی

مظہری

جو احقر نے لکھا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے یا بعض متقی حضرات سے جو سنا حتی الوسع صحیح ترین واقعات کو پوری پوری احتیاط سے لکھا ہے پھر بھی خطا و نسیان کا پتلا کسی بھی بھول چوک کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہے مولیٰ کریم محض اپنے فضل سے اس کوشش کو قبول فرمائے اور میری مغفرت کا وسیلہ بنا دے بندگانِ خدا کو نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احقر شیخ محمد یونس باڑی

مظہری نقشبندی عفی عنہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

تقریظ

مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی۔اعزاز فضیلت

اُن کی آنکھیں دیکھتی ہیں، اُن کی زبان دیکھتی ہے، اُن کے کان دیکھتے ہیں، اُن کے پیر دیکھتے ہیں، اُن کے خیال دیکھتے ہیں، اُن کے احوال دیکھتے ہیں، جب ہی تو وہی دیکھتے ہیں جس کو دیکھنے کا حکم ہے، وہی بولتے ہیں جس کے بولنے کا حکم ہے، وہی سنتے ہیں جس کے سننے کا حکم ہے، وہی چھوتے ہیں جس کے چھونے کی اجازت ہے، وہی سوچتے ہیں جس کے سوچنے کی اجازت ہے، اُن ہی واردات سے گزرتے ہیں، جن واردات سے گزارا جاتا ہے، اُن ہی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں جن فضاؤں میں پرواز کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اُن کے ظاہری اور باطنی احوال اور اقوال و اعمال شریعت کے تابع ہیں، وہ سراپا آنکھ ہی آنکھ ہیں۔ وہ روشنی ہی روشنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کرتے۔ ہماری آنکھ بھی آنکھ نہیں، جب آنکھ کا یہ حال ہے تو ہاتھ پیر اور خیال وافعال کا کیا حال ہوگا، اسی لیے فرمایا:

وکونوا مع الصدقین

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

تم نے بننا سنورنا ہے تو سچو کے ساتھ ہو جاؤ، یہ تم کو بنا دیں گے، یہ تم کو سنوار دیں گے، یہ تم کو زندگی کے لطف سے آشنا کر دیں گے۔ یہ بدمزا زندگی کو لطیف ولذیذ بنا دیں گے۔ یہ زندگی کا راز بتا دیں گے کہ محرم راز ہیں۔ آؤ آؤ زندگی کے پاس بیٹھو۔ موت کی طرف جانے والو۔ زندگی کی طرف لوٹو!

O

ان ہی سچوں میں، ان ہی زندگی بنانے والوں میں، ان ہی زندگی سنوارنے والوں میں، فاضل جلیل، عارف کامل، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی بھی تھے، وہ میرے والد ماجد تھے، وہ میرے استادِ گرامی تھے، وہ میرے مرشد کریم تھے۔ انہوں نے میرے جسم کی پرورش کی، میرے دماغ کی پرورش کی، میرے دل کو سنوارا، میری روح کو نکھارا۔ وہ ایسے مخلص باپ تھے جنہوں نے بیٹوں سے کچھ نہ چاہا، ایسے مشفق استاد تھے، شاگردوں سے کچھ نہ چاہا، ایسے مہربان مرشد تھے کہ مریدوں سے کچھ نہ چاہا۔ وہ جانتے تھے کہ باپ وہ ہے جو بیٹوں کو دے، استاد وہ ہے جو شاگردوں کو عطا کرے، مرشد وہ ہے جو مریدوں کو نوازے۔

O

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید باصفا نے ''جلاء الخواطر'' کے نام سے آپ کے خاص ملفوظات جمع کیے ہیں[1]۔ یہ ملفوظات پڑھ رہا تھا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ملفوظات میں اللہ کے محبوبوں کے فضائل وخصائل کا ذکر فرمایا ہے، پڑھ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فضائل وخصائل کا مطالعہ

۱۔ یہ ملفوظات ۸۵۶ برس پہلے ۹ رجب المرجب ۵۴۶ ہجری اور ۱۴ رمضان المبارک ۵۴۶ ہجری کے درمیان منعقد ہونے والی وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں لفظاً لفظاً قلم بند کیے گئے۔ اس کے عربی متن کے قلمی نسخے کا عکس مکتبہ نبویہ، لاہور نے شائع کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ مسعود

کررہا ہوں، ایک ایک بول دل پر اثر کرنے والا، ایک ایک بات من میں گھر کرنے والی۔ چند ملفوظات پیش کرتا ہوں، ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک میں نہ پائی جاتی ہو، یہ باتیں ایسی ہیں جو سنانی چاہئیں اور سننی چاہئیں، ان باتوں سے انسان بنتے اور سنورتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

۱۔ مومن کے لیے ایک مخصوص نور ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔
(جلاء الخواطر، ص ۱۱)

۲۔ سر کی آنکھ دنیا میں مست رہتی ہے، دل کی آنکھ آخرت میں مست رہتی ہے، سِرّ اور روح کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی معیت میں مست رہتی ہے۔
(جلاء الخواطر۔ ص ۹۴)

۳۔ اپنے نفس کی آنکھ کھول اور اس سے کہہ کہ اپنے عزت وجلال والے پروردگار کو تو دیکھ تجھے کیسے دیکھ رہا ہے۔" (جلاء الخواطر، ص۔۷۴)

۴۔ شرم کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اپنے عزت و جلال والے پروردگار سے شرم کرو تا کہ خالق سے حیاء، مخلوق کی حیاء کے تابع ہو جائے۔ (جلاء الخواطر، ص)

۵۔ ہر مرض کی دوا توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔
(جلاء الخواطر، ص ۷۲)

۶۔ زہد اور دنیا سے بے رغبتی زاہدوں اور فرمانبردار بندوں کے دل کا چین ہے۔ (جلاء الخواطر۔ ص ۲۲)

۷۔ اے اللہ کے بندو! اپنی عادت وخصلت کے خانوں سے نکلو۔
(جلاء الخواطر، ص۔ ۲۷)

۸۔ مرید توبہ کے سایہ میں قائم رہتا ہے مگر مراد اللہ کی عنایت کے سایہ میں قائم ہوتا ہے۔ (جلاء الخواطر، ص ۳۰)

ان ملفوظات کی روشنی میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نور عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں وہ دیکھتے تھے، ان کی نظر صرف اور صرف اللہ پر تھی۔ وہ سمجھتے تھے اُسی کو دیکھا جائے جو ہم کو دیکھ رہا ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کے سامنے شرمائے شرمائے رہتے تھے ان کی یہ حیاء اللہ سے شرم وحیاء کے تابع تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے سارے دکھوں کا علاج توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ وہ اپنے عادات کے خانوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے مزین تھے۔
وہ ابتداء میں مرید تھے لیکن پھر مراد ہو گئے اور اللہ کی عنایت کے سایہ میں جینے لگے۔

O

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دنیا میں بے نیازانہ زندگی گزاری۔ اس کریم کے خیال میں ایسے گم کہ این وآں سے بے خبر۔

از خیال خویشتن بے خویش شو بیگانہ باش
در خیال حضرت جانا نہ شو، جانا نہ باش

جب تزکیہ نفس ہو جائے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے، ہوشیار ہو جاتا ہے، سونے والوں کو جو باتیں اچھی لگتی ہیں، جاگنے والوں کو وہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ دہلی میں تھے اُن کا شہرہ عرب وعجم میں تھا۔ اُن کے تزکیہ نفس کی باتیں صوبہ سرحد (پاکستان) کے شعراء بھی اپنے کلام میں باندھنے لگے، نور سرحدی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

مظہر اللہ، مظہر نور خدا
نسبت صدیق کا تھا وہ امین و مقتدا
تزکیہ کا تھا شغل ان کا اور فقہ دین بھی
ہند کا مفتی تھا وہ اور اصفیاء کا رہنما
تزکیہ پر چھا گئی اُن کے جانے سے خزاں
لوٹ کر آئی نہ فقہہ پر بہار جاں فزا

(مکتوب قاضی عبدالحمید فضلی، مورخہ ۱۴ جون ۱۹۸۳ء از شیر گڑھ)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ظاہر و باطن ایک تھا، جس کا بخوبی اندازہ آپ کے نجی خطوط سے ہوتا ہے (جس کی ایک ضخیم جلد ۱۹۹۹ء میں کراچی سے شائع ہو چکی ہے)۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا سکون پاتا تھا۔ آپ کے خطوط کو پڑھنے والا ابھی وہی سکون پاتا ہے اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ

فتویٰ نویسی میں آپ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھے، آپ کے فتوے کسی وکیل کی تحریر معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی جج کا فیصلہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کی وکالت نہیں کی۔ ساری زندگی عدالت ہی عدالت کی۔ مدعی اور مدعا الیہ میں سے نہ کسی کی تعظیم و توقیر کی اور نہ کسی کی تذلیل و تحقیر کیونکہ یہ بات مقام عدل کے منافی ہے۔

O

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ۱۹۶۴ء میں راقم نے سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ سے حالات دریافت کیے تو آپ نے ازراہ انکسار منع فرما دیا لیکن دعاؤں سے نوازا۔ پھر تائید الٰہی سے راقم نے ایک ضخیم سوانح ''تذکرۂ مظہر مسعود'' (کراچی ۱۹۶۹ء) قلم بند کی۔

اس زمانے میں علماء اہل سنت و جماعت کے حالات پر کوئی قابل ذکر کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی تھی۔ اس لیے ان کا خاطر خواہ ذکر نہ ہو سکا۔ جس کا قلق ہے اس کے علاوہ بھی اور باتیں ہیں جو جدید ماحول کے اثرات کے تحت لکھدی گئیں۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں ساری کمی پوری کردی جائے گی اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات اخبارات و رسائل میں ملتے گئے اور محبین و مریدین سے معلوم ہوتے گئے ان کو آئندہ شائع ہونیوالی کتابوں میں شائع کرتا گیا مثلاً:

۱۔ تجلیات مظہری (کراچی ۱۹۴۹)

۲۔ مواعظ مظہری (کراچی ۱۹۴۹)

۳۔ حیات مظہری (کراچی ۱۹۷۰ء)

۴۔ فتاویٰ مظہری (کراچی ۱۹۷۰ء)

۵۔ فتاویٰ مسعودی (کراچی ۱۹۸۷ء)

۶۔ شیخ الاسلام (کراچی ۱۹۹۴ء)

۷۔ مکاتیب مظہری (ج: اول، دوم، کراچی ۱۹۹۹ء)

۸۔ حیات فقیہ الہند (کراچی ۱۹۹۶ء)

راقم کے علاوہ حضرت مفتی اعظم کے مرید خاص مولانا جاوید اقبال مظہری نے لکھنا شروع کیا تو وہ بھی لکھتے چلے گئے۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ ملفوظات مظہری، مطبوعہ کراچی

۲۔ خلق مظہری، مطبوعہ کراچی

۳۔ آفتاب ہدایت مطبوعہ کراچی

۴۔ مناقب مظہری مطبوعہ کراچی

۵۔ عارف کامل مطبوعہ کراچی

۶۔ مظہر جمال مصطفیٰ ﷺ مطبوعہ کراچی

○

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی اللہ کے بندوں کے لیے نمونہ تھی، وہ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جب بدایوں، بریلی اور فرنگی محل وغیرہ میں چراغ روشن تھے، دہلی میں بھی ان کے اجداد کے دم سے چراغ روشن تھے۔ ان کی زندگی منظم و مربوط تھی جیسے موتی کی لڑی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ایک ایک گھڑی کا حساب رکھتے تھے، وقت کو بے دریغ خرچ نہیں کرتے تھے کہ یہ بڑی دولت ہے، جس نے وقت کی قدر کی وقت نے اُس کی قدر کی۔ ان کا طریقہ تعلیم و تربیت بھی بڑا نرالا تھا۔ نظروں سے تربیت فرمائی، اقبال نے اسی راز سے یوں پردہ اُٹھایا ہے۔

تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

جدید تہذیب وتمدن نے قدیم قدروں کو برباد کر کے دکھ دیا۔ آدمیوں کو جانوروں سے قریب کر دیا۔ انسان سے دُور کر دیا۔

بس کے دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

○

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا دل ودماغ خانقاہی عصبیتوں سے پاک صاف تھا، ہر سلسلے کے علماء ومشائخ، تشریف لاتے، سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور سلسلہ وارثیہ وغیرہ، علماء اہل سنت میں بدایوں، سنبھل، میرٹھ، مارہرہ شریف، کچھوچھ شریف، بریلی شریف، مراد آباد اور فرنگی محل وغیرہ کے سنی مراکز کے علماء اہلسنت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے، مسجد فتح پوری، دہلی علماء اہلسنت کا ایک عظیم مرکز تھا اور ہے۔ اب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد زیدہ مجدہ آپ کی مسند پہ رونق افروز ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ اپنا دروازہ اللہ کی مخلوق کے لیے کھولے رکھا اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کیا، آخر وقت تک اللہ کے بندوں کو محروم نہ رکھا۔ تندرستی اور صحت کے زمانے میں ملاقات کے لیے کافی وقت عطا فرماتے مگر ضعیفی اور بیماری کے زمانے میں عصر سے مغرب تک کا وقت ملاقات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک زندگی ہم سب کے لیے نمونہ تھی اور نمونہ ہے۔

○

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر متعدد سوانح لکھی جا چکی ہیں۔ ''انوار مظہریہ'' ان سوانح میں ایک اہم اضافہ ہے۔ سوانح نگار محترم الحاج محمد یونس باڑی مظہری زید مجدہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مرید خاص ہیں اور تقریباً ۱۴، ۱۵ برس

تک آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، یہ اسی صحبت کی برکت ہے کہ موصوف کے صاحبزادے عزیزم الحاج محمد اطہر باڑی مسعودی خاندان مظہریہ میں نسبت فرزندی اور نسبت روحانی میں منسلک ہو گئے فقیر کی صاحبزادی اُن سے منسوب ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ان کی ولادت سے بہت پہلے فرمایا تھا کہ ''اب جو بیٹا ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔'' الحمد اللہ جناب محمد یونس باڑی صاحب کے ہاں بیٹا ہوا اور جو کچھ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا وہ ہو کر رہا۔ داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔

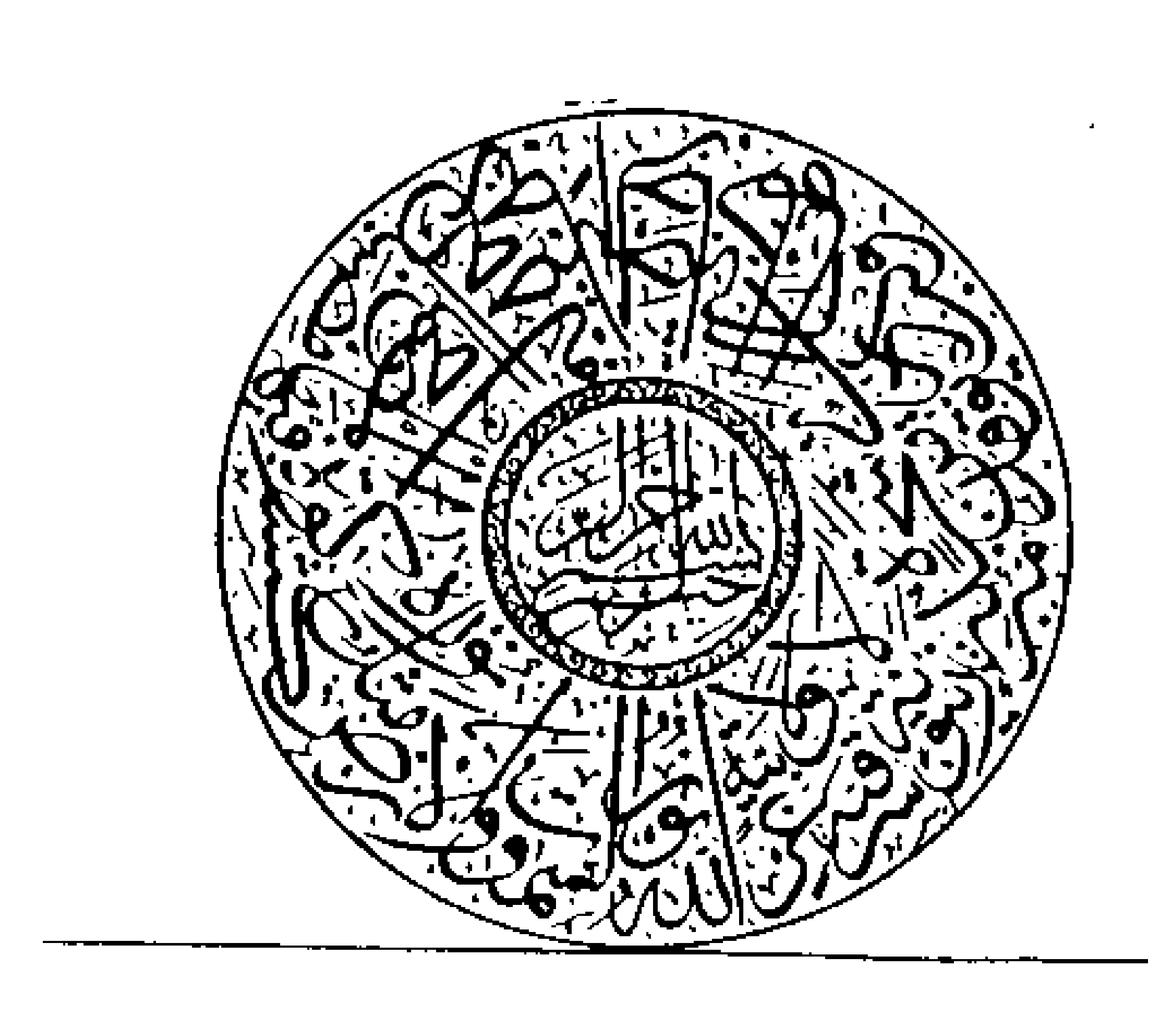
اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوبوں کو پسندیدہ کام میں لگا دیتے ہیں اور جو محبوب نہیں ہوتے وہ ناپسندیدہ کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ محبوب اور غیر محبوب کا یہی امتیاز ہے۔ حاجی محمد یونس باڑی مظہری زید مجدہ کی یہ خوش بختی و خوش نصیبی ہے کہ وہ گزشتہ دس بارہ برسوں سے اللہ کے ایک محبوب کی سوانح نگاری میں مصروف رہے اور جس منزل کی تلاش میں وہ نکلے تھے وہ منزل پالی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔ سوانح نگاری کا ایک روایتی طریقہ ہے مگر حاجی محمد یونس باڑی صاحب نے معروف روایت سے ہٹ کر اپنی روایت قائم کی ہے جو زیادہ دلچسپ و دلکش معلوم ہوتی ہے۔ حاجی محمد یونس باڑی صاحب دہلی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے ہیں، نفیس طبیعت کے مالک ہیں، سخن سنج و سخن شناس ہیں، ان کو بات کرنے اور لکھنے کا ڈھنگ آتا ہے، ان کی تحریر ظاہری و باطنی حسن سے مالا مال ہوتی ہے۔ ہر سطر سلک مروارید اور ہر لفظ نافہ آہو، دیکھ کر آنکھوں کو سرور ملتا ہے اور دل کو نور و حضور۔ انوار مظہریہ دس بارہ سال سے زیر تدوین تھی مگر اس کا منصۂ شہود پر آنا جوئے شیر لانا ہو گیا۔ فاضل سوانح نگار ضعیف و بیمار بھی ہو گئے، عارضہ قلب اور آنکھوں میں موتیا، کام کرنا دوبھر ہو گیا، اسی حالت میں کمپوزنگ بھی شروع کرادی مگر تصحیح کرنا مشکل ہو گیا اس سلسلے میں عزیزم ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی اور اُن کی بہنوں، حنا مسعودی اور صبا مسعودی نے بڑی محنت کی اور یہ کتاب کمپوزنگ کے مرحلوں سے نکل کر طباعت کے مرحلوں میں داخل ہوئی۔ کمپوزنگ میں برادرم سید شعیب افتخار مسعودی نے بہت جاں کاہی اور جاں فشانی کی، اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے آمین۔ وہ کریم محترم حاجی محمد یونس باڑی مظہری کو ان کی

شب و روز محنت، اخلاص و محبت، ایثار و قربانی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ''انوار مظہریہ'' کو ان کے اور ان کے خاندان کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی متعدد سوانح شائع ہو چکی ہیں مگر زبان و بیان اور مواد کے اعتبار سے انوار مظہریہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، ایسی لطافت زبان و بیان کے ساتھ سوانح بہت کم لکھی گئی ہیں۔ سوانح صرف تاریخ نہیں اس میں تاثیر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے تاکہ سنورے ہوئے انسانوں کی سوانح پڑھنے والا سنور جائے اور واقعات اور حالات اثر انداز ہو کر دل و دماغ پر ثبت ہو جائیں۔ اچھے انسان ہی انسانوں کو بناتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ''انوار مظہریہ'' کو ہم سب کے لیے چراغ راہ بنائے اور ہم اس کی روشنی میں منزل مراد تک پہنچ کر کامیاب و کامران ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ و ازواجہ صحبہ وسلم۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
۱۸ جولائی ۲۰۰۱ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأثرات

محقق بے بدل، مفسرِ قرآن جناب سید انور علی صاحب انور
ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان

محبی شیخ محمد یونس باڑی زید مجدہ نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''انوارِ مظہریہ'' پر تبصرہ لکھنے کی فرمائش کی تو راقم الحروف کو خیال ہوا کہ نہ یہ میرا شعبہ ہے نہ مجھے اس موضوع پر لکھنے کی مہارت ہے۔ لیکن ''انوارِ مظہریہ'' جو حضرت شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ ہے اس میں چند سطور کی شرکت بھی میرے لیے سعادت ہوگی۔ اس لیے انوارِ مظہریہ کے Out standing features میں سے بعض کا اشارۃً ذکر کر رہا ہوں۔

(۱) راقم الحروف کا تعلق قانون کے شعبے سے ہے اس لیے عادتاً کسی معاملہ میں پہلی جستجو یہ ہوتی ہے کہ اس میں کیا حق ہے اور کیا ناحق ہے؟ اس زاویہ سے نگاہ پڑی تو ثابت ہوا کہ عام سوانح کی طرح ''داستان سرائی'' یا زیب بیان کے لیے عبارت آرائی کو اس کتاب میں جگہ نہ مل سکی۔

(۲) صحیح واقعات کو صحیح انداز سے پیش کرنا ہی صحیح سوانح نگاری ہے اس کلیہ کی روشنی میں مصنف انوارِ مظہریہ کامیاب قرار پاتے ہیں۔

(۳) سیرت لکھنے کے لیے شخصیت کا انتخاب ایک مدبرانہ فیصلہ ہے ہزار ہا ہزار محبین ومخلصین حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے بے قرار ہیں۔ کتنے دلوں کی راحت کا سامان ہوگیا۔ اور کتنی دعائیں حاجی محمد یونس باڑی صاحب نے سمیٹ لیں۔

(۴) مولانا موصوف کی تحریر میں صحبت مرشد کا فیض جھلک رہا ہے۔ عبارت پروقار ہے عالمانہ اور عارفانہ اشارات جا بجا ہیں مگر طبیعت بوجھل نہیں ہوتی پڑھتے جائیں شوق بڑھتا جاتا ہے۔

(۵) سیرت نگاری میں ایک جدت یہ دیکھنے میں آئی کہ ہر مقالہ (عنوان) کا آغاز بہت دلکش ہوتا ہے کوئی عالمانہ نکتہ ہو یا عارفانہ تبصرہ یا ادبی چاشنی پڑھنے والے کی توجہ نفس مضمون کی طرف مرتکز ہوجاتی ہے۔ مولانا یونس باڑی صاحب نے سوانح نگاری میں یہ ایک نئی روش ڈالی ہے مثلاً پہلا مقالہ اجداد کرام یوں شروع ہوتا ہے۔ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ......ترجمہ ''میں اولاد آدم میں بہترین گھر میں بھیجا گیا ہوں، اعلیٰ نسب ہونا بڑی نعمت ہے۔ شریف النسب انسان اکثر شریف النفس بھی ہوتے ہیں اجداد کرام کی ناموس کا احساس۔ حوصلہ کی بلندگی عزم کی پختگی پاکیزہ کردار میں معاون ہوتے ہیں۔

تا گوہر آدم نسبم باز نہ افتد
از آبائے خوددار بشرم اصحاب کرم را

عرفی شیرازی

ہر مضمون کا مزاج جدا جدا ہوتا ہے۔ فلسفہ کا لب ولہجہ اور ہے اور افسانہ اور کہانی کی زبان اور اسی طرح سیرت نگاری کا ایک اسلوب ہے ایک انداز ہے جو پوری کتاب میں ایک ہی رہتا ہے مگر انوارِ مظہر یہ ایک چمن ہے جس میں ہر رنگ کے پھول

کھلے ہوئے ہیں مثلاً ایک مقالہ حج کے عنوان سے ہے۔ ہر ہر جنبش ہر ہر ادا پر شعر حاضر ہے۔ یوں لگتا کہ اگر مصنف کو اجازت دی جائے تو سارا مقالہ منظوم ہو جائے۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو پورے مضمون پر چھائی ہوئی ہے۔ راز و نیاز وارفتگی، شیفتگی واردات قلبی سب ہی کچھ ہے۔

ایک عنوان ہے ''حضرت صاحب'' مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے بارے میں یہاں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی جوشیلا مقرر اسٹیج پر کھڑا ہاتھ ہلا ہلا کر ایک ایک خوبی گنوا رہا ہے اور بار بار کہتا ہے یہ وہ تھے...... یہ وہ تھے۔

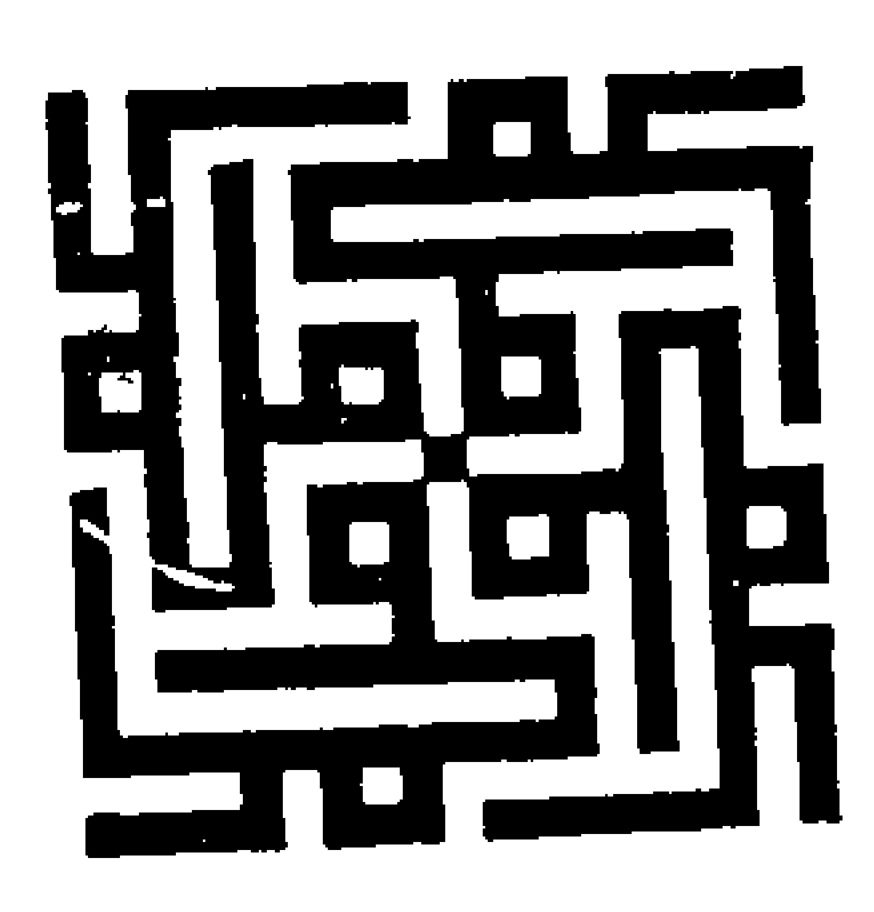
جذبات کی عکاسی میں بھی حاجی محمد یونس باڑی صاحب کو اچھی مہارت ہے۔ ایک اقتباس پیش کر رہا ہو۔

اچانک ہوا کا رخ بدل گیا...... صبح خوشگوار پر شام سوگوار کے سائے پھیلنے لگے...... مسکراتے چہرے اداس ہو گئے...... جن آنکھوں میں کل تک خوشیاں ناچ رہی تھیں...... آج وہ ڈبڈبائیں...... چھلکیں...... اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

انوار مظہریہ سے سیرت نگاری کو نئی جہتیں ملی ہیں۔ خود اس کو قرآن و حدیث کے حوالوں نے پاکیزگی بخشی۔ شخصیت کی نسبت نے امتیاز عطا کیا شعر و سخن نے ادبی رنگ چڑھایا طرز نگارش نے اہم کتابوں کی صف میں جگہ دلائی۔

دعا ہے کہ مولا کریم ہم سب کو اس سے نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!



محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ ایس۔ای کالج، بہاول پور

بزرگانِ دین کی سوانح عمریاں عام طور پر، جوشِ عقیدت میں، اس طرح لکھی جاتی ہیں کہ ان میں مبالغہ آرائی اور لفاظی زیادہ نظر آتی ہے، حقیقت کم .... نتیجہ یہ کہ پڑھنے والے داستانوں کی سی حیرت انگیزی کے سبب ان سے لطف تو اٹھاتے ہیں، عقیدت مند بھی بن جاتے ہیں اور مرعوب بھی ہو جاتے ہیں، لیکن زندگی کے حوالے سے ان کی پیروی اور تقلید کی ترغیب نہیں ملتی۔ پیشِ نظر سوانح عمری اس اعتبار سے منفرد نوعیت کی ہے کہ ممدوح شخصیت سے والہانہ عقیدت اور حالات کی حیرت خیزی کے باوجود ان کے نقوش قدم پر چلنے کا جذبہ دل کی گہرائیوں سے اُبھرتا ہے۔ وجہ یہ کہ عقیدت و حیرت کے باوجود حالات و واقعات پر حقیقت کا رنگ غالب ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح قرآن کریم کی بہ تمام و کمال حفاظت کی ذمہ داری ربِ ذوالجلال نے لی ہے، اسی طرح قرآن کی عملی تفسیر یعنی اسوۂ حسنہ کے زندہ اور روشن رکھنے کے وسیلے بھی قدرت پیدا کرتی ہے۔ آغاز میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عملی زندگی کی ایک ایک ادا کو، ان کے قول و فعل کو، فلاح انسانیت کے لیے صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم کے ذریعے محفوظ کرایا گیا۔ پھر آپ کے سیرت نگاروں کا ایک وسیع اور وقیع سلسلہ موجود ہے لیکن یوں نظر آتا ہے کہ قدرتِ الٰہی بطور خاص یہ اہتمام بھی کرتی ہے کہ ہر دور میں کسی ہستی کو منتخب کر کے اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور اور ہر زمانے کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی کا موثر وسیلہ ہے۔

اس کتاب کی ممدوح شخصیت، مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ ایسی ہی منتخب روزگار ہستیوں میں سے ہیں جنہیں دست قدرت نے اس طرح تراش کر چمکدار بنایا کہ اردگرد روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ مصنف خوش قسمت ہیں کہ انہیں ایسی عظیم ہستی کی صحبت میں ایک دو برس نہیں، پورے پندرہ برس رہنے کا موقع ملا۔ سفر وحضر میں وہ ان کے ساتھ رہے، ان کی ایک ایک ادا کو نظروں میں سمویا اور وہ آج بھی ان سے والہانہ عقیدت اور قلبی لگاؤ رکھتے ہیں اور یہ کسی بھی شخصیت کی عظمت کی بین دلیل ہے کہ سب سے زیادہ قریب رہنے والے اس کے مداح اور والہ وشیدا رہیں۔ ورنہ ہوتا یہ ہے کہ جتنا کوئی قریب ہوتا ہے اسی قدر شخصیت کے عیوب اس پر کھلتے ہیں لیکن، جب معاملہ یہ ہو کہ ممدوح شخصیت اس ہستی بے مثال کی پرتو ہو جو مبرا ہے ہر عیب سے، تب، حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جتنی قربت بڑھتی جاتی ہے، محبت وعقیدت میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مصنف موصوف نے ہر چند مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شخصیت کو عقیدت و محبت کی نظر سے دیکھا، لیکن خوبی یہ ہے کہ ان کے حالات و واقعات کے بیان میں مبالغے سے قطعاً کام نہیں لیا۔ بلکہ حتی الامکان مستند حوالوں اور حزم و احتیاط کو پیش نظر رکھا ہے مثلاً وہ یہ بھی لکھ سکتے تھے کہ حضرت نے زندگی میں لاکھوں خطوط لکھے۔ لیکن نہیں، انہوں نے مصاحبین کی گواہی کی روشنی میں روزانہ خطوط کے جواب دینے کا محتاط اندازہ لگایا، اسے عمر کے فعال حصے کی مقدار سے ضرب دی اور تب بتایا کہ ساری زندگی میں کم وبیش ایک لاکھ خطوط کے

جوابات دیے گئے۔ ذرا اندازہ کیجئے، ایک لاکھ خطوط! اگر ہر خط کا متن کتاب کی ایک سطر میں بھی آئے تو ایک لاکھ لائنیں۔ بیس لائنوں کا ایک صفحہ ہو تو گویا ہزار ہزار صفحات کی پانچ جلدیں خطوط کی مرتب کی جا سکتی ہیں۔ محتاط انداز کے باوجود، کس قدر حیرت انگیز! لیکن حقیقت ہونے کے باوجود قابلِ تقلید بھی۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو خطوط کے جواب دینے کو اہمیت دیتے ہیں۔ روابط میں ایسی ہی احتیاط کا سلیقہ سیکھنا ہو تو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت ہمارے لیے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح زندگی کے اور بہت سے واقعات ہیں، مثلاً یہ کہ نصف صدی کی امامت کے منصب کی بجا آوری میں کبھی ایک سجدہ سہو کی بھی نوبت نہیں آئی۔ مصنف نے اس حیرت انگیز حقیقت کے لیے بھی قوی شواہد کو پیش نظر رکھا ہے۔ غرض یہ کہ مصنف نے حقائق کو نہایت احتیاط سے پیش کیا ہے، مبالغہ سے کہیں کام نہیں لیا۔ یہ اور بات ہے کہ صاحب سیرت کی شخصیت ہی بے مثل اور حیرت انگیز ہے۔ پندرہ برس کی رفاقت میں مصنف نے مفتی اعظم علیہ الرحمتہ کو جس انداز سے زندگی گزارتے دیکھا اسے عمدگی سے یادوں کے حوالے سے منعکس کیا ہے۔ ان کی نورانی شکل وصورت، متناسب جسم، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کا پروقار انداز، ان کے بات کرنے کا دھیما پن، ان کی خودداری، فقر وغنا، جرأت وعزیمت کی خوبیوں کو واقعات کی روشنی میں یوں اُجاگر کیا کہ پڑھنے والے کو بھی کسی حد تک ملاقات کا احساس ہونے لگتا ہے۔

مصنف نے جب حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا تو حضرت کی عمر ستر برس کی ہو چکی تھی۔ اس عمر میں بھی ان کی شخصیت میں جو رعنائی اور حسن موجود تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ عام بوڑھے لوگوں کے برعکس:

''نہ چہرہ انور پر جھریاں، نہ جسم اطہر پر سلوٹیں، نہ آواز میں لڑکھڑاہٹ، نہ ثقلِ سماعت......سراپا چمن۔''

مصنف نے دہلی اور جامع مسجد فتح پوری کے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی پیش منظر

کے حوالے سے حضرت مفتی اعظم کی پُر وقار امامت کا دور عروج دیکھا ہے۔ بغائر مشاہدے کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے مواقع کی یوں تصویر کشی کی ہے کہ شخصیت کے ظاہر میں باطن کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔ حجرۂ مسجد سے وسیع دالان کو عبور کرتے ہوئے مصلے تک جانے اور آنے کے انداز کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

''حضرت نماز پڑھانے تشریف لے جاتے تو چہرے کے تاثرات اور انداز کچھ اس طرح ہوتے جیسے سراپا ادب، نگاہیں نیچی، دونوں ہاتھ آگے کی طرف ذرا اُٹھے ہوئے، جیسے اب نیت باندھنے والے ہیں اور کسی عظیم دربار میں حاضری کے لیے حواس یکجا کر رہے ہیں...... نماز پڑھا کر واپس ہوتے تو چہرہ انور پر فرحت کے آثار ہوتے۔ مصافحہ کرنے والے حضرت کی طرف لپکتے۔ آپ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور حجرے کی طرف بڑھتے جاتے۔''

مصنف نے نفسیاتی اعتبار سے بھی شخصیت کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔

چلنے پھرنے کے انداز میں مزاج کا عکس، یہ جملے دیکھیے:

''چلتے وقت شانے مبارک سیدھے رہتے، نہ غرور سے تنے ہوئے نہ یاس سے جھکے ہوئے۔''

مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مسحور کن شخصیت کی مؤثر تصویر کشی میں بیان کے ساتھ ساتھ مصنف کے اسلوب بیان کو بھی دخل ہے۔ ویسے تو پوری تحریر پر دہلوی رنگ کی سادگی و پُرکاری چھائی ہوئی ہے لیکن کہیں کہیں مقفّیٰ اور مسجع عبارت لطف بیان میں اضافے کا سبب بنتی ہے مثلاً مفتی اعظم کی شخصیت کی دلکشی میں نغمگی کا تاثر دیکھیے:

''نہ جسم پر تھکن، نہ کسی پر غصہ نہ کسی سے کڑھن، وہ سراپا چمن...... خدمت دین کی لگن اور اللہ کی رضا میں مگن رہتے تھے۔''

جسم کی مناسبت کے ضمن میں ایک اور جملہ دیکھیے:

''سینہ کہ دفینہ تھا گہر ہائے راز کا...... مردانہ حسن کا قرینہ۔''

حضرت مفتی اعظم کے احوال کے ساتھ ساتھ مصنف ان کے فکر انگیز خیالات کا بھی اظہار کرتے ہیں تو بات دل میں اُتر جاتی ہے۔ مثلاً رضائے الٰہی کی ترغیب کس خوبصورتی سے دی ہے، فرماتے ہیں:

''راہ سلوک کا اہم کام رضا، ہے جس کے ثمرات دونوں جہانوں میں بے مثال ہیں۔ یہاں سکونِ قلب اور وہاں اللہ کی رضا مندی۔''

مصنف نے ایک موقع پر ولی بننے کے لیے کوئی وظیفہ پوچھا تو جواب میں کیا عمدہ بات فرمائی:

''ولی بننے کے لیے وظیفہ پڑھنا جائز نہیں۔ جو پڑھو، اسی کی رضا کے لیے۔ ولی دوست ہوتا ہے، زبردستی دوستی نہیں ہوتی۔ دوست کی مرضی کے کام کرو گے، دوستی ہو جائے گی۔''

حضرت مفتی اعظم صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ان کی بے شمار کرامات زبان زد ہیں۔ مثلاً لاہور میں حضرت کے ایک مرید اسلام الدین مرحوم تھے۔ تقسیم سے قبل دہلی میں بڑے خوشحال تھے۔ کپڑے پہننے کا خوب شوق تھا، سجے بنے رہتے، اس لیے ''دولھا میاں'' مشہور ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء میں انہوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ تقسیم ہند کے آغاز میں جب وہ لٹے پٹے لاہور پہنچے تو قیام تھا اندرون لوہاری گیٹ۔ ایک تو حالات خراب تھے، انہی دنوں انہیں بواسیر کے مرض کی ایسی شدت تھی کہ بے حال کر رکھا تھا۔ کمزوری سے نڈھال۔ انتہائی تکلیف کے اس عالم میں انہوں نے حضرت کو خط لکھ دیا، دعا کیجیے جواباً مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا صرف یہ دوسطری جواب آیا کہ 'ایسا معلوم ہوتا ہے تم داتا صاحب نہیں جاتے۔' شام کے قریب یہ خط ملا۔ ان کی حالت ایسی کہ دو قدم نہ چلا جائے، لیکن حضرت کے مکتوب کو دیکھتے ہی داتا صاحب جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ دیواروں کا سہارا لیتے، کہیں بیٹھ

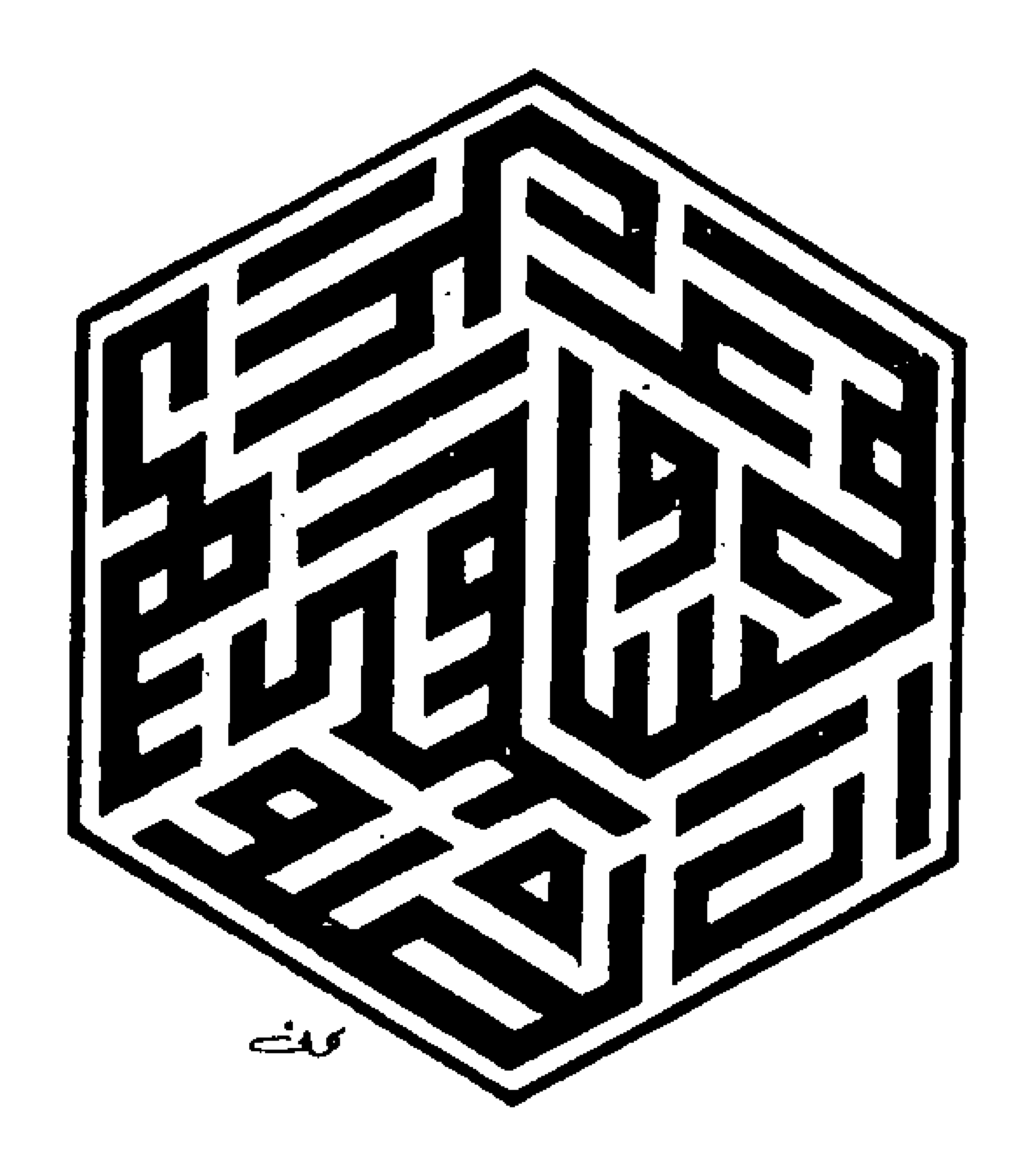
جاتے پھر چل پڑتے۔ راستے میں ایک باغ پڑتا ہے کچھ دیر تھک کر وہاں کسی جگہ بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ سامنے سے آرہے ہیں۔ قریب آئے مصافحہ کیا اور کہا کہ آپ بیمار ہیں؟ اور یہ کہہ کر قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھنے کو بتائی (دولھا میاں نے سورہ بتائی تھی راقم کو یاد نہیں رہی) ان بزرگ نے پڑھنے کے تلقین کے بعد ان سے معانقہ کیا اور آگے چل دیے۔ یہ دربار داتا صاحب پہنچے، فاتحہ پڑھی، واپس آئے۔ حیرت یہ کہ واپسی پر توانائی بڑی حد تک بحال تھی۔ گھر میں پہنچے ہیں تو گھر والے حیران کہ یہ آپ کے کپڑوں میں سے خوشبو کیسی پھوٹ رہی ہے۔ انہوں نے بزرگ سے ملنے کا تذکرہ کیا اور تلقین کردہ سورہ کی تلاوت کو جاری رکھا۔ خدا کا کرنا حالت سنبھلتی گئی اور..... چند روز بعد حضرت مفتی اعظم کا والا نامہ پہنچا، جو آپ نے بغیر کسی خط کے جواب کے خود ہی تحریر فرمایا تھا، جس میں مبارکباد دی گئی تھی کہ ''مبارک ہو۔ تمہیں داتا صاحب کی زیارت ہوئی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کپڑے ہفتوں دھلتے رہے لیکن ان میں وہ بھینی بھینی خوشبو ختم نہیں ہوئی۔ اسی طرح ۱۹۵۱ء کی بات ہے میرے والد ماجد قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن علیہ الرحمہ حج بیت اللہ شریف کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت مفتی اعظم نے ایک خط دیا کہ حرم شریف میں فلاں جگہ ایک صاحب ملیں گے ان کو دے دینا۔ والد صاحب جب حرم شریف میں داخل ہوئے تو وہ صاحب نہ صرف وہاں موجود تھے بلکہ انہوں نے خط خود ہی طلب فرمایا۔ اس طرح والد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم کوئی دعا تلقین فرما رہے ہیں۔ بیداری کے بعد وہ دعا پوری یاد نہ رہی۔ جب حضرت کو خط لکھا تو آپ نے وہی پوری دعا تحریر فرما دی اور حیرت یہ کہ دو دن میں خط چلا بھی گیا اور جواب بھی آ گیا۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی کرامات لوگ سناتے ہیں۔ علیحدہ سے کتاب بھی اس موضوع پر چھپی ہے۔ لیکن مصنف نے اس کتاب میں اس پہلو پر کم ہی توجہ دی ہے، اس لیے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رنگ جانے والی شخصیتیں تو خود زندہ کرامات بن جاتی ہیں، مصنف نے اِن پہلوؤں کو

اُجاگر کیا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں حضرت کا کردار، ان کی مختلف علوم میں مہارت، مسلک میں پختگی لیکن معاملات میں دلکشی، مختلف فنون میں ان کی ہنرمندی اور اختراع و ایجادات کی حد تک ذہن رسا اور ان کی سیرت کے دیگر اوصاف کی مصنف نے ایسی تصویر کشی کی ہے کہ وہ ہمیں اپنی زندگی سے بہت قریب نظر آنے لگتے ہیں۔ فقر و خودداری، غیرت و حمیت، جرأت و حوصلہ مندی، عزم و ہمت، وفاداری اور خلوص، ایمان و یقین اور علم و عمل میں یگانگت کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ کون شخص ہے جو زندگی میں عزت و وقار اور سکون و قرار کا طلب گار نہیں ہے۔ یہ کتاب پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ سب نعمتیں میسر آ سکتی ہیں بشرطیکہ صاحب سیرت کی طرح ہم اپنی زندگیوں کو اس نور سے مستفید کر لیں جس کے بعد عزت بھی ہے وقار بھی، سکون بھی قرار بھی۔

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف

کراچی (سندھ)

۱۶ اگست ۲۰۰۱ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبریک

حضرت الحاج پیر فضل الرحمٰن آغا مجددی دامت برکاتہم العالیہ

صالحین کی محبت اور صحبت اور ان کی خدمت یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام ہیں جن کو مل جائیں وہ مبارک باد کے مستحق ہوتے ہیں۔

محبت کے بارے میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی وشافی ہے کہ المرء مع من احبہ۔ آدمی کا شمار (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہو (محبت کرتا ہے) مبارک ہوئے وہ جو صالحین سے محبت کرتے ہیں۔

اچھی یا بری صحبت کے اثرات سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ مشہور ہے

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند

الحاج شیخ محمد یونس باڑی زیدہ مجدہ اپنے مرشد مہربان کی شفقتوں کے سایہ میں پندرہ سال رہے یہ خوش نصیبی بھی قابل مبارک باد ہے۔

تقریباً پندرہ سال (یا کچھ زیادہ) یہ اپنے گھر میں حضور نبی الرحمہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی ماہانہ محفل سجاتے رہے۔ اس میں صالحین کا ذکر بھی ہوتا رہا یہ بھی خوش نصیبی ہے اور قابل مبارک باد ہے۔ ۱۹۸۷ء میں پہلا مقالہ چھپا وہ بھی ایک ولی کامل کی سیرت پر

تھا تقریباً ۱۴ پندرہ سال سے یہ شغل جاری ہے اس کو خدمت کے تحت شمار کیا جا سکتا۔ ہے اور اب ''انوارِ مظہریہ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

راقم الحروف نے انوار مظہریہ کا مسودہ دیکھا۔ یہ ایک وفا کیش مرید کی محبت اور اخلاص کا عکس جمیل ہے۔ اس میں مولانا محمد یونس باڑی نقشبندی مظہری نے اپنے عظیم مرشد شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی سیرت مقدسہ کو بڑی سعادت مندی اور سلیقہ سے پیش کیا ہے۔ سیرت نگاری میں خوب صورت طرز کو روشناس کرایا ہے۔ زبان و بیان کی خوبیاں اس قدر نظر آئیں کہ ہر ایک پر کلمات تحسین پیش کیے جائیں۔

میرے برادران گرامی اور خود مجھے اس پر مزید خوشی ہوئی کہ انوار میں تقریباً ہر عنوان کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا ہے۔ جا بجا عارفانہ نکات بھی ملتے ہیں۔ ادبی رنگ غالب ہے اس لیے ''پاکیزہ ادب'' کی صف میں یہ کتاب ممتاز مقام پائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ ایک بار پھر دلی مبارکباد کے بعد دعا ہے کہ مولائے کریم اس کتاب کے لکھنے والے، تعاون کرنے والے، پڑھنے والے میری اور سب حضرات کی مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین!




فتقبلها ربها بقبول حسن


پہلا باب



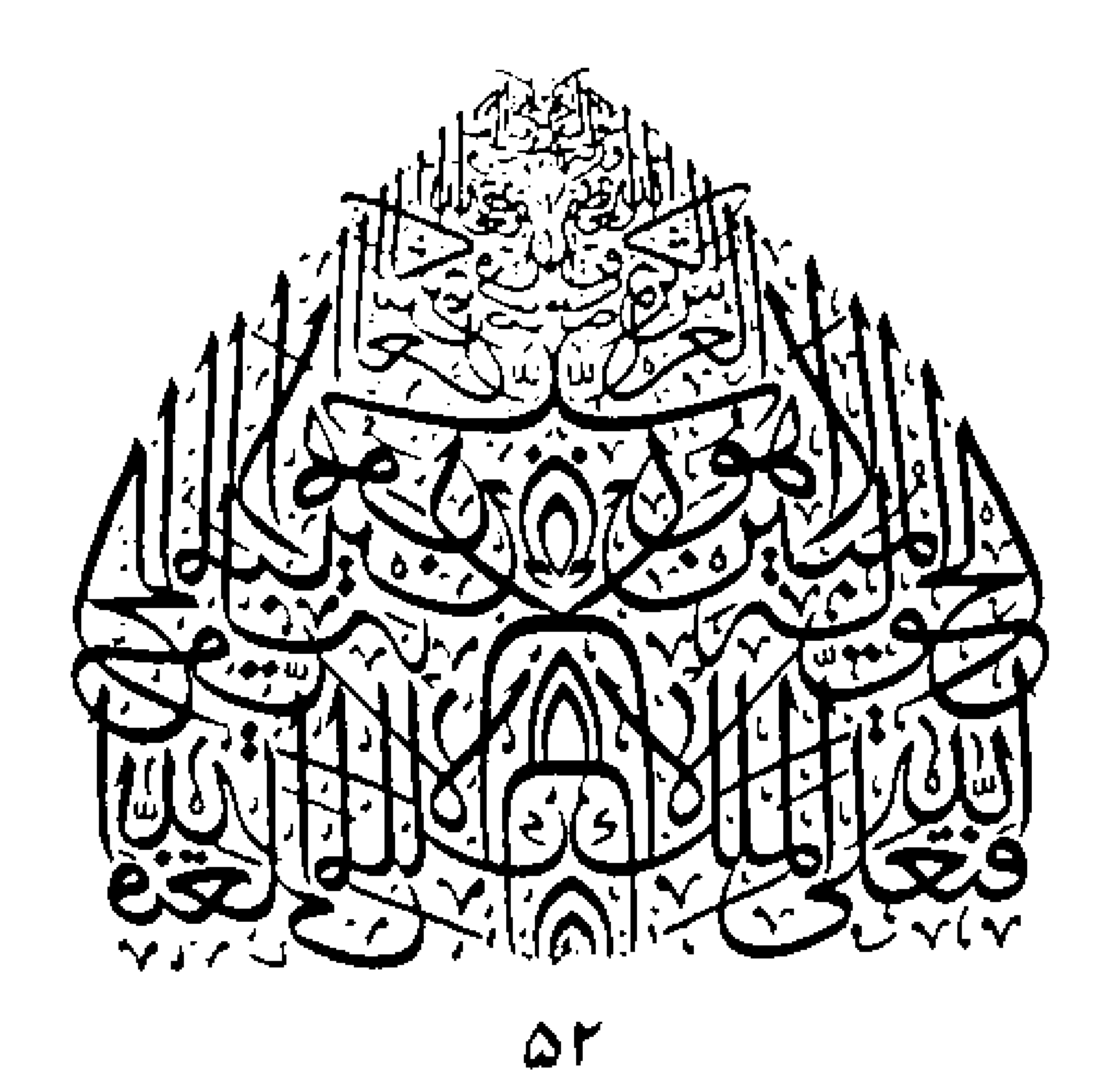
منقبت

آئینہ اسلاف

آئینہ ٔ اسلاف کا پاکیزہ صورت آپ کی
''بو حنیفہ'' کی جھلک،علمی جلالت آپ

یادگارِ سیرت ِ اصحاب، سیرت آپ کی
زندگی گویا ہے ''معیارِ شریعت'' آپ کی

پیکرخلقِ رسالت مظہراللہ شاہ ہیں
مظہرِ قرآن و سنت مظہراللہ شاہ ہیں



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجداد کرام

بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِی آدَم (الحدیث)

میں اولادِ آدم میں بہترین گروہ میں بھیجا گیا ہوں

اعلیٰ نسب ہونا بڑی نعمت ہے...... شریف النسب انسان اکثر شریف النفس ہوتے ہیں۔ اجدادِ کرام کی ناموس کا احساس...... بلند حوصلہ، عزم کی پختگی، جرأت مندی اور پاکیزہ کردار کی تعمیر میں معاون ہوتا ہے۔

تا گوہر آدم نسبم باز نہ افتد
از آبائے خود اربشرم اصحاب کرم را

مقتدائے عارفاں، راہنمائے کاملاں، فقیہہ دوراں، امام زماں، مفتیٔ اعظم پاک و ہندوستان، شیخ الاسلام، شاہی امام حضرت الحاج حافظ قاری شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمتہ کا سلسلہ نسب حق دستگاہ، عظمت پناہ، خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اس نسبت سے حضرت شیخ الاسلام نسباً صدیقی تھے۔

فقیہ الہند اور ان کی خدمات:

اس خاندان میں درخشاں ترین نام فقیہہ الہند اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود صدیقی محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ہے۔

وہ مفسر، وہ محدث وہ فقیہہ بے مثال
علم و حکمت ہے نشان حضرت فقیہ الہند کا

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شیخ الٰہی بخش رحمتہ اللہ علیہ اور دادا کا نام شیخ احمد دہلوی رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کا

اصل نام رحیم بخش تھا لیکن آپ کے مرشد کریم نے شاہ محمد مسعود کے لقب سے یاد فرمایا، اسی نام سے اس قدر مشہور ہوئے کہ صرف اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

اسم گرامیش مسعود بود
ز اقران خود گوئے سبقت ربود

آپ کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ تحصیل علوم سے فارغ ہو کر کسب معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور ملتان میں بعہدہ تحصیل دار آپ کا تقرر ہو گیا۔ تقریباً ایک سال آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ یہاں آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ مخدوم جہاں، قیوم زماں، امام الاولیاء، حضرت سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ العزیز کا شہرہ سنا تو ان کی خدمت میں مکان شریف ضلع گورداس پور (پنجاب۔ بھارت) حاضر ہوئے۔ اس بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوتے ہی حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ نے محسوس کیا کہ ان کو گوہر مراد حاصل ہو گیا اور آپ حضرت سیدنا امام علی شاہ صاحب قدس سرہ سے بیعت ہو گئے۔ سرکاری عہدہ پر اس دربار کی چاکری کو ترجیح دی۔ تحصیل داری سے استعفیٰ دے کر مرشد کریم کی غلامی قبول فرمائی۔ تقریباً سال بھر مجاہدات و ریاضات میں مصروف رہے۔ آپ خدمت شیخ میں ہمہ وقت حاضر رہتے تا آنکہ اسی دربار عالی وقار سے خلعت فاخرہ عطا ہوئی، اجازت و خلافت کے ساتھ دہلی کی ولایت سپرد کی گئی۔ حسب الحکم مرشد گرامی قدس سرہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے۔ خانقاہ مسعودیہ کی بنیاد رکھی اور علمی و روحانی فیوضات سے مخلوق کو سیراب فرمانے لگے۔

زہے مفتی اعظم دیں پناہ
بدہلی شد صاحب خانقاہ

امامت وخطابت:

دہلی پہنچ کر حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ مسجد جامع فتح پوری کے شاہی امام اور خطیب کے منصب پر فائز ہو گئے۔ یہ منصب شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو وراثتاً ملا تھا۔ ان کے ایک ہم عصر تحریر فرماتے ہیں: ''مسجد کے غربی وشمالی حجرہ میں یا تو فتویٰ نویسی میں یا ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے۔ صرف نماز پنجگانہ کی امامت کے لیے حجرہ سے باہر آیا کرتے تھے۔ نہایت کم گو، عابد وزاہد امام تھے۔''

ایک اور ہم عصر عالم دین اور ممتاز مبلغ اسلام حضرت مولانا امیر الدین احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی تبلیغی کوششوں سے ۳۰۰۰ (تین ہزار) غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ بڑے جہاں دیدہ تھے اپنی عمر کے ۹۶ (چھیانوے) سالوں میں بڑی بڑی ہستیوں کو دیکھا اور پرکھا تھا فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی سے ملے تو اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح فرمایا۔ ''زبدۂ فقہائے جہاں، اصلح صلحائے زماں، اعرف العرفا، فاضل الفضلاء، فقیہ بے بدل، مفتی بے مثل، محقق مسائل دیں حضرت مولانا مولوی رحیم بخش المشہور بہ مولانا محمد مسعود صاحب مفتی دہلی دام فیوضہ، جو جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ذات بابرکات میں عطا فرمائی ہیں بیان ان کا بہت دشوار ہے۔ آپ دہلی میں اعلیٰ درجے کے فقیہہ اور مفتی ہیں آپ کی ذات سے بہت فیض جاری ہے۔ آپ صاحب نسبت صاحب دل، عابد، عارف باللہ، مرتاض، دیندار، متقی، پرہیزگار، صاحب مروت، پیر کامل، ہادی طریقت، آپ پیش امام مسجد فتح پوری ہیں۔ آپ کی ذات سے فیض باطنی بہت جاری ہے۔ بڑے بڑے روٴسا آپ کے مرید ہیں دامن اخلاق بڑا وقیع کشادہ ہے۔ بہرحال فی زمانہ آپ کا دم بسا غنیمت ہے فقیر بھی آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔''

خطیبے بجا مع فتح پوری شد بتذکیر سالار و افسر شد
شریف النفس واعظ خوشنوا بدہ حافظ و قاری دلربا

دارالافتاء کی تجدید:

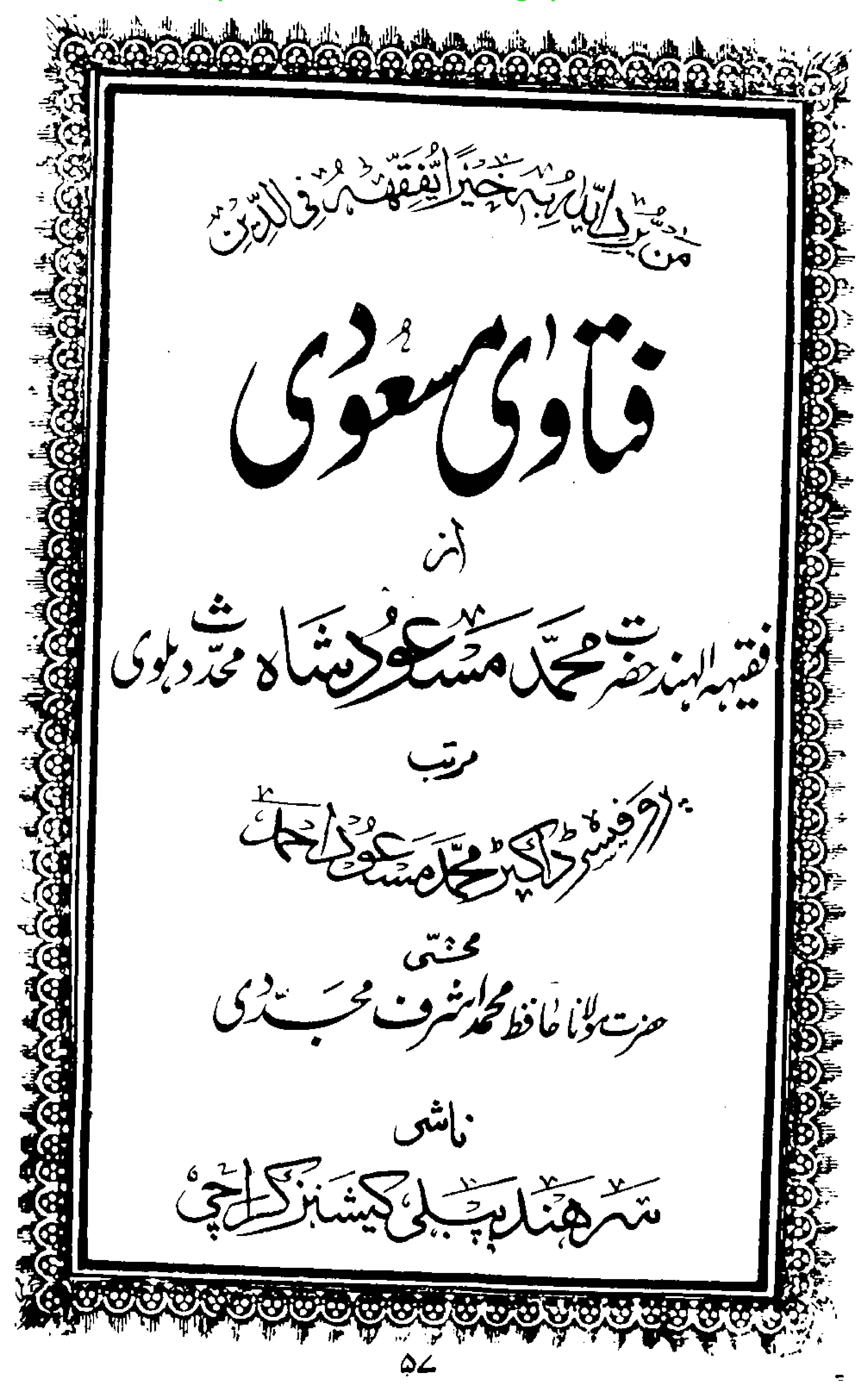
محدث مدرس فقیہ المثال زبدۂ اولیائے کمال
بفقیہ و فتاویٰ مقاش بلند بعلم و عمل فاضل و ارجمند

فقیہہ الہند اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی کی فقہی خدمات سنہرے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اگرچہ شاہی مسجد فتح پوری کو پہلے بھی دینی علوم کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور سابقہ شاہی امام حضرت مولانا مفتی حیدر شاہ خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کے خسر تھے اور حضرت مولانا محمد مصطفیٰ خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ (جو شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کے برادر نسبتی تھے) کے فتاویٰ بھی ملتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ نے مسجد فتح پوری میں دارالافتاء کو از سر نو قائم فرمایا۔ آج ایک صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کا لگایا ہوا یہ چمن بہار پر ہے، جہاں سے اب تک لاکھوں فتاویٰ جاری ہو چکے اور آج بھی دین کی ہر خدمت بڑی آب و تاب، مستعدی اور اخلاص سے آپ ہی کی اولاد امجاد کے ذریعے جاری ہے۔

بحمدہ آپ کے بعض فتاویٰ کی نقول آپ کے لائق صد افتخار پوتے شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے کتب خانہ سے دستیاب ہو گئیں۔ جنہیں حضرت مفتی اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے عالی گہر مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خاص محققانہ انداز میں مرتب فرما کر ''فتاویٰ مسعودیہ'' کے نام سے شائع فرما دیے ہیں۔

ز اولاد وے ہست مرد فرید مدوّن نمود ایں کتاب عجیب
کہ علامہ مسعود احمد وحید شود شود رحمت خاص اورا نصیب

اس مجموعے کے مطالعہ سے علماء کرام زیادہ استفادہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ عوام کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔ ان فتاویٰ سے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے تبحر علمی۔ فتویٰ نویسی میں مہارت اور فقاہت میں آپ کے بلند مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔



من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

فتاویٰ مسعودی

از

فقیہ الہند حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

محشی

حضرت مولانا حافظ محمد اشرف مجددی

ناشر

سرہند پبلی کیشنز کراچی

فقیہ الہند

حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارۂ مسعودیہ، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

خانقاہ مسعودیہ:

بہ تبلیغ تدریس شیخ عظیم　　　بجود و سخاوت رؤف و کریم

علمی وروحانی فضیلتیں اور نسبتیں اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں ملی تھیں۔ آپ خود بھی عظیم فقیہہ اور اعلیٰ پایہ کے محدث تھے پھر طبعاً متقی، عابد، کم گو اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ ایسے کامل مرید کو سراج الاصفیا امام الاولیاء حضرت سیدنا امام علی شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے شرف بیعت اور تربیت حاصل ہو جائے اور مختصر عرصہ میں تکمیل سلوک کے بعد رشد و ہدایت کی اجازت، خلعت خلافت اور دہلی کی ولایت سے سرفراز فرمایا دیا جائے۔ ایسی ہستی کے روحانی مقام کے لیے ہمارا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہوگا۔ البتہ یہ حق آپ کے مرشد عظیم قدس سرہ کا ہی کا تھا جو انہوں نے نبھایا۔ خلافت مرحمت فرمانے کے بعد جو تحریر بطور خلافت نامہ سنداً شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کی گئی اس میں ان کے روحانی مقامات فضائل و کمالات کی تصدیق کی گئی ہے۔ قلیل مدت میں یہ مقامات؟ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَشَآءُ...... (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے)

اس وقت شاہ محمد مسعود محدث رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف ۲۴ سال سے متجاوز نہ ہوئی تھی اس بہترین استعداد کے ساتھ بقیہ طویل عمر میں کہاں تک پہنچے کون بتا سکتا ہے؟ آپ کی روحانی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے پیر خانے سے جو خط آیا اس میں کس قدر احترام سے خطاب کیا گیا تھا گویا کوئی سعادت مند مرید اپنے پیر کو خطاب کر رہا ہو ایک مکتوب شریف کے القاب پیش ہیں جو کہ مرشد کریم نے اپنے مرید باصفا کے لیے تحریر فرمائے تھے مثلاً ''مظہر صفات ربانی، مورد اخلاق سبحانی، صدر مسند رشد و ہدایت، جامع نعوت ولایت، فضائل و کمالات مرتبت۔''

لاریب عظیم مرشد کی جانب سے ایسے موقر خطابات مرید کے لیے اسناد و امتیاز ہیں۔ اتفاقاً ایک اور مکتوب دستیاب ہوگیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ احترام اور

قدر و منزلت مرشد کریم تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کے بعد بھی پیر خانہ میں ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ایک مکتوب کا عکس پیش ہے۔

صاحبزادگان گرامی:

تا قیامت اپنی تابانی دکھاتا ہی رہے
یا الٰہی! خاندان حضرت فقیہہ الہند کا

فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے پانچ[1] صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ سب صاحبزادگان اعلیٰ درجہ کے عالم دین، متقی اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ
۲۔ حضرت مولانا مفتی احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ
۳۔ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ
۴۔ حضرت مولانا عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ
۵۔ حضرت مولانا حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ:

فرزند اکبر حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کا عین جوانی کے عالم میں انتقال ہو گیا آپ ہی حضرت قبلہ عالم مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمتہ کے والد گرامی تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد سعید علیہ الرحمتہ نے اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت فقیہہ الہند سے مروجہ علوم کی تحصیل فرمائی۔ تکمیل علوم ظاہری کے بعد اعلیٰ حضرت سے ہی بیعت ہو گئے۔ آپ کی طبیعت میں جلال تھا۔ ہر وقت عالم جذب میں رہتے تھے۔ اسی کیفیت میں اگر کسی کے لیے کچھ فرما دیا تو وہ ہو کر ہی رہتا تھا۔ چنانچہ ایک بار آپ نے اپنے پیر بھائی حضرت مولانا

[1] ۱۔ بعض جگہ چھٹے صاحبزادے عبدالقیوم کا ذکر بھی ملتا ہے مگر ان کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ مظہری

شاہ رکن الدین الوری رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آیئے آیئے خلیفہ صاحب ہم آپ کو خلیفہ کہیں گے۔ بڑے پیرزادہ صاحب کی پیش گوئی تھی وہ سچ ہو کر رہی اور اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود قدس سرہ العزیز نے حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمادی۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے صاحبزادگان میں صرف حضرت مولانا محمد سعید علیہ الرحمتہ اور حضرت مولانا مفتی احمد سعید علیہ الرحمتہ کو ہی خلافت و اجازت سے نوازا تھا۔ تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی حکیم عبدالمجید محدث علیہ الرحمتہ بھی اپنے والد سے بیعت تھے لیکن ان کو خلافت و اجازت ان کے بھتیجے حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے عطا فرمائی۔ مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ (استاد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف) شیخ الحدیث علامہ غلام جیلانی میرٹھی کے استاد تھے۔

۲۱ شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ کو مولانا مفتی محمد سعید کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار آپ کے والد کے مزار اقدس کے پہلو میں ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ہی حضرت موصوف کا مادہ تاریخ وفات اس آیت کریمہ سے نکالا تھا۔ سبحان اللہ کیا خوب اور حسب حال ہے ''قد فاز فوزا عظیما'' (القرآن)

حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کے دو فرزند تھے ایک تو حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمتہ تھے دوسرے صاحبزادے کا نام ''مظہر قیوم'' تھا جن کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

خلفائے عظام:

اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتگان پر ایک نظر ڈالنے سے بھی آپ کے کمالات روحانیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر

مکی رحمتہ اللہ علیہ جیسی عظیم المرتب ہستی نے بھی اعلیٰ حضرت فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر میں سلوک نقشبندیہ طے کیا۔[1]

آپ کے خلفاء کبار، شاگردانِ عظمت شعار اور مریدین بلند وقار بھی آپ کی عظمت کے شاہد ہیں صاحبزادگان عالی قدر حضرت مولانا مفتی محمد سعید اور حضرت مولانا مفتی احمد سعید رحمتہ اللہ علیہما کے علاوہ نامور شاگردوں میں حضرت سید صادق علی شاہ صاحب علیہ الرحمتہ، حضرت میر لطف اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمتہ، مرشد کریم قدس سرہ کے صاحبزادگان اور اس خاندان کے بعض شہزادگان۔

☆ جلیل القدر عالم اور مشہور روحانی پیشوا صاحب قلم حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری رحمتہ اللہ علیہ، قابل فخر شاگرد محبوب مرید اور ممتاز خلیفہ تھے۔

☆ حضرت محبوب یزداں مولانا حمید الدین حیدر شاہ گنوری رحمتہ اللہ علیہ بلند پایہ بزرگ تھے۔

☆ حضرت مولانا شاہ رحیم اللہ رحمتہ اللہ علیہ

☆ ان کے علاوہ مولانا عبدالغفور صاحب، مولانا حافظ قمر الدین صاحب اور مولانا نجیب اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہم کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ ایک اور بزرگ مولانا ارشاد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا نام بھی قابل توجہ ہے۔ (یہ حضرت شاہ محمد مسعود صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے لیکن ان کے وصال کے بعد اجازت و خلافت حضرت مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمتہ اللہ علیہ نے مرحمت فرمائی) ان خلفاء کرام نے بھی سلسلہ کی خوب ترویج کی گویا حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کے فیض سے ایک عالم سیراب ہو رہا ہے۔

ان کے عرفان سے نہ کیوں سیراب ہوں اہل جہاں
فیض بحر بیکراں ہے حضرت فقیہہ الہند کا

۱۔ ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور، ۱۹۷۸ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

[illegible] شیخ رحیم بخش [illegible] محمد مسعود نقشبندی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سند خلافت

حضرت شاہ رکن الدین الوری م ۱۳۵۵ھ / [illegible]ء

خلیفہ حضرت فقیہ الہند قدس سرہ العزیز

مکتوبہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

حال رتن ہندی مشہور بابا حاجی رتن مدفون در قصبہ بھٹنڈہ ضلع پٹیالہ کہ
ایک رسالہ معتبر جو شیخ غلام رسول شاہ صاحب بھٹنڈہ قصبہ پٹیالہ ضلع کرنال نقل کردہ
رسالہ [illegible] موجود نہیں ہے واضح ہو کہ راجہ جیپال نام جو قصبہ بھٹنڈہ والا
ہے اس نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب اونکی شہرت نبوت و معجزہ کی
جب سنی تب تصدیق دل معتقد اور مطیع اسلام ہوا و اخبار ایمان کی
تحقیق ہوا بت یعنی رتن نام [illegible] کو [illegible] دیگر مشہور
اور ہمراہ مدینہ منورہ کو روانہ کیا اور کہا اگر حضرت بزبان ہندی گفتگو
تحائف [illegible] ایمان لانا [illegible]
لاؤ تو پیغمبر برحق ہیں [illegible] رتن نام مدینہ منورہ کو گئی اور جناب حضرت
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل علیہ السلام نے بشارت [illegible]
[illegible] بعد [illegible] رتن حاضر ہو تسلیمات بجا لایا جناب نے
بہت التفات سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور ترجمہ اسکا
زبان ہندی میں [illegible] اور بیشتر تحائف جناب فرمائے اور
سلام [illegible] کا [illegible] ہو گیا [illegible] تصدیق دل ایمان
لائے اور مشرف بالاسلام ہوئے اور بحکم الٰہی [illegible] حج کیا بعد اور
بخدمت حضور رہکر [illegible] راجہ مذکور کے ہمسایہ [illegible] راجہ مذکور
قبل رتن تشریف لانے کے مرگیا اوسکا بیٹا بر تخت [illegible] اسکو [illegible]
جب دفعہ [illegible] اوسکا [illegible] شہید ہوا بابا رتن حاجی [illegible] مشہور ہوا

تصانیف:

اعلیٰ حضرت فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کے رشحات قلم بکثرت ہیں۔ جن تصانیف کا ابھی تک پتہ چل سکا ان کے نام یہ ہیں: (ان میں بعض طبع ہو چکی بعض غیر مطبوعہ ہیں)

- ......نور عرفان
- ......فیوض محمدی وسلوک مسعودی
- ......درثمانیہ
- ......الدرۃ لیتیم فی القرآن العظیم
- ......مکتوبات مسعودی
- ......رسالہ وجدیہ
- ......رسالہ سماع موتی
- ......رسالہ سماع وغنا
- ......رسالہ آداب سالک
- ......رسالہ رھن
- ......فتاویٰ مسعودی
- ......نور الہادین فی تحقیق آمین
- ......رسالہ جمعہ وغیرہ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو آپ واصل باللہ ہوئے۔ آپ کی خدمات بارگاہ رب العزت میں مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ تقریباً ۱۵۰ (ایک سو پچاس) سال بعد بھی آپ کے لگائے ہوئے چمن یعنی دارالافتاء دارالعلوم اسلامیہ اور خانقاہ مسعودی پوری طرح سرسبز وشاداب ہیں اور ایک عالم ان سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

اہل سنت پر کچھ ان کے اتنے احسانات ہیں

ہر دھن ہے مدح خواں حضرت فقیہہ الہند کا

آپ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد زیدمجدہ امامت و خطابت اور دارالافتاء کی ذمہ داریوں کے علاوہ مسند طریقت پر بھی جلوہ افروز ہیں۔

نجیب الطرفین:

ایک لطیف نسبت یہ بھی ہے کہ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے دادا اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اور حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے نانا حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز خان رحمتہ اللہ علیہ صاحب علم، صاحب حال اور اعلیٰ نسب بزرگ تھے اور دونوں برادر نسبتی تھے اور پیر بھائی بھی اس نسبت سے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نجیب الطرفین تھے۔ الحمدللہ علی احسانہ۔

ننھیال:

ایں سلسلہ از طلائے نابست

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

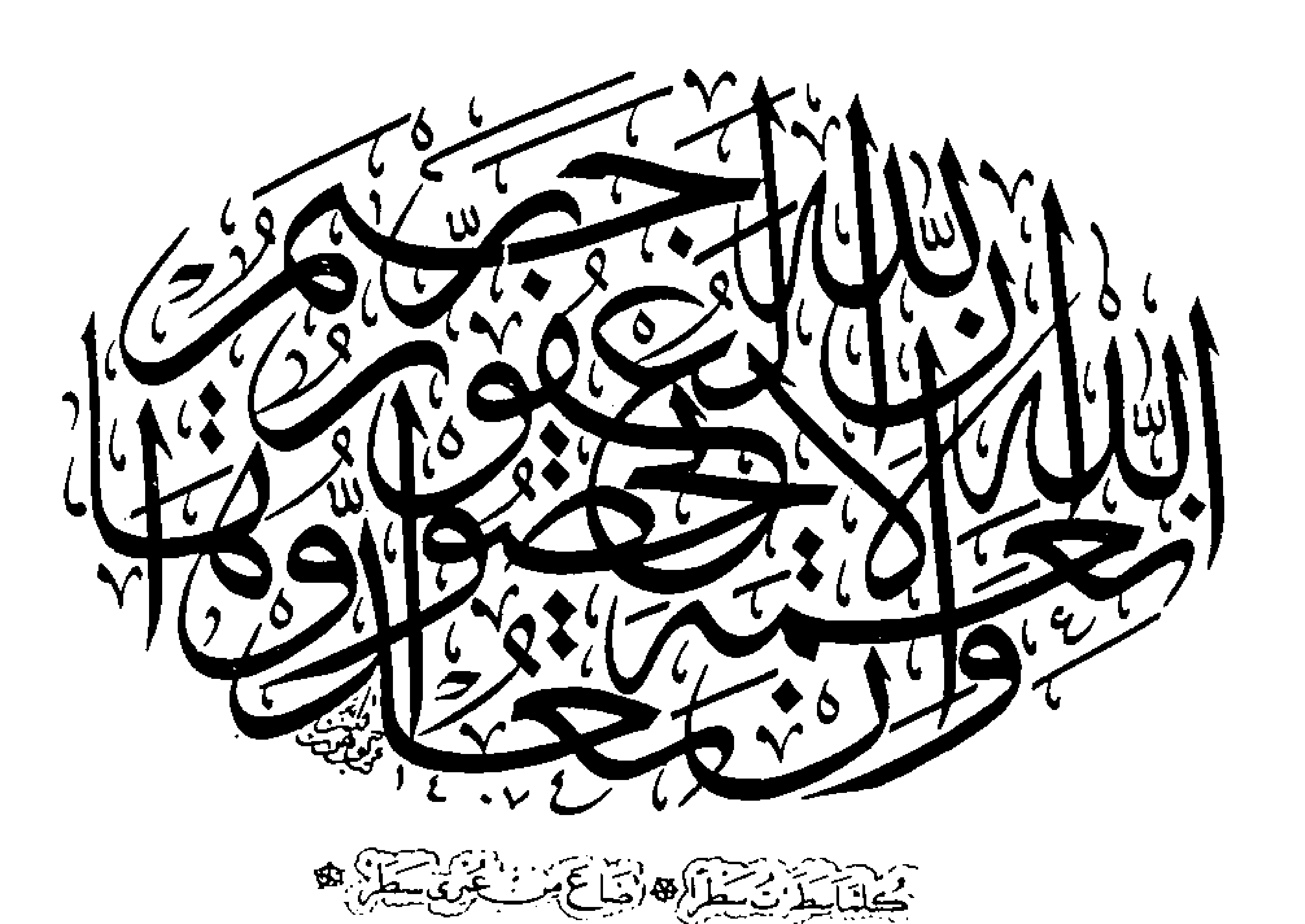
حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمتہ کی ددھیال تو علم وعرفان اور عزت وشان میں ممتاز تھی ہی مگر آپ کی ننھیال بھی علم وفضل اور عزت ووقار کے ساتھ خاندانی شرافت اور نجابت میں ممتاز تھی۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ خان ملک شہاب خان تھے جو نسلاً افغان تھے اور قبیلہ کے اعتبار سے ''یوسف زئی'' ''عمر خیل'' تھے جو افغانستان کا ایک معزز قبیلہ شمار ہوتا ہے۔

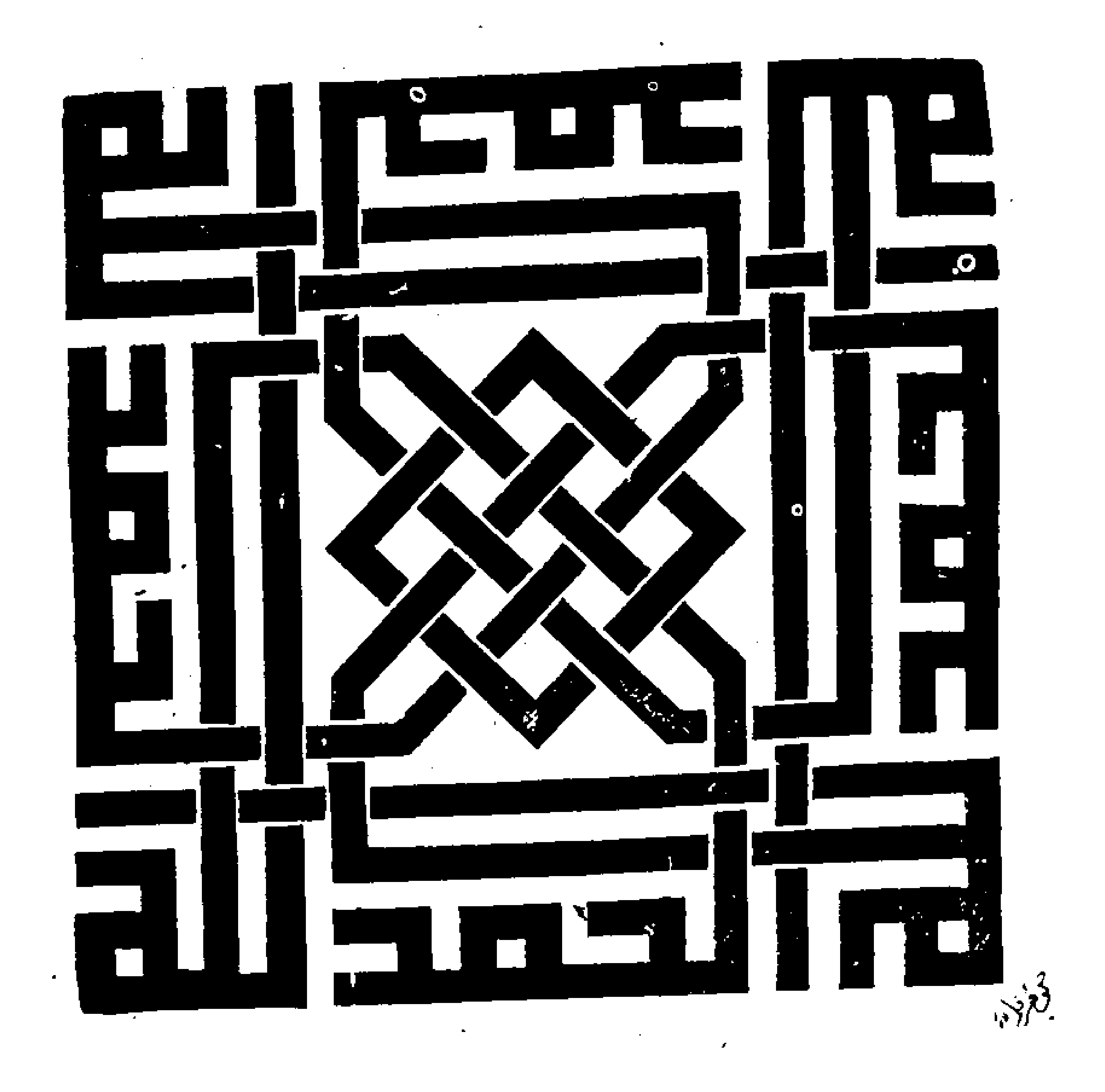
آپ کے نانا حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق دہلی کے قریب ایک ریاست ''جھجر'' سے تھا۔ حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا جھجر کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ انیسویں صدی میں جب ریاست جھجر کا شیرازہ بکھرا اور شرفاء ومعززین نے

وہاں سے ہجرت کی تو حافظ عبدالعزیز خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ریاست ''پاٹودی'' کا رخ کیا۔ یہاں ان کی حیثیت کے مطابق قدر ہوئی ابتداء میں آپ وہاں نوابوں کے اتالیق مقرر ہوئے پھر ''میر منشی (Chief Secretary) کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ یہ خاندان شرافت، پارسائی اور قرآن عظیم کی محبت کی وجہ سے خاندان ''حافظان'' کہلاتا تھا اور اس خاندان کی خصوصیت یہ تھی کہ مرد اور عورت سب ہی قران کریم حفظ کرتے تھے اور یہ شرف و امتیاز حضرت قبلہ عالم علیہ الرحمتہ کی ذات گرامی کے توسط سے آپ کی اولاد میں نمایاں نظر آتا ہے چنانچہ حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں میں ماشاءاللہ بکثرت حافظ ہیں اور یہ امتیازی شان وراثتاً جاری ہے الحمدللہ

این جوہر ذات از شرف نسبت آباست

سعدیؒ





دوسرا باب



شہ سروراں کی آمد ہے

بحضرت مفتی اعظم الحاج حافظ قاری شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قادری چشتی سہروردی (علیہ الرحمتہ)

شمع کون و مکاں کی آمد ہے
مظہرِ کن فکاں کی آمد ہے

قبلۂ عارفاں کی آمد ہے
کعبۂ زاہداں کی آمد ہے

پھر طریقت کا باغ مہکے گا
ابرِ گوہر فشاں کی آمد ہے

بے قرارو! نہ اتنا گھبراؤ
راحتِ قلب و جاں کی آمد ہے

بے سہاروں کی یاوری کے لیے
چارا بے کساں کی آمد ہے

جس کی ٹھوکر میں نخوت شاہی
اس شہ سروراں کی آمد ہے

فکر باطل کی سرزنش کے لیے
آج برق تپاں کی آمد ہے

کیوں نہ مسرور روح صادق[1] ہو
راحتِ صادقاں کی آمد ہے

پیش کردہ: پروفیسر فیاض احمد خان کاوش (مرحوم)

ا۔ حضرت سید صادق علی شاہ قدس سرہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمتہ کے مرشد کریم تھے۔ مظہری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولود مسعود و اسم محمود

فقیہہ العصر، شیخ الاسلام، مفتی اعظم پاک و ہند حضرت شاہ محمد مظہر اللہ مجددی، نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت بروز بدھ بتاریخ ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ بمطابق ۲۱۔ اپریل ۱۸۸۲ء کو آپ کی آبائی حویلی واقع گلی مردہانی، محلہ فراشخانہ، دہلی میں ہوئی یہ محلّہ مسجد شاہی فتح پوری کے جنوب مغرب میں مسجد کے قریب مسلمانوں کی آبادی کا قدیم محلّہ ہے۔

اسم بامسمّی:

کیسا حسین اس راحت جاں کا نام ہے　　　غمگین دلوں کو امن وسکوں کا پیام ہے

آپ کے دادا فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے نور نظر پوتے کا عارفانہ اور عالمانہ نام ''محمد مظہر اللہ''[1] رکھ کر اشارہ فرمایا تھا کہ مسمّی آسمان علم وعرفان کا مہر درخشاں ہوگا۔ چنانچہ حضرات اہل خرد نے اس اشارہ کو پالیا۔ حضرت پروفیسر علامہ اخلاق حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''محمد مظہر اللہ آپ کا تاریخی نام ہے اور حق یہ ہے کہ ایسا جامع تاریخی نام جو مسمّی کے جملہ اوصاف کا مظہر ہو نادر الوجود ہے اور پھر علامہ موصوف نے غالبًا لفظ ''محمد'' کو تبرکًا شمار فرمایا جیسا کہ اکثر اسلامی ناموں میں ہوتا ہے اور صرف ''مظہر اللہ'' کی یوں وضاحت فرمائی ''مفتی اعظم اہل سنت والجماعت اسم بامسمّیٰ حق تعالیٰ کے مظہر اور آیت من آیت اللہ ہیں۔''

جان دراوّل مظہر درگاہ شد　　　جان جاں مظہر اللہ شد

اور ایک عارف نے بھی بہ فیض مظہری اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت شاہ محمد مسعود احمد محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کے مقصود کو پالیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ نے وہ نام رکھا جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یعنی حقیقت محمد یہ علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی عظمت کا

---

[1] ایک روایت کے مطابق یہ نام حضرت علیہ الرحمتہ کے ہونے والے مرشد حضرت سید صادق علی شاہ صاحب مظہری قدس سرہ نے رکھا تھا۔

نقیب ہے۔ وہ مسمی کے فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا بھی ثبوت ہے کیوں کہ وہ زندگی بھر اور وصال کے بعد قیامت تک اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ اس سچائی کا اعلان کرتا ہے اس جانِ ایمان کی عظمت کے گن گاتا ہے اور گاتا رہے گا...... محمد ...... (صلی اللہ علیہ وسلم) مظہر اللہ ...... ہیں ...... سچ بھی یہی ہے۔ حق بھی یہی ہے۔ نام کے معنی بھی یہی کہ محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اللہ کی ذات وصفات کا مظہر اتم ہیں ...... مرتبہ فنایت عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زندگی کی پہچان تھی ...... اور یہی نام ان کی ذات کی پہچان بن گیا۔ اس خیال کو شعراء نے بھی اپنے کلام کی زینت بنالیا۔ آج بھی جو خیال کرتا ہے محظوظ ہوتا ہے۔

عزیز الملک مولانا یوسف سلمانی نے ایک "مسجع[1]" میں خوبصورتی سے اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔

کلامِ حق ہے فرمانِ محمد ۔۔۔ زہے شانِ خدا شانِ محمد
یہی کہتے ہیں مل کر سب حق آگاہ ۔۔۔ یقیناً ہیں "محمد" مظہر اللہ

اور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عاشق صادق حضرت مولانا محمد احمد صاحب قریشی مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک منقبت میں جو مرشد کریم کے نام سے فیض پایا ہے اس تشریح کے بعد اس کیف اور وجدان کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

حضور قلب سے کہہ کر سکون قلب پاتا ہوں ۔۔۔ محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں
خدا شاہد ہے مجھ کو ناز ہے یوں اپنی قسمت پر ۔۔۔ محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

قاضی محمد حمایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ فارسی منقبت کے اس شعر میں بھی فاضلانہ انداز سے حضرت قبلہ کے اسم گرامی میں معنی آفرینی کی کوشش کی گئی ہے۔

اسم والائے جوہر موصوف ۔۔۔ مظہر اللہ بہ تسمیہ اظہر

---

[1] یہ مسجع مؤلف نے خود نازلی ہوٹل میں حضرت علیہ الرحمہ کے قیام کے دوران ایک نشست میں پیش کیا تھا مؤلف نے اپنی ادبی تصنیف "ادب عزیز" میں بھی ذکر کیا ہے۔ مظہری

ابتدائی حالات

صبح خوشگوار شام سوگوار:

حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ نے جب اس جہانِ رنگ و بُو کو رونق بخشی تو ہر طرف اللہ آمین کے ترانے گونج اُٹھے۔ خاندان کے سب ہی افراد خوش تھے...... بہت خوش! خاندان مسعودیہ میں ایک نئی نسل کا اضافہ ہوا تھا۔ حضرت فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی دوسری پشت کی ابتداء ہوگئی تھی۔ مدتوں انتظار کے بعد وہ آنے والا آ گیا تھا جس کے دم سے رہتی دنیا تک اجداد کرام کی نیک نامی اور شہرت کی بقا کے ساماں مہیا ہوگئے تھے...... وہ جس کے نفس گرم نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو عشق حق جل مجدہ سے گرمانا تھا...... وہ دانائے راز جس نے یہ بتانا تھا کہ بغیر عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اطاعت کا حق ادا نہ ہوگا۔ وہ آ گیا تھا۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔ سب طرف سے شفقتیں اور ناز برداریاں ہو رہی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے اس نونہال کی عمر ۴ سال کی ہوگئی کھانا پینا، بولنا، چلنا، سمجھنا آ گیا۔ شعور بہت تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ امیدوں کے جہاں آباد ہو رہے تھے اچانک ہوا کا رُخ بدل گیا۔ صبح خوشگوار پر شام سوگوار کے سائے پھیل گئے مسکراتے چہرے اداس ہوگئے۔ جن آنکھوں میں کل تک خوشیاں ناچ رہی تھیں آج وہ ڈبڈبائیں...... چھلکیں...... اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کے جوان العمر والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ نقشبندی مجددی وصال فرما گئے۔ اِنا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعُونَ

اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف　　　　کیا بگڑتا ترا جو نہ مرتا کوئی دن اور

غالب

۴ سال کی عمر میں کسی بچے کا اپنے باپ کے سایہ سے محروم ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا کم سنی میں ایک حساس طبیعت کو بڑا کاری زخم لگا تھا مگر سب نے مل کر اس دکھ کو بھلانے کی کوشش کی وقت اور دیگر عوامل کارفرما ہو گئے (Time is the great healer of wounds) کے مصداق کسی حد تک کامیابی ہوئی ہو...... شاید!

پہلا زخم مندمل بھی نہ ہوا تھا کہ اس سے زیادہ گہرا زخم لگ گیا۔ ابھی دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ اس سے بڑا سانحہ رونما ہو گیا۔ وہ شفیق ماں جو یتیم بیٹے کے آنسو اپنے دوپٹے کے دامن سے پونچھ دیا کرتی تھیں۔ وہ جو ہر وقت اپنے لعل پر صدقہ اور واری جاتی تھیں وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ وائے محرومی! ایک معصوم کی دنیا اس طرح اندھیری ہو گئی۔ پانچ چھ سال کی ننھی سی جان پر پے در پے غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے سلام اس کی ہمت پر...... سلام اس کے صبر کرنے پر...... وہ بلک بلک کر نہ رویا...... وہ نہ چیخا نہ چلایا...... ایک معصوم خاموش تھا جیسے کسی نے چپکے سے کان میں کہہ دیا ہو۔ ''گھبرانا نہیں۔ تمہیں چن لیا گیا ہے ابھی تو ابتداء ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟''

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے والد ماجد کا سایہ عاطفت اُٹھا تو حضرت دادا صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے مکمل طور پر اپنے پوتے کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ان کی دلجوئی اور اعلیٰ تربیت کا اہتمام فرمایا لیکن کس کو معلوم تھا کہ یہ ابر کرم بھی زیادہ دن سایہ فگن نہ رہے گا۔ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ کو فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی سفر آخرت اختیار فرمایا اور ایک بار پھر اس غمزدہ ننھی سی جان پر قیامت ٹوٹ گئی۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز　　　　پھر ترا وقت سفر یاد آیا

اس وقت حضرت قبلہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی عمر شریف ۷ سال تھی بلکہ ۴ دن کم ہی تھے۔ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ مشفقہ امراؤ بیگم علیہا الرحمہ کی رحلت کے بعد حضرت کی نانی مخدومہ افضل النساء بیگم اور خالہ مجید النساء بیگم علیہن الرحمہ نے اس دریتیم کو گلے لگایا اور ''الخالته بمنزله الام'' کا حق نبھانے کی کوشش کی۔ ادھر دادا حضور رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت قبلہ کے چچا حضرت مولانا حکیم مفتی عبدالمجید صاحب علیہ الرحمہ اس کم سن ولی کے والی وسرپرست مقرر ہوئے۔ یہ سلسلہ بھی چند سال ہی جاری رہا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش سے دو سال قبل حضرت کے ایک بھائی مظہر قیوم، پیدا تو ہوئے لیکن شیرخوارگی میں ہی انتقال فرما گئے۔ یوں حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا نہ کوئی بھائی تھا جو سرپرستی کرتا یا سہارا بنتا اور نہ کوئی بہن جو غم بانٹتی اور محبتیں نچھاور کرتی۔ محرومیوں کا سلسلہ تھا...... کبھی نہ رکنے والا...... غموں کی داستان تھی...... کبھی نہ ختم ہونے والی...... کیا یہ سب اتفاقات تھے؟...... نہیں یہ تو محبت کی ریت تھی۔ تیرہ سو سال قبل وہ محبوب رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم جن مراحل سے گزرے۔ اس کی صاف جھلک یہاں بھی نظر آ رہی ہے۔ سرکار نامدار رونق لیل ونہار صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ قبل ظہور قدسی پردہ فرما گئے۔ پھر حضرت والدہ مشفقہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو سرکار علیہ تحیتہ والثناء کی عمر شریف بھی ۶ سال تھی۔ وہاں دادا حضرت عبدالمطلب کا سرپرستی فرمانا اور یہاں دادا حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کا سرپرستی فرمانا۔ ادھر چچا حضرت ابوطالب کی کفالت اور ادھر چچا مفتی عبدالمجید علیہ الرحمہ کا اسی طرح ذمہ داریاں نبھانا۔ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بہن نہ تھے۔ یہاں بھی تقریباً وہی انداز ہیں۔ غیر اختیار سنتیں بھی پوری کرادی گئیں۔

یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے سہارے اٹھانا اور عارضی سہارے مہیا فرمانا بے مقصد نہ تھا اپنے محبوب بندے کی عظمت کو اللہ تعالیٰ دنیاوی سہاروں اور مادی وسائل سے منسوب نہیں فرمانا چاہتا تھا۔ شاید اس لیے بے سہارا کیا ہو۔ یقیناً ان ظاہری

محرومیوں میں محبت کے وہ راز پوشیدہ تھے جن پر زندگی بھر کی خوشیاں اور خوش بختیاں قربان ہیں۔ ایسے مواقع کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہر زخم پر مرہم رکھتا ہے کہ ''فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا o اور یہ بھلائی کا بھرپور طریقہ پر خیر کثیر اور فضل عظیم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ دنیا نے دیکھ لیا اللہ کا وعدہ کیسا سچا نکلا۔

امتحانوں اور آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا کہ ''محبت میں امتحان اور بھی ہیں'' مگر یہ امتحان، یہ غم، یہ مشکلات اس عظیم زندگی میں سنگ میل ثابت ہوئے۔ اخلاق حسنہ کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں صبر و شکر کا مظاہرہ ہونے لگا۔ استقامت اور پامردی نے قدم چومے......خوش خلقی اور دلنوازی نے ہاتھ پکڑا......جرأت اور ہمت نے کمر تھامی......محنت و مشقت معاون بنی......عقل اور دانش نے ممتاز کیا......توکل اور قناعت کی عادت ہوگئی......ایثار و سخاوت کو شیوہ بنایا......عشق الٰہی اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رہبر اور رہنما ٹھہرے......علم و عرفان زینت بن گئے۔

مظہر اللہ ، مظہر نور خدا
نسبت صدیق کا تھا وہ امین و مقتدا
تزکیہ تھا شغل ان کا اور فقہ دین بھی
ہند کا مفتی تھا وہ اور اصفیاء کا رہنما
تزکیے پر چھا گئی ان کے جانے سے خزاں
لوٹ کر آئی نہ فقہ پر بہارِ جاں فزا

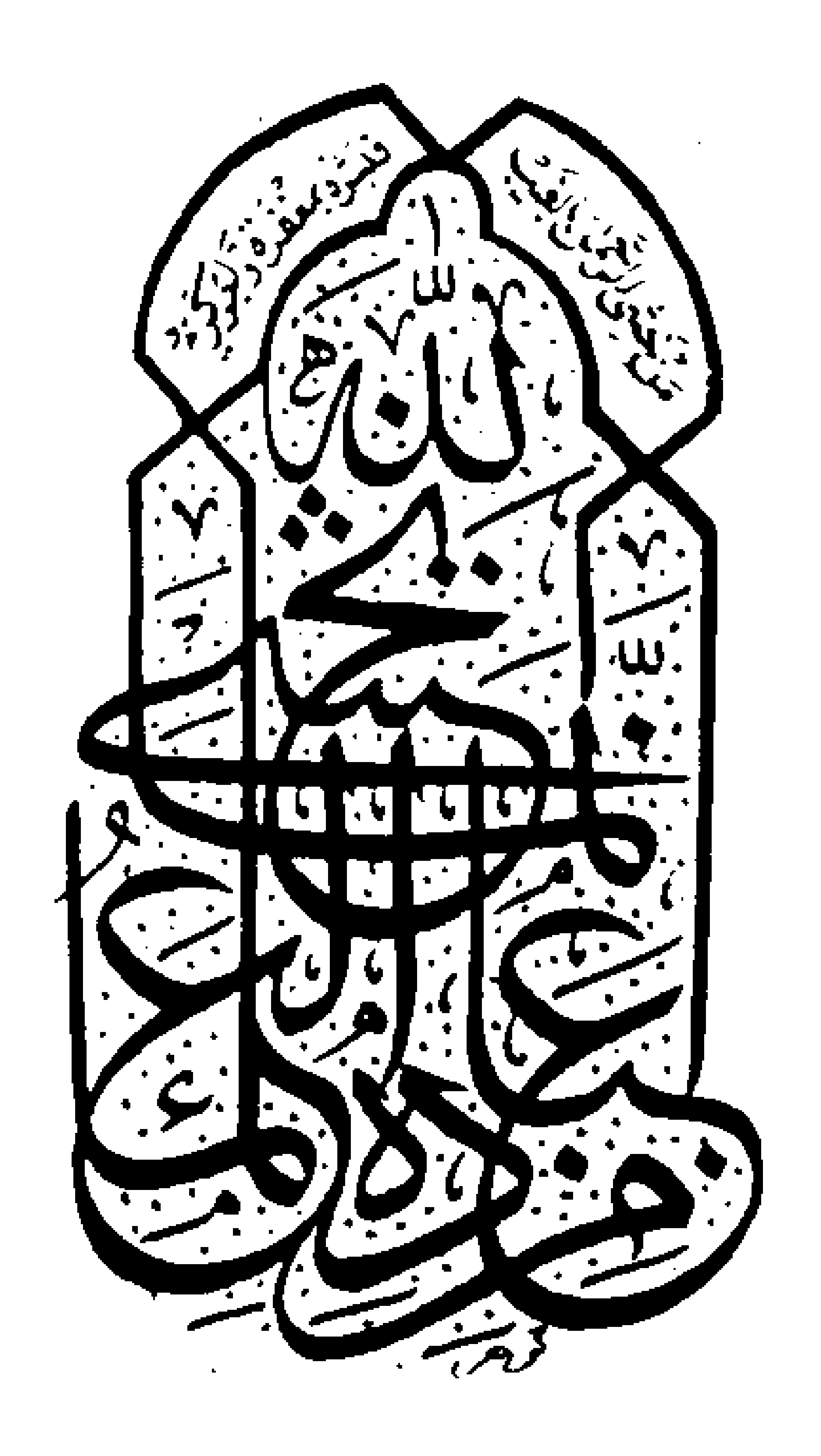
نورِ سرحدی

درس ہے

سامنے تفسیرِ قرآن مبیں کا درس ہے
اُس طرف شرحِ حدیث شاہ دیں کا درس ہے

ایک جانب گردشِ چرخ و زمیں کا درس ہے
اور اِدھر رومی کے اشعارِ حسیں کا درس ہے

صرف ہمراہ جماعت مظہر اللہ شاہ ہیں
خود بھی محوِ درس حضرت مظہراللہ شاہ ہیں



تحصیل علم

علم الانسان مالم یعلم (القرآن)

انسان کو (وہ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا (تھا)

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق مکمل ہوگئی تو ذہنی نشو نما کا مرحلہ آیا۔ ''علم'' معیار فضیلت قرار پایا۔ اللہ علیم وخبیر نے اپنی اس شاہکار تخلیق کو خود ہی ''عَلَّمَ آدَمَ الْاَسمَاءَ کُلَّهَا'' تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور امتحان لے کر انہیں سند فضیلت عطا فرما دی اور یوں تمام مخلوق پر بلکہ فرشتوں پر بھی آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی۔

اولادِ آدم نے بھی تحصیل علم کی راہ اختیار کی۔ ننھا منا انسان کھانے پینے، چلنے پھرنے، بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو ذہنی نشو ونما کے لیے حصول علم کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمتہ کی ابتدائی تعلیم بھی اسی فطری طریقہ پر ہوئی۔ انہیں بھی اسی راہ پر چلنا پڑا۔ وہ چلے...... بڑی لگن سے چلے...... چلتے رہے...... ساری عمر چلے...... کبھی نہ تھکے...... کبھی نہ رکے...... جب کہ اکثر تھک جاتے ہیں۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

نور علم کی جستجو تھی...... مقصد روشن تھا...... ہمت بلند تھی...... جہد مسلسل ان کا شیوہ تھا پھر کیا تھا؟ مَن جَدَّ وَجَدَ ''جس نے کوشش کی اس نے پالیا۔''...... ہاں انہوں نے وہ پالیا جس کی ان کو تلاش تھی...... یعنی اللہ کا قرب اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور

اطاعت کا سلیقہ...... خود سیکھ لیا اور دوسروں کو بھی سکھا دیا...... خود منزل مقصود کو پالیا دوسروں کے لیے راہ ہموار کردی۔ جو دامن سے وابستہ ہوا اسے بھی حریم ناز میں پہنچا دیا۔

تعلیم کا آغاز:

تاریخی شواہد کی عدم موجودگی میں قیاس، جس کے ساتھ قرینہ ہو تو کافی ہو جاتا ہے۔ ۴ سال کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہو کر حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ ابتدائی عمر میں (۷ سال کی عمر تک) براہِ راست اپنے دادا فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کفالت اور تربیت میں رہے حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ہونہار پوتے کے آثار ملاحظہ فرمالیے تھے...... ان کی دور بین نگاہوں نے مستقبل کے شاہی امام شیخ الاسلام، مفتی اعظم، فقیہہ اجل، محدث، ادیب، مبلغ اسلام اور روحانی پیشوا کو دیکھ لیا تھا...... اپنے صاحبزادگان عالیشان کے مقابلہ میں اپنی عظیم مسند کے لیے اپنے پوتے کو زیادہ اہل سمجھ کر اس منصب کے لیے نامزد کردیا تھا اس لیے ممکن نہیں کہ اپنے اس درِ شہوار کو، عظمت کے معیار کو سنوارنے اور سجانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو۔ خود نہ پڑھایا ہو...... اور بہت اچھا نہ پڑھایا ہو......

اساتذۂ کرام:

اس طرح حضرت قبلہ عالم کے پہلے استاد وہ عظیم مدرس ہیں جن کے اکثر شاگرد اور خلفاء بھی آسمانِ علم و عرفان کے درخشندہ ستارے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے چاروں چچا عالم دین تھے ان میں سب نے یا بعض نے اپنے مرحوم ''بھائی کی نشانی'' کی تعلیم و تربیت میں حصہ نہ لیا ہو...... یقیناً لیا تھا...... تاکہ خاندان کے اس چشم و چراغ کی روشنی دور تک پھیلتی جائے...... دیر تک پھیلتی رہے...... اجداد کرام کا نام زندہ و تابندہ رہے۔

پھر جب بیرونی اساتذہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس انتخاب میں بھی بڑی کوشش اور توجہ سے کام لیا گیا۔ ان میں پہلا نام حافظ قاری حبیب[1] اللہ رحمتہ علیہ کا ملتا ہے ان کے علاوہ حضرت مولانا عبدالکریم رحمتہ اللہ علیہ[2] اور حضرت مولانا عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ کے اسماءِ گرامی بھی نظر آتے ہیں ان میں سے کن بزرگ سے کون کون سی کتابیں پڑھیں یہ تفصیلات نایاب ہیں۔ البتہ پروفیسر علامہ اخلاق حسین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مقالہ سے جو ماہنامہ ''عقیدت'' شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا اس قدر معلوم ہوسکا۔ ''ابتداء میں آپ نے دلّی کے نامی قاری حافظ حبیب اللہ مرحوم سے قرآن پاک پڑھا اور حفظ کیا اور فن قرأت میں کمال حاصل کیا...... بعدازاں اپنے چچا مولانا حکیم عبدالمجید مرحوم سے عربی، فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا عبدالکریم مرحوم سے درسیات کی تکمیل فرمائی اور مولوی عبدالرشید مرحوم صدر اعلیٰ مدرسہ طبیہ دلّی سے بھی استفادہ فرمایا۔'' علوم عقلیہ ونقلیہ بھی حضرت علیہ الرحمتہ نے اپنے عم محترم مولانا حکیم مفتی عبدالمجید محدث رحمتہ اللہ علیہ سے ہی پڑھے اور درس حدیث بھی ان ہی سے لیا۔ آپ کا سلسلہ حدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ اس دور کے کسی اور عالم سے استفادہ خارج از امکان نہیں۔

حضرت قبلہ رحمتہ اللہ کے پڑھنے میں بھی ایک امتیازی شان نظر آتی ہے۔ آپ نے کتابیں نہیں رٹیں وہ نورِ علم حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔ وہ نور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بطور ''فضل عظیم'' عطا فرمایا وہ جو اللہ کے مخصوص بندوں کو ''حکمتہ'' کے نام سے ملا اور خیر کثیر قرار دیا گیا۔ وَمَن يُّوتِيَ الحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيراً كَثِيرًا ٥ یعنی'' جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اس کے بعد بتادیا کہ عقل والے ہی یہ بات سمجھتے ہیں۔'' القرآن...... مبارک ہے وہ ذات جو علم وحکمت سے نوازی جائے! یقیناً ایک عقل والے حضرت بوعلی ثقفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

۱۔ یہ بزرگ مسجد گلی کپے والی بلیماران دہلی میں پیش امام تھے۔ مظہری

۲۔ یہ بزرگ مسجد تیلی واڑہ دہلی میں امام تھے۔ مظہری

''اَلعِلْمُ حَیوٰۃُ الْقَلْبِ مِنَ الجَھْلِ وَ نُورالعَینِ مِنَ الظُّلْمَۃِ'' (جہالت اور تاریکی کے مقابلہ میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے۔)

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت علامہ مولانا حافظ قاری محمد مظہر اللہ شاہ علیہ الرحمتہ کی پوری زندگی علم کے نور سے جگمگا رہی ہے کوئی گوشہ کوئی پہلو مدھم نظر نہیں آتا۔ آپ نے جو کچھ پڑھا اس کے پڑھنے کا حق ادا کر دیا۔ مثلاً آپ کی تعلیم کی ابتداء قرآن کریم سے ہوئی۔ تھوڑے دنوں میں ناظرہ قرآن ختم ہوگیا پھر آپ نے قرآن کریم کو دل میں اُتارنے کی ٹھانی اور چھوٹی سی عمر میں حافظ ہو گئے آپ کو کلام مجید بہت اچھا یاد ہو گیا۔ گویا ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی'' (ہم آپ کو (ایسا) پڑھا دیں گے پس آپ بھولیں گے نہیں) کا فیض حاصل ہوگیا تھا۔ جن لوگوں نے برسہا برس حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی ان کا کہنا ہے کہ نماز کے دوران حضرت کو کبھی متشابہ نہیں لگا۔

تلاوت قرآن حضرت کے یومیہ معمولات زندگی میں شامل تھی۔ بے شمار شاگردوں کو قرآن کریم پڑھایا کسی نے ناظرہ پڑھا کسی نے حفظ کیا کسی نے عربی میں معنی اور تفسیر کے ساتھ پڑھا۔ جب آپ پر کلام الٰہی کے اسرار و رموز منکشف ہو گئے تو آپ نے قران شریف کی تفسیر بھی لکھی اور اپنی زندگی کو قرآن کے سانچے میں ڈھالتے رہے اور عمل کر کے دکھا دیا۔

حسنِ قرأت:

فیاض ازل نے حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کو آواز کا حسن بھرپور عطا فرمایا تھا۔ قرأت قرآن میں حضرت علیہ الرحمتہ کا ایک خاص انداز تھا۔ آپ نے باقاعدہ فن تجوید سیکھا اور کمال حاصل کرلیا۔ آپ کے استاد دہلی کے نامور قاری حضرت مولانا حافظ قاری حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ تھے جو اپنے وقت کے استاد القراء تھے

حضرت علیہ الرحمہ کے انداز میں خلوص تھا۔ نہ گلے کے کرتب دکھانے مقصود تھے، نہ سینے کی طاقت کے مظاہرہ کا جذبہ تھا، نہ سامعین سے واہ واہ کی خواہش تھی۔ یہی وہ راز

تھا کہ حضرت علیہ الرحمتہ کے تلاوت کرنے میں ایک عجیب حلاوت، ایک روحانی کیف، ایک ایمانی سرور میسر ہوتا تھا۔ صحیح معنوں میں یہی حسن قرأت ہے جیسا کہ امام جزری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''النشر فی القرأت العشر'' میں فرمایا کہ ان کرتبوں سے قرأت ایسی ہو جاتی ہے کہ طبیعت اس سے گھبراتی ہے اور دل اور کان سننا نہیں چاہتے بلکہ قرأت ایسی سہل، شیریں اور لطیف ہونی چاہئے کہ جس میں نہ چبانا ہو، نہ منہ میں پھرانا، نہ بے راہ روی اور تکلف، نہ تصنع اور عجلت پسندی۔''

اوّل تو کلام...... ''کلام الملوک ملوک الکلام'' (بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ) ہوتا ہے...... اللہ عزوجل کا کلام پُر اثر دل پذیر پڑھنے والے کی فنی مہارت اور عقیدت...... لہجہ شیریں...... صدا دل نواز...... سامعین مسحور ہو جاتے تھے۔ پروفیسر اخلاق حسین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ کی حسن قرأت کا بڑا دلکش نقشہ کھینچا ہے، فرماتے ہیں۔ ''آواز ہلکی پھلکی اور نہایت نازک ولطیف۔ قرأت قرآن فرماتے تو ایسا لگتا کہ نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔''

بعض ایسے حضرات تھے جو دُور دُور سے مسجد فتح پوری میں نماز پڑھنے آتے تھے...... ایک صاحب نے تیس سال حضرت قبلہ کی اقتداء میں عشاء کی نماز ادا کی۔ محترم غلام قادر صاحب زید مجدہٗ، فجر کی نماز کے لیے تقریباً دو میل سے روزانہ پیدل مسجد فتح پوری آتے اور حضرت قبلہ کی اقتداء میں نماز پڑھتے کہ اس لحنِ دل نشین کی کرامت یہ تھی کہ نماز میں یکسوئی میسر آجاتی تھی جس نے ایک بار سنا کبھی بھلا نہ سکا۔ ایسا ہی ایک حسین یادگار حوالہ تذکرۂ مظہر مسعود میں ان الفاظ میں ملتا ہے۔

''کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں ایک انجینئر سے راقم کی ملاقات ہوئی جو کسی زمانے میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے برسوں گزر گئے وہ آواز بھلائے نہ بھولی جب حضرت کا ذکر آیا تو بے ساختہ پکار اُٹھے "Golden Voice" نوائے شیریں کی ترجمانی اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔''

سلسلہ حدیث:

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمتہ کو علم حدیث میں بڑی مہارت تھی آپ نے اپنے چچا حضرت مفتی عبد المجید محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے باقاعدہ علم حدیث حاصل کیا تھا۔

۱۶۔۱۷ سال کی عمر میں حضرت علیہ الرحمتہ درس نظامی اور دوسرے متداول کورسز سے فارغ ہو چکے تھے اور مفتی کا منصب سنبھال لیا تھا یوں آپ نے اپنی ذہانت، صلاحیت اور محنت کا لوہا منوالیا اور جد اعلیٰ مفتی اعظم حضرت مخدوم جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمتہ کے بہترین مورث ثابت ہوئے کہ (وہ) موصوف بھی اسی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر مفتی دین ہو گئے تھے۔

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا سلسلہ حدیث چند واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتا ہے۔

مدرسہ کا دور ختم ہوا طالب علمی کا زمانہ ختم نہیں ہوا۔ حدیث مبارکہ میں طلب علم کو فرض قرار دیا ہے اور طالب علمی کا زمانہ من المھد الی اللحد ہوتا ہے۔ یہی ہوا (پاکستان اور ہندوستان میں درسِ نظامی سے فارغ ہونے والے طالب علم خود کو ''فارغ التحصیل'' سمجھنے لگتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے اسی کو بنیادی اور ابتدائی تعلیم تصور کر کے اس کی بنیاد پر علم کی ایک رفیع الشان عمارت کا منصوبہ بنایا ذاتی مطالعہ اور اللہ کے کرم و فضل سے کامیابی حاصل کرتے چلے گئے وہ ذی شان قصر علمی تا قیامت یادگار رہنے کے لیے سربلند ہو گیا) پروفیسر علامہ اخلاق حسین رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''جب فارغ التحصیل ہو گئے تو اصول فقہ اور کتب فتاویٰ پر ذاتی مطالعہ سے عبور حاصل کیا اور اپنے عہد کے مقتدر علما میں آپ کا شمار ہونے لگا۔''

جوں جوں پڑھتے گئے...... علم کی پیاس بڑھتی گئی...... بھڑکتی گئی...... مطالعہ وسیع ہونے لگا...... نئے علمی میدان نظر آنے لگے...... بلندیوں پر کمند ڈالی جانے لگی......

مسائل کی اتھاہ گہرائیوں سے معانی و مطالب کے انمول موتی نکالے جانے لگے...... حجاب اٹھنے لگے...... اسرار کھلنے لگے...... اشیاء کی حقیقت ظاہر ہونے لگی...... قلب ونظر کو روشنی ملنے لگی اور یہ تلمیذ الرحمٰن ۸۳ سالہ زندگی کی آخری شب تک طلبِ علم کی نیت سے پڑھتے رہے اور اس طرح ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ'' کی تعمیل کرتے رہے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کی تصانیف، فتاویٰ اور خطوط سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ بکثرت علوم سے واقف تھے لیکن جن علوم وفنون میں آپ کی مہارت مسلم ہے وہ حسب ذیل ہے۔

اردو، فارسی، عربی...... (زبان وادبیات) علم القرآن، علم حدیث، علم توقیت، علم الفرائض، فلسفہ، منطق، ریاضی، تفسیر، اصولِ تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، تجوید، طب، تکسیر، تصوف، عقائد، صرف ونحو اور خطاطی وغیرہ وغیرہ۔



تیسرا باب

اُجالا

در مدح اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، واقف اسرار طریقت وشریعت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی

گزاری عمر اپنی تم نے ساری فتح پوری میں
بنی تربت بھی بالآخر تمہاری فتح پوری میں

ملے وہ چودہ شعبان المعظم، پیر کو حق سے
محمد مظہر اللہ نے جاں سپاری فتح پوری میں

اجالا ہند و پاکستان میں ہے علم کا جس کے
وہ شمع بجھ گئی، افسوس، پیاری فتح پوری میں

خدا نے اپنے گھر میں دی جگہ تم کو مرے مرشد
رہے گی قبر محشر تک تمہاری فتح پوری میں

پیئو اے بادۂ عرفاں کے متوالے یہاں آ کر
جو چشمہ پہلے تھا، اب بھی ہے جاری فتح پوری میں

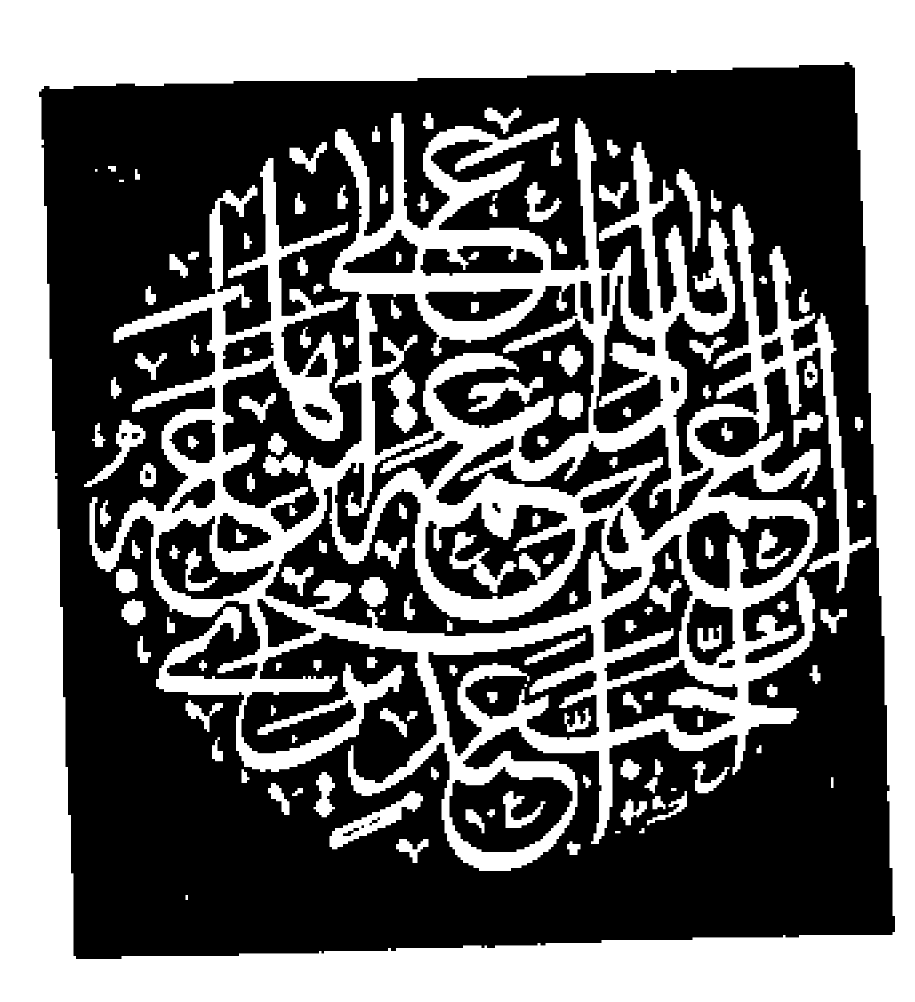
وہ جس کو چاہئے عرفاں کی دولت لینے کو آئے
مزار مظہر اللہ پر بھکاری فتح پوری میں

جدا مسجد فتح پوری سے ہوں یہ کب گوارا تھا
گھڑی وہ امتحاں کی سب گزاری فتح پوری میں

خدا کا قرب حاصل ہوگیا عشق محمد ﷺ سے
انہوں نے آخرت اپنی سنواری فتح پوری میں

مرے مرشد کے مرقد پر ہو بارش نور کی گل زار
چلے ہر وقت ہی باد بہاری فتح پوری میں

گل زار





شاہی مسجد جامع فتح پوری دہلی

اور اس کے امتیازات

مسجد کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہی نسبت اس کی تعظیم کے لیے کافی ہے لیکن جن مساجد سے اللہ کے محبوبوں کو نسبت ہو جائے یا ان سے کچھ یادیں وابستہ ہو جائیں تو وہ ممتاز ہو جاتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ مسجد جامع فتح پوری دہلی بہت سی یادوں اور نسبتوں سے مالا مال ہے۔ یہ تاریخی، مقامی، تعمیراتی بھی ہیں۔ علمی، روحانی، سیاسی اور ادبی بھی ہیں۔ ان کا سرسری ذکر بھی ان قارئین کے لیے دلچسپی اور افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ جن کو یہ مسجد دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا انہیں مسرت ہوگی کہ اللہ سبحانہ نے اپنے ایک عظیم المرتبت بندے کو کیسی عظیم الشان مسجد کی ذمہ داری سونپی اور اس بندے نے اپنے حسن عمل، اخلاص، علمی فضیلت اور روحانی تقدس سے اس مسجد کی عزت کو دوبالا کر دیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان عزیز کی پرواہ نہ کی۔

دہلی کی یہ عظیم الشان مسجد شاہ جہاں کی زوجہ نواب فتح پوری بیگم نے تقریباً ۱۶۵۰ء میں بڑے خلوص سے دلی شہر کے دل یعنی چاندنی چوک میں بنوائی۔ یہ وسیع و عریض مسجد تقریباً دس ہزار گز زمین پر عمدہ قسم کے لال پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ یہ پتھر لال قلعہ جامع مسجد شاہ جہانی اور اس دور کی شاہی تعمیرات کا امتیاز ہے۔ (تقسیم ہند کے بعد مسجد کے اندرونی حصہ میں سرخ پتھر کے بجائے سنگ مرمر لگا دیا گیا ہے) پختہ، عمدہ اور نفیس مغلیہ طرز تعمیر دیکھنے کے لیے بکثرت سیاح آتے ہیں اور اس کی عظمت کے نقوش دل میں لے جاتے ہیں۔ آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے حیدر آباد سے آنے والے نواب قلی خان نے اپنے جو



مسجدِ جامع فتحپوری دہلی۔ بھارت

مشاہدات اس علاقہ کے بارے میں تحریر فرمائے اس سے اس علاقہ کی اہمیت اور اس مسجد کا محل وقوع واضح ہو جاتا ہے۔

''چاندنی چوک دہلی کے تمام چوراہوں اور گزرگاہوں سے زیادہ حسین و رعنا ہے۔ نفاست پسندوں کے لیے تماشہ گاہ ہے اور نازک مزاجوں کے لیے سیرگاہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آغوش رحمت کھلا ہے...... یہاں ہر قسم کے پارچہ جات اور سازوسامان موجود ہے۔ کونے کونے اور گوشے گوشے سے دنیا کی نفیس اور نادر چیزیں دیکھنے والوں کے دل کھینچ لیتی ہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی میسر آجائے تو وفا نہ کرے۔'' بازار چاندنی چوک کے درمیان نہر رواں تھی جو مسجد کے مشرقی دروازہ سے گزر کر صحن کے بیچ میں واقع حوض تک پہنچ جاتی تھی۔

مسلمان فرماں رواؤں کے عہد میں یہ دل فریبیاں بڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب سر سید احمد خان نے دیکھا تو وہ بھی گرویدہ ہو گئے انہوں نے اپنے تاثرات اس طرح بیان کیے۔

> ''اس مقام پر ایک چوک ہے مثمن سوگز سے سوگز میں اس کے بیچ میں بھی مثمن حوض ہے۔ اس چوک کو چاندنی چوک کہتے ہیں۔ خوبی اور خوش نمائی اس کی بیان سے باہر ہے آدمی کی طاقت نہیں کہ بیان کر سکے۔ تیسرے پہر کو اس چوک میں عالم طلسمات ہوتا ہے اکثر جوانانِ جواں دل اور امراء اور شاہزادے سیر تماشے کو آتے ہیں اور سیر کرتے پھرتے ہیں۔ اس چوک کے گرد دوکانیں نہایت خوش اسلوبی اور خوشنمائی کے ساتھ بنی ہوئی ہیں اور ان میں ہر قسم کے سودے والے بیٹھتے ہیں۔ تمام دنیا کی چیزیں یہاں بہم پہنچ سکتی ہیں اور ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ خامہ وزبان کو اس کے بیان کی طاقت نہیں۔''[1]

پھر وہ وقت بھی آیا جب اسی چاندنی چوک نے وہ روح فرسا مناظر دیکھے کہ ''خامہ وزبان'' کو اس کے بیان کی طاقت بھی نہیں تھی۔ آہ! کس کو معلوم تھا؟ یہی ''جوانانِ

ا۔ منقولہ از ''تذکرۂ مظہر مسعود'' صفحہ ۶۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

جواں دل، امراء، رؤسا، شرفاء و معززین شاہزادے اور شاہی خاندان کے افراد، وزراء اور منصب دار اور علماء اور صلحا قطار در قطار اسی بازار میں پھانسی پر لٹک رہے تھے وہ کیسا بھیانک دن تھا۔ سنگ دلوں سے وہ منظر دیکھا نہ گیا۔ درندوں نے اپنے منہ چھپا لیے تھے مگر انگریز انسانیت کے چہرہ پر کیچڑ مل رہا تھا۔ آج وہ "ظلم" اور محض "ظلم و بربریت" کی علامت تھا، دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ کر کے وہ نہتے مسلمانوں سے صدیوں کی شکستوں کے بدلے نکال رہا تھا۔ مذہبی جنون سوار تھا جو کبھی کسی نے نہ کیا وہ اس نے کر دکھایا۔

برطانوی حکومت نے ۱۸۵۷ء میں مسجدیں بھی ضبط کر لیں۔ فتح پوری مسجد بھی اس میں شامل تھی۔ کافی عرصے بعد یہ مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو اس کے بیرونی حصہ کی دوکانیں حکومت نے ایک ہندو سیٹھ چھنامل کے ہاتھوں فروخت کر دیں جس کو مسلمانوں نے خرید کر دوبارہ مسجد کے قبضہ میں دیا۔ دوران جنگ اور بعد میں ضبطگی کے دور میں مسجد بند رہنے سے جو خرابی پیدا ہوئی تھی اس کی مرمت ہوگئی اور آج بھی ائمہ حضرات کی کوشش سے مسجد کی اندرونی زیبائش و مرمت وغیرہ کا اہتمام عمارت کے حسن اور پختگی و عمدگی میں معاون رہتا ہے کیونکہ اندرونی انتظام کافی حد تک امام مسجد کے اختیار میں رہتا ہے اور انہیں اپنی مسجد بہت محبوب ہے۔

امن ہونے کے بعد نہر، باغ اور حوض تو چاندنی چوک میں نہ رہا آبادی کی کثرت نے مناظر کے حسن کو لوٹ لیا، ہاں دولت کے انبار لگا دیے۔ اب چاندنی چوک ایک بازار ہے۔ یادگار مگر شاندار وہی روایتی تجارت جواہرات، سونا، چاندی، عطریات، عمدہ ملبوسات اور ہر قسم کی قیمتی اشیاء سے بھرا پڑا ہے آج بھی سرخ پتھر کی دو عظیم الشان تاریخی عمارتوں کے درمیان واقع ہے مغربی کنارہ پر اسلام کی عظمت اللہ کی محبت، دین کی خدمت کے جذبات کی منہ بولتی تصویر مسجد جامع فتح پوری کی پر وقار عمارت اور مشرقی کنارے پر مسلمان بادشاہوں کی شوکت و جلال کا مرقع پر شکوہ تاریخی لال قلعہ (مسجد کا مشرقی دروازہ اس بازار میں کھلتا ہے۔)

مسجد کے شمال مغرب میں ایک تاریخی کھاری باؤلی تھی۔ ابتداء میں یہاں کنواں تھا۔ جس کو مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری کے صاحب زادے اسلام شاہ نے خدمت خلق کے خیال سے وسعت دے کر باؤلی بنوا دیا۔ اس کا پانی غالبًا کھاری تھا۔ رفتہ رفتہ یہ باؤلی بند ہوگئی لیکن اخلاص نیت کا یہ فیض ہوا کہ وسیع علاقہ کھاری باؤلی کے نام سے موسوم ہوگیا یہ خوردنی اشیاء کی منڈی ہے اور اس میں مسجد کا شمالی دروازہ کھلتا ہے۔ جنوبی دروازہ بازار کڑہ بڑیاں میں کھلتا ہے یہ بھی تجارتی علاقہ ہے مغربی حصہ میں مسجد کے پشتہ پر گڈوڈیا مارکیٹ ہے۔

گویا مسجد کی یہ برکت ہے کہ اس کے چاروں طرف دولت برستی ہے اور یہ شہر کا اہم ترین تجارتی علاقہ ہے۔ تمام دن بھیڑ رہتی ہے چاندنی چوک میں نیلے بلب لگے ہوتے ہیں دوکانیں بند ہونے کے بعد بھی نیلگوں روشنی میں رات گئے تک چہل پہل رہتی ہے اور بیتے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔

اس مسجد کا خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ آج بھی شاہی مسجد کہلاتی ہے اور اس کا امام شاہی امام کہلاتا ہے۔ مغلیہ دور میں اس کے مصارف شاہی خزانہ سے ادا ہوتے تھے اور امام کا تقرر بھی بادشاہ کے انتخاب سے ہوتا تھا۔ اس کے ائمہ ہمیشہ جلیل القدر عالم اور عظیم المرتبت مشائخ رہے۔ یہ مسجد تو شریعت کا گہوارہ ہے یہ مسجد دنیاوی علوم کا مرکز بھی ہے۔

مسجد فتح پوری سے شریعت مطہرہ کی ترویج اور اشاعت کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔ برطانوی دور کی ابتداء ہی سے فاضل جلیل فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ مسجد جامع فتح پوری کے منصب امامت اور خطابت پر فائز تھے۔ ان کا سب سے عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسجد میں باقاعدہ دارالعلوم قائم کیا۔ اس کا نظام نہایت معیاری تھا۔ اس میں دور دراز شہروں سے بلکہ بیرون ملک سے بھی طلباء آتے تھے اور حضرت امام صاحب موصوف خود درس حدیث دیتے تھے ان کا لگایا ہوا یہ چمن آج بھی بہار دے رہا ہے۔ سوا سو سال میں یہاں سے کس قدر طالب علم فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ کتنے ہی جید عالم اور مدرس بن گئے اپنے اپنے شہروں اور ملکوں میں

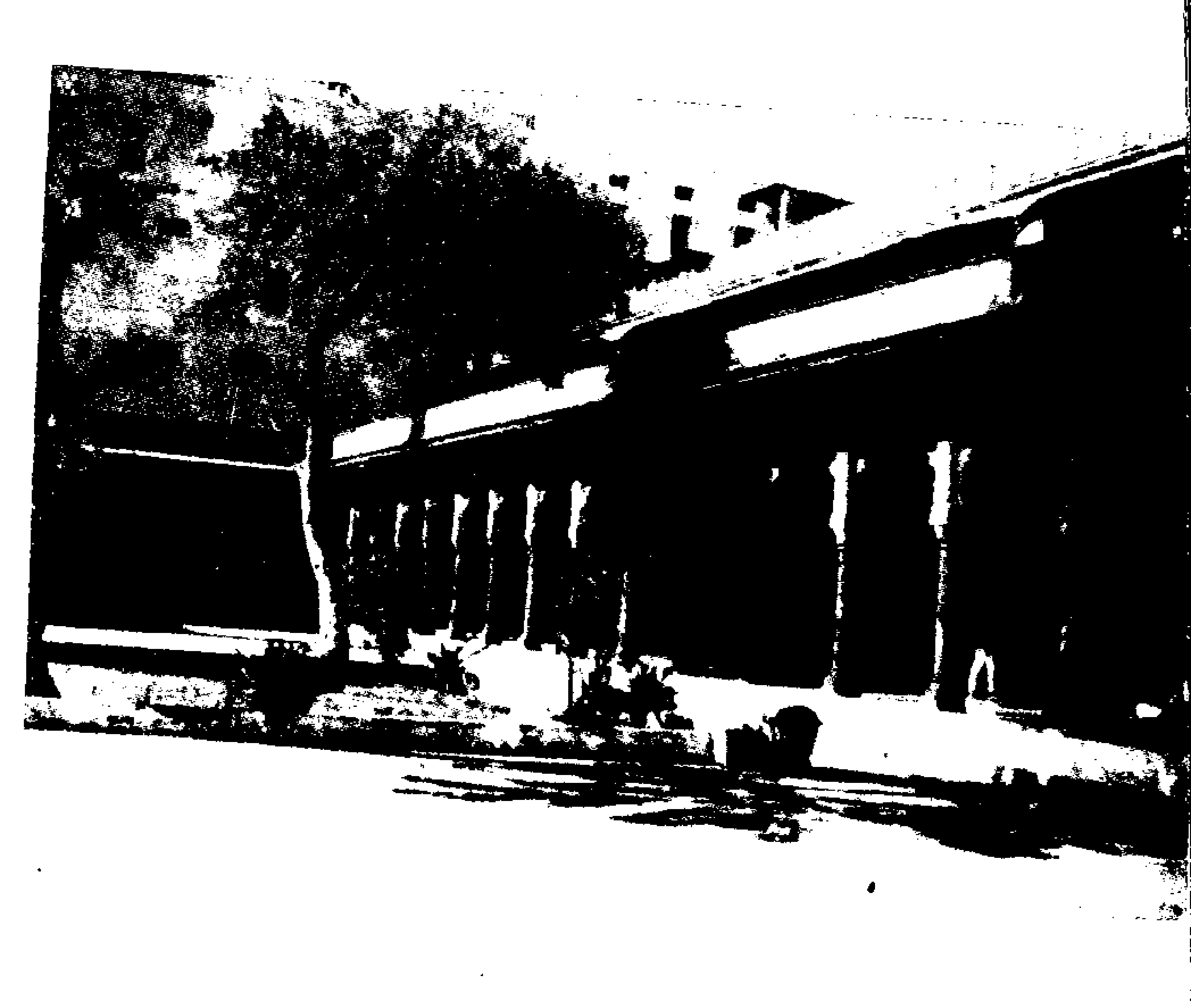
جا کر مدرسے کھولے ترویج دین متین میں حصہ لیا۔ چراغ سے چراغ جل رہے ہیں فتح پوری سے نکلنے والی روشنی کہاں کہاں پھیل رہی ہے۔ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی روشن مثال ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے بھی یہاں ایک مدرسہ تعلیم القرآن کھولا تھا اس میں سے حفاظ اور قاری صاحبان کی بڑی تعداد ہر سال فارغ ہو کر نکلتی تھی۔ طلباء کی کثرت کے پیش نظر حضرت نے قاری فضل دین صاحب (رحمتہ اللہ) کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں۔ حفظ قرآن کی یہ نعمت ہمیشہ سے اس مسجد کے نصیب میں رہی تھی سرسید احمد خان نے خصوصیت سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ مسجد اس بازار کی انتہا پر واقع ہے بہت تحفہ اور نہایت نفیس اور ایسی نیک نیتی سے بنائی ہے کہ اب تک اس میں بہت کار خیر ہوتے ہیں اس مسجد میں صدہا لوگ حافظ قرآن مجید ہوئے۔ الحمدالله علي ذالك۔" حضرت نے یہ مدرسہ اپنے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج حافظ قاری شاہ محمد احمد رحمتہ اللہ علیہ نائب امام کے سپرد فرمایا دیا تھا۔ ان کے پاس ناظرہ پڑھنے والوں سے زیادہ حفظ کرنے والے ہوتے تھے۔ اب اُن کے صاحب زادے علامہ مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد صاحب کی نگرانی میں تعلیم القرآن کا ایک مدرسہ چل رہا ہے۔

سرسید نے ایک مدرسہ تجوید القرآن کا بھی ذکر کیا ہے جو علیحدہ سے اس مسجد میں قائم تھا غالباً اسی میں قاری فضل دین صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا الحاج قاری حفیظ الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ پڑھاتے تھے۔

مسجد کے جنوبی بالائی حصہ پر فتح پوری مسلم پبلک اسکول ہے یہ اسکول بھی دو منزلہ ہے اور بیرونی زیریں حصہ میں سرکاری پرائمری اسکول ہے گویا تینوں منزلوں میں علم کی شمعیں جل رہی ہیں۔ اسی پر ہی بس نہیں مسجد کے شمالی بالائی حصہ میں ہندوؤں کا اسکول بھی ہے۔

مسجد کے جنوبی دروازے پر دارالمطالعہ کی عمارت ہے جہاں دن بھر لوگ اخبار و





رسائل اور کتابیں پڑھتے ہیں اسی میں فتح پوری مسلم پبلک لائبریری ہے جس میں قدیم اور جدید کتابوں کا عمدہ ذخیرہ ہے اس میں مدرسہ عربیہ (جو مسجد میں اندرونی دالانوں میں ہے) کے لیے خصوصاً دینی اور درسی کتابیں مہیا ہیں جو عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔ اردو فارسی کی بعض ادبی و علمی نادر کتابیں بھی ہیں۔

اسی مسجد میں بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے انجمن ترقی اردو کا دفتر بھی کھولا تھا۔ سماجی علمی وادبی سرگرمیوں میں موجودہ امام علامہ مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد صاحب نے بھی کئی سلسلے قائم فرمائے ہوئے ہیں مثلاً مسلمان طلبہ میں تقریر کی صلاحیتیں ابھارنے کے لیے ''مفتی محمد مظہر اللہ رننگ ٹرافی'' کا اہتمام شامل ہے۔

شعبہ دارالافتاء:

حضرت فقیہہ الہند قدس سرہ نے مسجد جامع فتح پوری میں ایک باقاعدہ دارالافتاء بھی قائم فرمادیا تھا ان کے بعد ان کے نامور پوتے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے دور میں اس دارالافتاء کو بہت عروج نصیب ہوا۔ بیرونِ دہلی بلکہ بیرونِ ملک سے سوالات آتے تھے تمام سرکاری دفاتر میں حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ حرف آخر سمجھے جاتے عدالتوں میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مفتیان دین کے فتاویٰ پر حضرت قبلہ کا ''الجواب صحیح'' لکھ دینا بڑی سند تھا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادگان حضرت الحاج حافظ قاری مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت الحاج حافظ قاری مفتی مشرف احمد رحمتہ اللہ علیہ نائب مفتی اعظم کی حیثیت سے دارالافتاء میں فتاویٰ تحریر فرماتے تھے آج کل حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے لائق فخر پوتے اسی مسجد کے امام وخطیب الحاج مولانا مفتی پروفیسر ڈاکٹر حافظ قاری محمد مکرم احمد صاحب مدظلہ دارالافتاء کے ذمہ دار ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کو بھی مقبولیت خاص وعام حاصل ہے۔

طریقت:

مسجد فتح پوری روحانی نسبتوں کی امین ہے۔ اوّل تو یہاں مغلیہ دور میں دو عظیم روحانی شخصیتیں آرام فرما تھیں ان میں ایک حضرت میراں نانو شاہ رحمتہ اللہ علیہ دوسرے حضرت شاہ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں ان حضرات نے طالبان حق کی تربیت فرمائی۔ ان کے مزارات آج بھی باعث فیض ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ حضرت نانو شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا عرس کرتے تھے۔ اسی احاطہ میں کچھ شہداء کے مزارات ہیں سوا سو سال تک یہاں کوئی قبر نہ بنی۔ ۱۹۶۶ء میں فقیہ العصر شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا مزار مقدس اسی احاطہ میں بنایا گیا جہاں سے بکثرت لوگ فیض حاصل کرتے ہیں۔

حضرت فقیہ الہند قدس سرہ جن کو ان کے مرشد کریم سیدنا امام علی شاہ قدس سرہ نے دہلی کی ولایت عطا فرما کر بھیجا تھا جب انہوں نے امامت کا منصب سنبھالا تو خانقاہ مسعودیہ بھی قائم فرمادی جہاں آپ مریدین کی تربیت فرماتے رہے ذکر الٰہی کی محافل جمتی رہیں۔ ان کے بعد حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی لاکھوں انسانوں کو راہِ حق پر گامزن کر دیا۔ آج بھی یہ روحانی تربیت گاہ قائم ہے اور حضرت الحاج مفتی محمد مکرم احمد صاحب نقشبندی مجددی مظہری مدظلہ، رونق افروز مسند ارشاد ہیں۔

اس مسجد کو یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ اللہ کے پیارے اور برگزیدہ بندے یہاں آتے رہے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت پیر جی عبدالصمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ، حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت زید ابوالحسن فاروقی رحمتہ اللہ علیہ، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور بے شمار اکابرین امت رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

تحریک آزادی میں بھی یہ مسجد نمایاں رہی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ خود چند ماہ

خلافت کمیٹی کے جنرل سیکریٹری رہے۔ یہاں مسلم لیگ کے جلسے زیادہ ہوئے قائداعظم اور خان لیاقت علی خان نے تقاریر کیں اور دوسرے زعمائے ملت بھی جلسے کرتے تھے۔ جمعیت علماء ہند، احرار، خاکسار اور تحریک خلافت کے جلسے بھی ہوئے کیوں کہ مسجد مجلس اوقاف کے زیرِ انتظام تھی لیکن حضرت قبلہ نے مَمبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کسی غیر مسلم یا بدعقیدہ کو تقریر نہ کرنے دی[1]

تحریک آزادی کے سلسلے میں یہاں مولانا عبیداللہ سندھی نے بھی دفتر قائم کیا تھا۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ فتح پوری کی تمام اہمیت اور شہرت حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہراللہ علیہ الرحمہ کے دم سے تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب پارلیمنٹ کے ایک مسلمان ممبر فوجی محافظ لے کر آئے کہ مسجد میں گھرے ہوئے کارکنان کو خطرہ سے نکال کر محفوظ مقام پر پہنچا دیں ہر شخص نے اس کو رحمت سمجھا اور خوش ہوا لیکن حضرت علیہ الرحمہ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ مسجد خالی ہوتے ہی اس پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے گا اور پھر کسی مسلمان کو یہاں سجدہ کرنا نصیب نہ ہوگا۔ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسجد کے عملہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ لوگوں کو اجازت ہے جاسکتے ہیں کل قیامت کے روز اگر مولیٰ تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔''

مسجد کے دروازے پر آئے ہوئے فوجی اور ممبر پارلیمنٹ خلاف توقع یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے۔ حضرت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے حجرہ کا رُخ کیا مسجد کا عملہ ایسا مسحور ہوا کہ سب حضرت قبلہ کے پیچھے چل دیے۔

---

[1] ایام انقلاب ۱۸۵۷ء میں مسجد فتح پوری میں حضرت فقیہہ الہند کے برادر نسبتی مولانا محمد مصطفیٰ علیہ الرحمہ امام وخطیب تھے اور آپ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد پر دستخط کیے تھے اس لیے مسجد شریف اور یہ پورا خاندان دور ابتلاء سے گزرا اور یہ مسجد اغیار کے قبضے میں چلی گئی۔ بالآخر انقلاب ۵۸ کے کئی سال بعد حضرت فقیہہ الہند علیہ الرحمہ یہاں تشریف لائے۔ مسجد فتح پوری میں بدعقیدہ لوگوں کا عمل دخل مجلس اوقاف یا وقف بورڈ کی وجہ سے ہے جس میں زیادہ تر اغیار کے ہم نوا لوگ شامل ہیں۔ ظہری

شاہی امام وخطیب:

ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں مغلیہ دور کی مساجد میں مسجد جامع فتح پوری کا شمار عظیم الشان مساجد میں ہوتا ہے۔ یہ جامع مسجد (شاہجہانی) سے بھی قدیم ہے اور عظیم تاریخی ورثہ کی حامل ہے۔ اس کی امامت اور خطابت کے معزز منصب کے لیے بادشاہ وقت کی طرف سے منتخب روزگار شخص کا انتخاب ہوتا تھا۔

دہلی کے آخری مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر کے عہد میں اس عظیم شاہی مسجد میں حضرت مولانا مفتی حیدر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ شاہی امام وخطیب کے منصب پر فائز تھے ان کے بعد (برطانوی حکومت کے دور میں) ان کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ خاں رحمتہ اللہ علیہ اس منصب پر فائز ہوئے۔ چوں کہ وہ لا اولاد تھے اس لیے ان کے بعد یہ منصب جلیلہ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کو ملا۔ جو مولانا حیدر شاہ خاں رحمتہ اللہ علیہ کے داماد اور مولانا محمد مصطفیٰ خاں رحمتہ اللہ علیہ کے بہنوئی تھے۔

فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری ایام ۱۳۰۹/۱۸۹۱ء تک اس منصب کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ وصال سے کچھ عرصے قبل آپ نے حسب منشائے ربانی اپنے قابل فخر پوتے حضرت شاہ محمد مظہر اللہ کو اس منصب کے لیے نامزد فرمادیا چونکہ اس وقت نامزد امام حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کمسن تھے اس لیے امامت و خطابت کے فرائض آپ کے بڑے چچا حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بطور قائم مقام امام انجام دیے۔ ۱۸۹۳ء میں وہ حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں ہی ان کا وصال ہوگیا تو حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے تیسرے چچا حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نے قائم مقام امام کے طور پر ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

اس عرصے میں حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ حصول علم میں ہمہ تن مشغول رہے۔ تاآنکہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ جوان ہوگئے علم وفضل میں کمال دسترس حاصل ہوگئی۔ رفتہ

رفتہ آپ نے اپنے منصب کی تمام ذمہ داریاں قبول فرمالیں۔ تقریباً سولہ یا سترہ سال کی عمر میں آپ باقاعدگی سے تمام[1] نمازیں پڑھنے لگے اور حسب دستور مسجد کے اندرونی انتظامات بھی آپ کے سپرد ہو گئے۔

آپ مسجد کی زیبائش، درستگی و صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے اور اگر اوقاف کمیٹی کی طرف سے مسجد کے اخراجات کے لیے رقم ملنے میں تاخیر ہوتی تو اپنی جیب سے خرچ کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ نمازیوں کے آرام مثلاً سردیوں میں گرم پانی اور گرمی کے موسم میں تمام پنکھوں کی درستگی پر خصوصی توجہ فرماتے تھے ذاتی توجہ نے مسجد کے خادموں کو مستعد بنا رکھا تھا۔ نمازیوں پر بھی شفقت فرماتے اور ان کی دل داری فرماتے لیکن کسی سے بے تکلف نہ ہوتے۔ آداب مسجد کا بہت احترام فرماتے۔ مسجد میں جا بجا بیٹھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے نوافل اور سنتیں اپنے حجرہ میں ادا فرماتے تھے اجلا لباس اور انداز میں متانت اور وقار آپ کی پہچان تھی۔ حضرت قبلہ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر نماز سے پہلے تازہ وضو فرماتے تھے اور عمامہ زیب سر فرما کر نماز پڑھاتے۔ اس سنت کا بڑا اہتمام فرماتے۔ کبھی ترک کرتے نہ دیکھا واقعی عمامہ پہن کر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ یوں بھی حسن صورت میں فیض یافتہ جمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حسن کے ساتھ تزکیہ نفس، دل و دماغ کی پاکیزگی، روح کی پاکیزگی، عمل کی پاکیزگی، جسم شفاف، لباس اُجلا اور معیاری ہو۔ چال ڈھال نشست و برخاست کا سلیقہ بھی ہو تو شخصیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں ایسی جاذب شخصیت امام، معلم، مرشد اور رہبر کے لیے بہت موزوں ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ایک اثاثہ ہے جس سے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ امتیازی طور پر مالا مال تھے۔

حضرت جب نماز پڑھانے تشریف لے جاتے تو چہرہ کے تاثرات اور انداز کچھ اس طرح ہوتے جیسے سراپا ادب، نگاہیں نیچی، دونوں ہاتھ آگے کی طرف ذرا اُٹھے ہوئے جیسے

---

[1] ۱۴ سال کے ہو گئے تو سری نمازوں (ظہر اور عصر) کی امامت فرمانے لگے۔ ۱۶ سال کی عمر سے جہری نمازیں فجر، مغرب، عشاء پڑھانے لگے۔ ۱۷ ویں سال سے جمعہ بھی پڑھانے لگے۔ مظہری

اب نیت باندھنے والے ہیں اور کسی عظیم دربار میں حاضری کے لیے حواس یکجا کر لیے ہیں اور جب نماز پڑھا کر واپس ہوتے تو چہرۂ انور پر فرحت کے آثار ہوتے۔ مصافحہ کرنے والے حضرت قبلہ کی طرف لپکتے آپ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی باتوں کا جواب دیتے جاتے اور حجرہ کی طرف بڑھتے جاتے۔

لوگ دور دور سے حضرت قبلہ کے پیچھے نماز پڑھنے آتے تھے۔ ان کا تجربہ تھا کہ حضرت قبلہ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر دل میں ایک خاص لذت محسوس ہوتی ہے۔ جن حضرات نے حضرت کی قرأت سنی ہے ان کا تاثر یہ ہے:

''آواز ہلکی پھلکی اور نہایت نازک اور لطیف، قرأت قرآن فرماتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔''

لطف کیوں نہ آئے جب نماز میں توجہ الی اللہ کا یہ عالم ہو کہ جو تلاوت کر رہے ہیں وہ اپنے رب کو سنا رہے ہیں۔ مولیٰ اپنے بندے کو دیکھ رہا ہے۔ بندہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ راز تھا کہ جس نے بیس سال مسلسل حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ تصدیق کر رہا ہے کہ کبھی حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو سجدہ سہو کرتے نہ دیکھا جو نماز عشق ادا کر رہا ہے اس کو غیر کے خیال سے کیا کام؟ الا یہ کہ بتقاضائے بشری کبھی ایسا ہوا ہو۔

یہی وہ لطف تھا۔ یہی وہ چاشنی تھی جس سے اکثر مقتدی فیض یاب ہو جاتے تھے اور پھر بڑی مسرت اور شکر کے ساتھ بیان کرتے۔ ''الحمد اللہ میں نے بڑے امام صاحب کے پیچھے دس سال نماز پڑھی۔'' خدا کا شکر ہے احقر نے پندرہ سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ کوئی کہتا۔ ''مجھے ۲۲ سال سے یہ نعمت میسر ہے۔'' یہ زاہد خشک قسم کے نمازی نہ تھے۔ انہوں نے مئے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم چکھ لی تھی۔ انہیں اللہ سے محبت ہو گئی تھی۔

حضرت قبلہ ممبر و محراب کے تقدس سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ منصب امامت کا شرف و عزت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت شریفہ سے ہے۔ اس لیے اس منصب کی جلالت و رفعت شان عظمت اور وقار کے شایانِ شان اس کا احترام فرماتے

تھے۔ انحطاط کے اس دور میں بعض ائمہ مساجد کے غیر ذمہ دارانہ رویہ سے امام مسجد کے وقعت روز بروز گرنے لگی ہے۔ اگر آج بھی ائمہ حضرات کسی حد تک حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے طرز کو اپنا لیں تو ان کی عزت میں چار چاند لگ جائیں۔

ایسے واقعات اگرچہ بے شمار ہیں لیکن گنجائش کے پیش نظر ان میں سے دو تین کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا کہ حضرت قبلہ کی نگاہ میں منصب امامت کی کس قدر عزت اور اہمیت تھی۔

مثلاً ایک بار موسم کی تبدیلی پر حضرت قبلہ نے عشاء کی جماعت کا وقت تبدیل فرمایا۔ اوقاف کمیٹی کے ایک رکن جو عشاء کی نماز مسجد فتح پوری میں پڑھتے تھے وہ اس تبدیلی پر معترض ہوئے اور کہا کہ ''امام صاحب آپ نے کمیٹی کی منظوری لیے بغیر جماعت کا وقت تبدیل کر دیا؟'' حضرت قبلہ نے فرمایا۔ ''جماعت کے معاملات کا ذمہ دار امام ہوتا ہے۔ اس کو شریعت کے سوا کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' اس جواب پر ممبر صاحب چراغ پا ہو گئے اور کہا۔ ''میں اوقاف کمیٹی کا ممبر ہوں۔'' حضرت قبلہ نے بڑے اطمینان سے فرمایا۔ ''اگر شاہ جہاں بادشاہ بھی یہاں ہوتا تو اس کی یہ جرأت نہ ہوتی کہ اس مصلے پر اس طرح اعتراض کر سکے۔'' ممبر صاحب کا دولت، عزت اور ممبری کا گھمنڈ مجروح ہوا۔ انتقام کے جوش میں انہوں نے تمام ممبران کمیٹی کو حضرت قبلہ سے باز پرس کرنے پر اکسانا چاہا، لیکن ایک نہ چلی اور انہیں خود ہی قائل ہونا پڑا۔

اس مختصر مکالمے میں حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے جواب میں کس قدر جامعیت ہے۔ بظاہر تو اس میں جرأت کا پہلو نمایاں ہے۔ نیز اس میں اختیارات و فرائض منصبی سے پوری طرح باخبر ہونا اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی ظاہر ہوتا ہے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ شریعت مطہرہ کی افضلیت اور شوکت کا اظہار ہوتا ہے جس کے مقابلے میں کسی قانون کی کوئی حیثیت نہیں۔ کسی کی بڑائی اور مرضی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دوسرے جواب میں ممبر صاحب کی رعونت کا مہذب ترین لہجہ میں جواب دیا، لیکن

اصل بات یہ ہے کہ مصلیٰ کہہ کر صاحب مصلیٰ یعنی ''امام'' مراد لی اور یوں امام کا مرتبہ اس شہنشاہ ہندوستان شاہ جہان سے بھی بلند ہونا ثابت فرما دیا جس کے بارے میں کہا جا چکا ہے۔ ع

از دہشت شاہ جہان لرزت زمین و آسماں

غور کریں کہ منصب اور ذات کو علیحدہ علیحدہ رکھا۔ ذات کی نفی کر دی۔ اعتراض میں ذات پر حرف آ رہا تھا اور منصب پر بھی۔ ذات پر اعتراض کو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے برداشت کر لیا لیکن منصب پر اعتراض کا دفاع کیا۔

اوقاف کمیٹی کے بعض ممبران کو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے عقائد کی بنا پر اختلاف تھا۔ بعض حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت و شوکت سے بھی جلنے لگے تھے اور ان کی عزت و وقار کو ٹھیس پہنچانے پر تلے رہتے تھے اس بغض نے یہ راہ سجھائی کہ اوقاف کے تحت تمام مساجد کے ائمہ اور دیگر خادمین دفتر میں حاضر ہو کر اپنا مشاہرہ وصول کرتے ہیں اور ان کا شمار اوقاف کے ملازمین میں ہوتا ہے لیکن امام صاحب فتح پوری مسجد کے لیے خزانچی یا اس کا نمائندہ ماہانہ مشاہرہ لے کر ان کے پاس جاتا ہے اس رسم کو ختم کیا جائے اور وہ بھی خود دفتر میں حاضر ہو کر اپنی تنخواہ لیا کریں۔ کمیٹی نے قانون منظور کر لیا اور حضرت کو اطلاع دے دی۔

حضرت قبلہ نے فرمایا ''امام ملازم نہیں ہوتا...... وہ اللہ کی رضا کے لیے مسلمانوں کی خدمت کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس کی خدمت کرتے ہیں تو یہ بطور نذرانہ ہے۔ تنخواہ نہیں۔ نذرانہ جس کے لیے ہوتا ہے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ تو شاہی مسجد ہے اور شاہی دور سے یہاں یہ دستور جاری ہے۔''

اس جواب نے ممبران کمیٹی کی انا کو للکارا۔ مخالفین نے بھی نمک مرچ لگایا۔ طے پایا ''آخر کب تک اپنے پیٹ پر پٹی باندھیں گے ایک نہ ایک دن امام صاحب کو کمیٹی کا فیصلہ ماننا پڑے گا۔'' نادان بھول گئے امام صاحب کی رسم و راہ کس سے ہے؟ یہ اس سخی

صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری ہیں جس کے:

ہاتھ جس سمت اُٹھے بس غنی کردیا
اس موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

اور یہ اس رب کے پجاری ہیں جو ظاہری تمام ذرائع بند ہو جانے پر بھی اپنے محبوب کو کھلاتا ہے پلاتا ہے۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرما رہے ہیں۔ ''یطعمنی و یسقنی ربی'' میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

آدھا سال گزر گیا۔ جن کو یہ راز معلوم ہے وہ کھوج لگا رہے ہیں۔ ممبران میں سے جو سامنے پڑتا ہے سر سے پیر تک جائزہ لیتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے بار بار دیکھتا ہے۔ وہی کھلا ہوا چہرہ۔ چمکتی پیشانی، مسکراتے لب۔ وہی استغنا وہی بے نیازی وہی شان و شوکت وہی لباس وطعام۔ لوگوں کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں۔ کوئی سائل خالی ہاتھ نہ گیا۔ کوئی کہتا تھا جنات قابو میں ہیں، کوئی کہتا دست غیب ہے۔

میانے عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

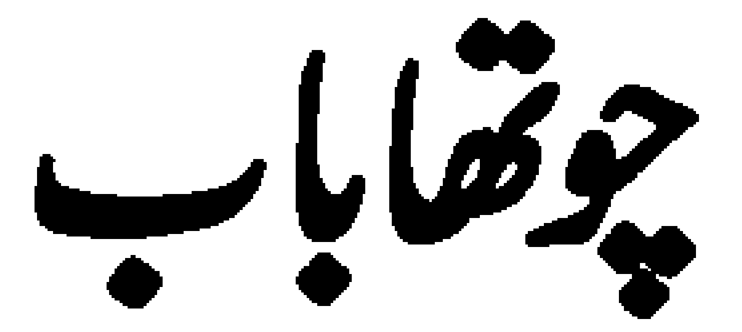
ممبران کمیٹی آپس میں گفتگو کرتے رہے، پھر مایوس ہو گئے ایک نے کہا، دوسرے نے کہا پھر سب ہی کہنے لگے یہ وہ امام نہیں جو ہم سمجھتے تھے۔ اب ان کی اعلیٰ ہمتی کا ذکر ہوا اعلیٰ نسبی کا ذکر ہوا۔ بزرگی کا ذکر ہوا۔ ولایت کا اعتراف ہوا۔ فائل نکالا گیا اپنے ہی فیصلہ کو منسوخ کیا گیا۔ کمیٹی کے ممبران نادم ہو گئے اور حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی منشا و مرضی کے مطابق سابقہ دستور بحال ہو گیا۔

ایک بار نئے ناظر صاحب کا تقرر ہوا۔ انہوں نے ایک دن فتح پوری کے انتظامات کا معائنہ کرنے کے لیے بھی مقرر فرمایا۔ سب کو خبر ہو گئی۔ جب ناظر صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو مسجد کے خادموں، مدرسہ کے اساتذہ اور طالب علموں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ منشی حکیم محمد اسلام صاحب نے (جو مسجد کے دفتری امور انجام دیتے اور ملازمین کے لیے بحیثیت انچارج تھے) ناظر صاحب کا سب سے تعارف کرایا۔ ناظر

صاحب نے کہا۔ ''سب ملنے آئے مگر امام صاحب نہیں آئے۔'' منشی جی نے کہا حضرت امام صاحب تو کافی ضعیف العمر ہیں آپ ان کے حجرہ میں ملاقات کر لیجیے۔ ناظر صاحب آئے تو حضرت قبلہ فتویٰ تحریر فرمار ہے تھے بہت سے لوگ فتویٰ لینے کے لیے بیٹھے تھے۔ منشی جی نے ناظر صاحب کا تعارف کرایا۔ حضرت قبلہ نے فرمایا۔ ''آپ تشریف رکھیں میں فتویٰ پورا کرلوں پھر آپ سے بات کرلوں گا۔'' ناظر صاحب جو کچھ دیر پہلے مسجد کے دروازے پر اپنے شاندار استقبال کا لطف لے چکے تھے حیران ہو گئے۔ ''اچھا میں پھر کبھی حاضر ہوں گا۔'' کہہ کر رخصت ہوئے۔

بعد میں منشی جی نے بتایا کہ حجرہ سے نکلے تو ناظر صاحب کے تیور اچھے نہ تھے۔ شاید ان کو یہ توقع ہوگی کہ میری آمد کی اطلاع پر حجرہ خالی کرالیا جائے گا۔ امام صاحب میری تعظیم کریں گے وغیرہ۔ پھر ایک نجی گفتگو میں حضرت قبلہ نے فرمایا اول تو فتویٰ لکھنا میرے اپنے فرائض میں ہے، کافی دیر بعد ان حضرات کا نمبر آیا تھا۔ نہ معلوم ناظر صاحب کتنی دیر بیٹھتے اس لیے مناسب یہی تھا کہ چند سطور جو باقی رہ گئیں انہیں پورا کر کے پھر یکسوئی سے بات کرتا۔ دین کے کام کے لیے آئے ہوئے لوگوں کو مزید انتظار کرانا مجھے اچھا نہ لگا۔ رہی تعظیم کی بات وہ باشرع شخصیت بھی نہیں تھے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کرتا ہو اس کی تعظیم پر میرا دل رضامند نہیں ہوتا۔''




چوتھا باب



بدر الدجیٰ کے پھول

بحضور مفتی اعظم ہندوستان شاہ محمد مظہر اللہ
نقشبندی مجددی

مفتی مظہر اللہ ہیں جو دوستی کے پھول
دیتے ہیں آج بھی مہک اس رہنما کے پھول
قسمت پہ اس کی رشک نہ ہو کس لیے مجھے
چومے ہیں جس نے آپ کی بند قبا کے پھول
اے سرزمینِ فتح پوری جاگا ترا نصیب
ہیں عطر بیز تجھ میں جو بدر الدجیٰ کے پھول
جو گل کھلے مدینے میں خوشبو ہے ہند میں
ہیں مرقد مظہر پر چڑھے والضحیٰ کے پھول
روشن بھی ہیں مہک بھی ہے جاری ہے فیض بھی
دیکھے ہیں تم نے ایسے کہیں پر ضیاء کے پھول
مظہر خدا کے مظہر شان مجددی
شان مجددی کے ہیں شان عطا کے پھول

از جناب درخشاں عباسی امروہوی (مطبوعہ پندرہ روزہ غریب نواز، نومبر ۱۹۶۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وخلقنا کم ازواجا (القرآن)

ترجمہ: ''اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا۔''

شخصیت کی نشو ونما رواں دواں تھی۔ جسمانی ساخت پر بہار آ گئی تھی اور مزاج میں متانت آ چکی تھی۔ عمر کے ساتھ حوصلے بھی جوان ہوئے۔ ذمہ داریاں سنبھالنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لیے مواقع ملنے لگے۔ عظیم شاہی مسجد کی امامت اور خطابت اور مسجد کا حسن انتظام۔ درس وتدریس، دارالافتاء کی ذمہ داری تبلیغ دین، طالبان طریقت کی تربیت۔ مسلمانوں کے دینی اور معاشرتی مسائل میں اصلاح کی کوشش غرض کہ جس کام میں ہاتھ ڈالا بہترین صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ اپنے پرائے سب گن گانے لگے۔

نکاح:

آپ کی عمر شریف ابھی ۱۸۔۱۹ سال ہی تھی، آپ کے والدین وصال کر چکے تھے، کوئی بھائی یا بہن بھی نہ تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا کہ ایک اور بڑی دینی اور معاشرتی ذمہ داری بھی سنبھال لی جائے۔ تو آپ نے حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم النکاح من سنتی (نکاح میری سنت ہے) نکاح فرمالیا۔

حضرت قبلہ نے پہلا عقد مسنونہ تقریباً ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء/۱۳۲۰ھ میں مخدومہ سیدہ انور جہاں (علیہا الرحمہ) سے فرمایا۔ یہ نکاح بڑی سادگی سے ہوا۔ غیر شرعی رسومات اور ہر قسم کی فضول خرچی سے گریز کیا گیا۔ ایسی سادگی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے عقد مسنونہ کی یاد تازہ ہو جائے۔

تقریباً تین سال بعد حضرت کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں ان شیر خوار بچوں کی پرورش میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے بے مثال ایثار اور خدمت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت نے دوسری شادی ۱۹۰۸ء/۱۳۲۷ھ میں مغلیہ خاندان کے ایک علمی گھرانے میں مخدومہ نور جہاں بیگم (علیہا الرحمہ) سے نکاح فرمایا لیکن

قضا عنداللہ یہ ساتھ تقریباً تین سال تک نبھ سکا اور دوسری اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا ان سے دو صاحبزادیاں تولد ہوئی تھیں۔

حضرت قبلہ نے تیسری شادی خاندان سادات کی چشم و چراغ سیدہ عائشہ بیگم علیہا الرحمہ سے فرمائی۔ بحمدہ یہ ساتھ تقریباً چالیس سال نبھ گیا۔ ۱۹۴۷ء میں تیسری اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان سے ۵ صاحبزادے اور ۶ صاحبزادیاں یادگار تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت قبلہ عملاً گوشہ نشین ہو گئے باقی عمر کوئی شادی نہیں کی۔ تینوں ازدواج کے ساتھ حضرت کا ایسا مشفقانہ سلوک تھا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے رشتہ داروں سے محبتیں قائم رہیں۔

شادی رچا لینا خوشیاں منا لینا تو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور انتہائے آفرینش تک رہے گا۔ عموماً شادی سے پہلے زوجین کے دل میں بہت سے ارمان، بڑی آرزوئیں، لمبی لمبی امیدیں، وعدے، منصوبے اور تصورات کا ایک جہان ساتھ ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ گزرتے ہی قرب اور محبت کی مسرتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ خوابوں کے شیش محل چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ بے زاری پروان چڑھتی ہے۔ شکوہ و شکایات کا غبار جانبین کی ہر خوبی کو گرد آلود کر دیتا ہے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اتباع سنت کے دلدادہ تھے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی بھی پیشِ نظر تھی۔ اس کے مطابق نباہنے کی آرزو تھی۔ انہیں یقین تھا کہ اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک انسان کی عظمت، شرافت اور اخلاق کی کسوٹی ہے۔ ازدواجی زندگی میں سخت مقام آتے ہیں جو حکمت اور حسن اخلاق سے حل ہو جاتے ہیں۔ یقیناً ازدواجی زندگی کی کامیابی دنیاوی زندگی کی کامیابی تو ہے۔ یہ اخروی زندگی میں بھی نفع بخش ہوتی ہے۔ یہ کرامت تھی کہ حضرت قبلہ نے اپنی ازدواجی زندگی کو تلخیوں کی آنچ نہ لگنے دی اور دوسری زندگیوں کو بھی سلگنے سے بچاتے رہے۔ آپ نے حسب موقع ہدایات و مشورے دیے اور حسنِ سلوک کی تلقین و تاکید فرمائی۔ ایک خط میں اپنے مرید کو تحریر فرمایا:

''فرائض خداوندی کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہ کرنا۔ جہاں تک ہو سکے والدین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ بھائی کو سلام کہہ دینا اور ان کے ساتھ بھی شفقت میں کمی نہ کریں۔ مولیٰ تعالیٰ کی اور پھر میری خوشی کی اگر خواہش ہے تو ان نصائح کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ دارین کی بہتری اسی میں مضمر ہے۔''

ایک اور مرید کو تحریر فرمایا:

''اس طرح خانگی معاملات کا بھی مردانہ وار مقابلہ کریں کہ اس راہ میں بڑی گھاٹیاں آئیں گی۔''

ایک اور مرید (ممتاز خاں صاحب) کو تحریر فرمایا:

''گھر والی کے پریشان کرنے پر صبر کریں۔ گھر میں سلام و دعا کہیں۔ ان سے سلوک بہتر قائم رکھیں۔ یہ بھی ایک سبب ترقی کا ہے۔ اہلیہ کے ساتھ وہ طریقہ لازم رکھیں جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا۔''

حضرت قبلہ کے یہاں ایسے تنازعات بکثرت آتے تھے جن کو حضرت بڑی کوشش سے سلجھاتے اور گھر آباد رکھنے پر زور دیتے۔ مریدین اور مخلصین پر خصوصی اثر استعمال فرماتے اور انہیں شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرماتے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی شخصیت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جگمگا رہی تھی۔ یہی اس کا اصل روپ تھا نہاں بھی یہی عیاں بھی یہی۔ کردار میں دوئی کی بو بھی نہ تھی...... نکاح بھی اتباع تھا اور نباہنا بھی اتباع اس لیے یہ شعبہ بھی خوش گوار تعلقات کی عمدہ مثال تھا۔

باقیات الصالحات

بظاہر مال و اولاد۔ منصب و اقتدار عزت و وقار۔ علم وعرفان اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں...... بڑی بڑی رحمتیں ہیں مگر فی الواقع یہ امتحان ہیں۔ نعمتوں کی کتنی قدر کی، کتنا شکر ادا کیا؟ اسی کو جانچا جائے گا اور حاصل کردہ نمبروں پر پھر انعام دیا جائے گا ورنہ ان عذابی لشدید کا تازیانہ حاضر ہے۔

ہم سمجھ رہے ہیں حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ پر بڑے بڑے انعام یوں ہی ہو رہے ہیں...... یہ سخت ترین امتحان تھے...... بڑی خوب صورتی سے امتحان لیے گئے...... بڑی خوش اسلوبی سے امتحان دیے گئے...... نتائج سامنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت دی۔ خوب دی۔ ۱۶ بچے پالنا سنبھالنا۔ اعلیٰ ترین تعلیم۔ بہترین تربیت، وسائل محدود اور مسائل لامحدود۔ بچوں کی چال ڈھال طور و اطوار لباس و طعام ہر چیز میں دہلی کے شرفاء اور اعلیٰ نسب کے لوگوں کا معیار۔ کسی نے کہا۔ ''دست غیب حاصل ہے۔'' کوئی کہتا ہے جن تابع ہے دولت سے علم خرید کر نہیں دیا جاتا...... جن کسی کو اعلیٰ انسان نہیں بناتا۔ یہ اس باکمال باپ کا کمال تھا۔ یہ ان کی کرامت تھی۔ ماشاءاللہ تیرہ بچوں[1] کی شادیاں اپنی زندگی میں کر گئے یہ کرامت تھی اور یہ بھی کرامت تھی کہ ماشاءاللہ (سات) ۷ صاحبزادے سب ہی عالم دین۔ باوقار، وفاشعار، باشرع باوضع پانچ شیخ طریقت۔ ۹ صاحبزادیاں عالمہ وفاضلہ۔

۱۔ دو صاحبزادے جوان بوجہ علالت انتقال فرما گئے ان کی شادی نہیں ہوئی۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی کی شادی حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے تھوڑے دن بعد ہوئی اس طرح تیرہ بچوں کے گھر بسا کر تشریف لے گئے۔
کل سات صاحبزدگان تھے جن میں سارے قاری ہیں، ان میں پانچ حافظ، ان ہی میں سے تین حاجی اور ان ہی میں سے تین امام وخطیب بھی ہیں۔
مظہری

پہلے اور دوسرے صاحبزادے:

دونوں مفتی اعظم ۔ا۔محمد مظفر احمد شاہ ۲۔محمد مشرف احمد شاہ ان دونوں بزرگوں میں کئی خوبیاں مشترک ہیں○ مکمل دینی تعلیم، درس نظامی سے بھی فارغ التحصیل تھے۔○ مفسر قرآن تھے۔○ واعظ خوش بیان تھے۔○ مفتی اعظم تھے○ دونوں حضرات نے دارالافتاء فتح پوری میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے زیر تربیت فن فتویٰ نویسی میں کمال حاصل کیا۔○ پھر یکے بعد دیگرے نائب مفتی اعظم کا منصب سنبھالا۔○ بڑے جناب پاکستان تشریف لائے دارالافتاء قائم فرمایا مفتی اعظم کہلائے○ ہندوستان میں حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری مولانا مفتی محمد مشرف احمد نے سنبھالی اور مفتی اعظم کے منصب پر سرفراز رہے اور ساری عمر دین کی خدمت میں گزاری فتاویٰ لکھتے رہے۔○ دونوں حضرات نے فن طب کی تعلیم حاصل کی اور مستند طبیب کے طور پر لاکھوں بندگانِ خدا کو فیضیاب کیا۔ راقم الحروف نے دہلی میں حکیم مفتی مشرف احمد کے مطب میں کئی سال حاضری دی ہے۔[1] وہ اشراق کی نماز پڑھ کر مطب شروع کرتے تھے اور ظہر کی اذان تک فرصت نہ ملتی تھی بعض عجائبات دیکھنے میں آئے۔نبض پر ہاتھ رکھا اور وہ سب کچھ بتادیا کہ مریض خود حیران رہ جاتا نہ ان کا کوئی دواخانہ تھا نہ فیس لیتے تھے خالصاً اللہ کی رضا کے لیے صرف نسخہ لکھ کر دیتے تھے احقر کا خیال ہے ان کی تشخیص و تجویز میں روحانیت غالب تھی ایک بار احقر کے دریافت کرنے پر فرمایا۔''فقیر کے ہاتھ میں نبض ہوتی ہے بتانے والا خود بتاتا ہے نسخہ لکھنے میں محض قلم میرے ہاتھ میں ہوتا ہے دوا وہی بتاتا ہے وہی شفا عطا فرماتا ہے جو لکھوادے حکیم وہ ہے، شافی وہ ہے اسی سے امید رکھو۔'' کبھی کبھی ظہر کے بعد حاضر ہوا تو مولانا ممدوح مطالعہ یا تحریری کاموں میں ظہر سے عصر تک مصروف رہتے تھے۔○ عصر سے

ا۔ ہر اتوار کی چھٹی میں احقر قبرستان (شیدی پورہ) اپنی والدہ ماجدہ (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے جاتا تھا واپسی میں باڑہ ہندوراؤ سے گزرتا اور حضرت مفتی صاحب کے مطب میں حاضر ہو جاتا تھا انہیں بات کرنے کی فرصت نہ ہوتی تھی سلام و خیر و عافیت پر غنیمت ہوتی۔ تقریباً ایک گھنٹہ حاضری رہتی۔ مظہری

مغرب تک تعویزات عطا فرماتے روحانی علاج کرتے اس کے لیے خود کچھ نہ لیتے۔ البتہ یہ پابندی لگاتے کہ دو یا چار نمازیوں کو کھانا کھلانا یا کسی بھی مسجد میں کوئی رقم حسب توفیق دینا...... سب سے نرالی بات یہ کہ کوئی کافر آئے تو اس کو وظیفہ لازمی بتاتے وہ نرالا انداز ہوتا کہ تبلیغ کا پہلو آ جائے تم سورج نکلنے سے پہلے نہا کر اور سورج ڈوبنے سے پہلے مغرب کی طرف منہ کر کے ہاتھ جوڑے کھڑے ہو جاؤ اور یہ منتر (وظیفہ) پڑھو ''اے مالک تو ایک ہے تیرا کوئی ساتھی نہیں'' گیارہ بار صبح گیارہ بار شام کو کسی کو ۲۱ بار ایک وقت۔ ٥

دونوں عظیم صاحبزادے حضرت الحاج علامہ شاہ محمد رکن الدین الوری نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ عبادات و ریاضات میں خوب دل لگایا راہ سلوک پر گامزن رہے جب تکمیل ہوگئی تو حضرت والد ماجد شیخ الاسلام علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے ہر دو صاحبان نے بیعت و ارشاد کا فیض جاری فرما دیا تھا۔ روحانی مقامات میں ان حضرات کی روز افزوں ترقی پر بڑے صاحبزادے صاحب حضرت مفتی حکیم محمد مظفر احمد شاہ کو اس دور کے (پاکستان میں) مشہور روحانی پیشوا خاندان مجددیہ کے چشم و چراغ حضرت پیر غلام محمد مجددی علیہ الرحمہ نے بھی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمتہ کو حضرت علامہ الحاج مفتی محمد محمود احمد صاحب الوری علیہ الرحمتہ سے بھی خلافت ملی تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ حدیث مصافحہ سے بھی مشرف ہو گئے تھے جس جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا اور حدیث حاصل کی۔ اس نے حضرت پیر بہ جماعت علی شاہ قدس سرہ العزیز سے مصافحہ کیا اور حدیث سنائی۔

حضرت پیر صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمتہ کو طلب کیا اور مصافحہ فرمایا حدیث مذکورہ سنائی اور مبارک باد دی یوں دو واسطوں سے حضرت مفتی مظفر احمد علیہ الرحمہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوگئی اور ان کے چھوٹے بھائی مفتی حکیم محمد مشرف احمد صاحب کو جو ہندوستان میں تھے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت مفتی مشرف احمد حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔

تیسرے صاحبزادے:

حضرت الحاج علامہ مولانا حافظ قاری محمد احمد نقشبندی مجددی امام شاہی جامع مسجد فتح پوری دہلی مستند عالم دین، خوشنوا مقرر، باوقار امام تھے بے نیازانہ طبیعت پائی تھی۔ خوش مزاج ایسے کہ جوان سے ملتا وہ چاہتا یہ صحبت کبھی ختم نہ ہو۔ قلندرانہ جھلک بھی تھی جو ملتا فریفتہ ہو جاتا وہ سب کے محبوب تھے۔

خاص امتیاز:

قرآن کریم پڑھنے والے شاگردوں کی ایک فوج تھی بیشتر حافظ تھے۔ شاگرد کیا تھے فدائی تھے، پڑھائی میں غفلت برداشت نہ تھی۔ یوں ان سے ایسا لاڈ کرتے کہ اولاد اور شاگرد سے یکساں شفقت فرماتے[1] آواز میں اللہ تعالیٰ نے ایسی کرامت دی کہ ہزاروں کے مجمع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے قرآن کریم واضح سنا جاتا تھا، رمضان المبارک میں پورے شہر میں سب زیادہ تراویح پڑھنے والے آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ان کے پڑھنے میں ایک سوز تھا ایک درد تھا۔

حضرت مولانا محمد احمد رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے اور ان ہی سے خلافت بھی ملی تھی۔ آپ نے چند اصحاب کو بیعت بھی فرمایا۔ تعویذ بھی دیتے تھے۔ کبھی کبھی فتویٰ بھی دیتے تھے۔ چوں کہ آپ کا ذریعہ معاش دندان سازی تھا اور اپنے فن میں یکتا تھے۔ پانچوں وقت جامع مسجد فتح پوری میں نماز بھی پڑھاتے تھے اور باقی تمام وقت قرآن کریم کی خدمت میں ایثار کرتے۔ اس لیے باقی کاموں کے لیے وقت نہیں مل سکتا تھا۔ اصل تو ان کو قرآن سے عشق تھا صبح فجر کے بعد شاگرد آجاتے، دوکان جاتے تک وہ گھیرے رہتے تھے۔ مغرب کے بعد سے رات گئے تک حفاظ کا سبق سنتے رہتے تھے۔

۱۔ کبھی کسی شاگرد سے کہتے تیری چھٹی ہوگئی اپنے گھر کیوں نہیں گیا؟ تو وہ کہتا چلا جاؤں گا نا۔ میں خود چلا جاؤں گا...... ابھی تھوڑی دیر کھیل کے جاؤں گا۔ مظہری

چوتھے اور پانچویں صاحبزادے:

مولانا منور احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا منظور احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ عین عالم شباب میں انتقال فرما گئے۔ یہ دونوں شاہزادے حافظ تھے، قاری تھے، عالم دین تھے۔ متقی، وفا شعار باوقار اور ہونہار تھے۔

بعض فنون لطیفہ مثلاً خطاطی ونقاشی کی طرف طبیعت کا میلان تھا۔ یہ بلاک میکنگ تک بات پہنچی جس کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کرلیا مگر علالت نے پیچھا نہ چھوڑا بالآخر یہ خوب صورت، خوب سیرت خوش بیان نوجوان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ عالیہ عربیہ میں داخل ہو گئے۔ درسِ نظامی سے فراغت اس شان سے ہوئی کہ شان دار کامیابی پر ہر طرف سے پرجوش مبارک بادیں ملیں دارالعلوم کی طرف سے انہیں اسکالرشپ دے کر جامع ازہر (قاہرہ۔ مصر) بھیجنا طے ہو گیا تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے فسادات نے رکاوٹ ڈال دی تو مولانا (مرحوم) نے پاکستان کا رُخ کیا یہاں ان کو آب و ہوا راس نہ آئی۔ مسلسل بیمار رہنے لگے اور ۲۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ چھوٹی سی عمر میں ایسی علمی قابلیت پر لوگ حیران تھے ان کے انتقال کی خبر سن کر ان کے استاد مفتی ولایت احمد صاحب نے فرمایا ہم اساتذہ کا خیال تھا ایسا ہونہار طالب علم بڑا ہو کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے درجہ کا ہوگا۔

چھٹے صاحبزادے:

آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے، عالمی شہرت یافتہ محقق، ماہر تعلیمات و ماہر رضویات، ہزارہا مقالات اور سینکڑوں کتابوں کے مصنف، بلند پایہ روحانی پیشوا حضرت مسعود ملت الحاج علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور دامت برکاتہم العالیہ۔ اس دور میں آپ کا وجود شریفہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص رحمت ہے۔ آپ کی خوبیوں کا احاطہ

کرنے سے یہ بندہ عاجز کیوں نہ ہو کہ اس وقت چار دانگ عالم میں آپ کے فضل و کمال کا چرچا ہو رہا ہے۔ ملکی و غیر ملکی علمی و ادبی شخصیتیں آپ کو خراج تحسین پیش کر رہی ہیں۔ کیا خوب کہ ابھی آپ کی عمر ۳۰ کی بھی نہ ہوئی تھی کہ آپ نے اپنی قلم کا لوہا منوالیا۔ پچھلے چالیس سالوں میں پاک و ہند کے ہر ممتاز دانشور، ادیب، شاعر، محقق مدرس، مفسر، پروفیسر، قانون داں، سیاست داں روحانی پیشوا سب نے ان کی قدر کی۔ سب نے ان کی تعریف کی۔ کوئی ان کے طرز نگارش کا فدائی کوئی تحقیق کا شیدائی، کوئی انداز بیان پر فریفتہ، کوئی ان کی کرامات پر شیفتہ نظر آتا ہے۔ اگر ان کلمات تحسین کو جو وقتاً فوقتاً اخبارات، رسائل اور کتابوں میں چھپتے رہتے ہیں جمع کر لیا جائے تو کتاب ہو جائے اللہ الصمد! اور جو اس ذات پاک بے نیاز کا نیاز مند ہو جائے اس کو کلمات تحسین و آفرین جمع کرنے کی کیا ضرورت؟ حضرت مسعود ملت کی یہ بے نیازی کیا رنگ لائی دیدنی ہے۔

گزشتہ تقریباً چوتھائی صدی میں حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ پر خوب تحقیقی کام ہوا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف صاحب زید مجدہ نے ''تذکار مسعود'' ذکر حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ شامل کیا۔

۱۹۸۵ء میں پہلا مکمل تحقیقی کام ''جہان مسعود'' کے نام سے شائع ہوا۔ ۳۰۰ صفحات پر محیط یہ قابلِ قدر کارنامہ سندھ یونیورسٹی کی فاضل اسکالر محترمہ آر۔ بی۔ مظہری ایم اے، ایم فل نے انجام دیا۔

۱۹۹۱ء میں جناب محمد عبدالستار طاہر صاحب نے ''منزل بہ منزل'' پیش کر کے نئی راہوں اور نئی منزلوں کی نشاندہی کر دی۔

۱۹۹۷ء میں محترم ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کی علمی خدمات اور اعلیٰ کردار کو طالبان علم و ادب کے لیے مشعل راہ پایا۔ بہار یونیورسٹی بھارت کے زعما نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی عظمت کو اجاگر کرنا قوم و ملک بلکہ انسانیت کے لیے مفید قرار دے دیا۔ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے ''ڈاکٹر مسعود احمد۔ حیات اور نثری

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (بقرہ: ۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

حیات، علمی اور ادبی خدمات

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

مقالۂ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت۔ ۱۹۹۷ء

نگران

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

شعبہ اُردو، بہار یونیورسٹی، بھارت

ضیاء الاسلام پبلیکیشنز

۱۔ ضیاء منزل شوگن مینشن آف محمد بن قاسم روڈ عید گاہ کراچی سندھ اسلامی جمہوریہ پاکستان

خدمات'' کے عنوان پر تحقیق کر کے بہار یونیورسٹی (بھارت) سے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کر لی۔

۱۹۹۹ء میں جامعہ عین شمس قاہرہ (مصر) کی استاد پروفیسر نبیلہ اسحاق چودہری نے ''مسعود ملت اور رضویات'' پر اپنی تحقیقی پیش کی۔ مزید تین کتابیں اور لکھ رہی ہیں۔

۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی کتاب ''ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اردو نثری خدمت'' شائع ہوگئی جو تاریخ ادبیات اردو میں قابل قدر اضافہ ہے۔

عالی گہر صاحبزادہ محمد مسرور احمد سلمہ القوی نے بھی ''حضرت مسعود ملت کے آثار علمیہ'' شائع فرما کر ایک خاص کمی پوری فرمادی۔

جناب مولانا عبدالستار طاہر صاحب اعلیٰ اللہ درجاتہ نئے رنگ نئے ڈھنگ سے ''تذکار مسعود ملت'' پیش فرمارہے ہیں اور فاذکرونی اذکرکم کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

مزید برآں ۱۹۹۲ء میں حکومت پاکستان نے حضرت مسعود ملت مدظلہ کو اعزاز فضیلت دیا۔

مختلف ادارے اعزازات اور طلائی تمغے پیش کرتے رہے ہیں۔

برصغیر کے مشہور اسکالر اور محقق پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شخصیت ایسی ہے کہ اس پر ایک کیا، اُن کے کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر متعدد علمی مقالے لکھے جاسکتے ہیں۔

(مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء، از علی گڑھ)

حضرت ممدوح نے ابتدائی تعلیم حضرت والد ماجد سے حاصل کی پھر مدرسہ عالیہ میں درس نظامی کے لیے داخلہ لے لیا۔ چار سال پڑھا اپنے محترم بھائی مولانا منظور احمد کی تیمارداری کے لیے تعلیم منقطع کر کے پاکستان آ گئے پاکستان میں پھر تعلیمی سلسلہ جاری ہوا اور ایم اے ایسے امتیاز کے ساتھ پاس کیا کہ گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے

سونے کا تمغہ ملا اور یونیورسٹی کی طرف سے چاندی کا تمغہ ملا۔ آپ نے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحان بھی پاس کیے پھر پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کی اور آپ کو ملک کا بہترین ریسرچ اسکالر قرار دیا گیا۔ اس دوران کئی کالجوں میں پڑھاتے رہے۔ لیکچرر، پروفیسر، صدر شعبہ پرنسپل کے عہدوں پر ترقی کرتے کرتے ایڈیشنل سیکریٹری تعلیمات بھی بن گئے اور بالآخر ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔

پڑھنے لکھنے کا خاص ذوق یہ تمغہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ طالب علمی کے زمانے سے آپ کے مضامین اخبار و رسائل میں چھپنے لگے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ پھر کتابیں چھپنے لگیں۔ آج کل وہ برق رفتاری سے لکھی جا رہی ہیں اور شائع ہو رہی ہیں۔ مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا بھر میں مقبول ہیں مثلاً عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، سندھی، بنگلہ، پشتو، ڈچ، سواحلی وغیرہ سینکڑوں کتابوں کی فہرست کی یہاں گنجائش نہیں۔[1]

آپ اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے برادر نسبتی (بہنوئی) حضرت علامہ الحاج مفتی محمد محمود احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی اور آپ نے بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا ہزارہا طالبان حق آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ الحمد للہ روحانی سلسلہ میں فی الوقت آپ کے ۲۵ سے زائد خلفاء بھی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کے روحانی مقامات کا حال تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ البتہ آپ کے مریدین بکثرت ہونے کے باوجود، بڑے مہذب، تربیت یافتہ، عبادت گزار اور متقی ہیں۔ دوسرے مشائخ بھی آپ کی تربیت کے مداح ہیں۔ شریعت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ شیخ المشائخ ہو کر بھی آپ ہر اعلیٰ و ادنیٰ پر شفیق ہیں اپنے پرائے سب ہی آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔

۱۔ ادارۂ مسعودیہ نے ایک فہرست کتابی صورت میں شائع کر دی ہے۔ مظہری

ساتویں صاحبزادے:

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد سجادہ نشین درگاہ مقدسہ خواجہ باقی اللہ رضی اللہ عنہ دہلی حضرت علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے اور محبوب صاحبزادے تھے۔قرآن کریم اور ابتدائی اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حضرت والد مکرم سے حاصل کی۔ مدرسہ عالیہ میں دینی علوم کے لیے داخل ہوگئے۔ ٹائیفائڈ ہوگیا تھا بہت کم زور ہوگئے تھے تعلیم رک گئی۔ پھر آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل پاس کیا۔ جے پور سے طب یونانی کی سند حاصل کی اور کلکتہ سے ہومیو پیتھی کی ڈگری لی اور رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹیشنر کی حیثیت سے باقاعدہ مطب فرماتے تھے۔ زیادہ شغف ہومیو پیتھی میں تھا طب یونانی کا نسخہ بھی لکھتے تھے۔مولانا موصوف نہایت نازک اندام، خوش پوش، خوش اخلاق تھے اپنے حضرت والد محترم سے بیعت ہوئے اور برادر بزرگ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سے خلافت پائی۔ بیعت فرماتے تھے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی قبولیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ان کو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیخ حضرت خواجہ باقی اللہ رضی اللہ عنہ کی درگاہ مقدسہ میں سجادہ نشینی سپرد ہوگئی۔

و ربک یخلق مایشاء و یختار

ترجمہ: اور آپ کا رب جس کو چاہے پیدا فرما دیتا ہے اور جس کو چاہے منتخب فرمالیتا ہے۔''

حضرات صاحبزادگان عالی شان کا نہایت مختصر تعارف پیش کیا گیا۔اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ کس شان کا تربیت دینے والا اور کیسی عظیم الشان فقید المثال تربیت ہوگی۔ اس دور میں ایسی نظیر ملنا ناممکن ہے الحمدللہ ان صاحبزادگان اور صاحبزادیوں نے بھی اپنی اولادوں کی عمدہ تربیت فرمائی اور مسلسل آبدار ہیرے تراش رہے ہیں، تربیت پانے والے بھی کس قدر باصلاحیت ہیں۔ الحمدللہ

منت بے بدل

در مدح حضرت مولانا مفتی اعظم الحاج محمد مظہر اللہ دامت برکاتہم العالیہ

وفرزند نسبتی کلاں حضرت علامہ الحاج مفتی محمد محمود الوری

پیش کردہ: - قاضی محمد حمایت اللہ پرنسپل دانش کدہ کراچی ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

اے اظہر زروئے شمس و قمر — دے کہ خاکت بمشتری ہمسر

منقلب کرد جنبش نظرت — بخت واژگوں بقسمت یاور

حضرت الحاج مفتی محمود — نقشبندی و قادری زالور

واعظ و عالم اجل در عہد — عارف و در راہ معرفت رہبر

سوئے ہندوستان بصد اصرار — چاردہ سال پس نمود سفر

تحفہ آورد بہر تشنہ لباں — لِلّٰہ الحمد حضرت مظہر

ظل دائم بماند بر سرما — ''منت بے بدل'' نہا دہ بسر

فرزند نسبتی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرزند نسبتی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بہت محبت تھی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی بڑی قدر فرماتے تھے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے گھر میں بھی یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ الحمد اللہ (یہ سنت بھی بحسن وخوبی ادا ہوگئی)

حضرت علامہ الحاج مفتی محمد محمود شاہ صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی اعظم کے بڑے فرزند نسبتی تھے حضرت علیہ الرحمہ کو ان سے والہانہ محبت تھی اور ایسی ہی محبت حضرت علامہ مفتی محمود صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو حضرت علیہ الرحمۃ سے تھی۔ چند اقتباسات سے ان حضرات کے قلبی لگاؤ کا انداز ہوسکتا ہے۔

۱۔ بزم ارباب طریقت کی صدارت کا مسئلہ اٹھا تو اپنے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود (رحمۃ اللہ علیہ) کی صدارت کی تصدیق فرمائی اور اپنے فرزندِ اکبرو خلیفہ حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد شاہ صاحب مفتی اعظم پاکستان سے فرزند نسبتی کو افضل قرار دیا۔ ''مولوی مظفر احمد قائم مقام صدر بنا منظور کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ اول تو وہ ایسے کے قائم مقام نہ ہوں گے جو ان سے افضل نہ ہو''۔

۲۔ ایک مرید نے حیدرآباد میں مستقل قیام کی منظوری چاہی چونکہ علامہ مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد میں رہتے تھے اس نسبت سے فرمایا۔ ان کے شہر میں بسنا مبارک! '' حیدرآباد میں تمہارا رہنا بھی مبارک ہو وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے مولوی محمد محمود سلمہم کی خدمت میں بھی حاضر رہیں گے۔ مولیٰ تعالیٰ تمہیں وہیں تجارت

میں نفع عطا فرمائے۔ مولوی محمد محمود سے ملنا ہو تو ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو سلام کہہ دیں۔''

۳۔ محبوب کی علالت کی خبر کا اثر:۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا: تمہاری علالت کی خبر کیا ہوتی ہے کہ قلب ضعیف سے رہی سہی قوت بھی کھو دیتی ہے جس کی وجہ سے کسی عضو میں قوت نہیں رہتی ہر عضو میں درد پیدا ہو جاتا ہے اب شاید صحت کی خبر کچھ مداوئی کر سکے تو اپنی صحت مزاج کی اطلاع دلائیں----

۴۔ کل جب سے آپ کے خط کا مطالعہ کیا ہے ایک دم فرق محسوس کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ سے سرفراز فرمائے کہ وہ میرے لئے باعث صحت ہے۔

۵۔ سلام شوق:۔ الزکی المخلص العزیز الشہیر سلمہم الرب القدیر وہو ن علیہ کل امر عسیر

سلامٌ سلامٌ سلامٌ سلامٌ

لمحمود ''عارف ''بہائے انامُ

میرا کتب خانہ تمہارا ہی ہے۔ اگر آپ آجائیں تو اپنی پسند کی کتابیں لے جائیں بلکہ جو کتب خانہ میں نہ ہوگی اس کو خرید دیا جائے گا آپ ہرگز فکر نہ کریں۔

۶۔ موصیٰ اولیٰ:۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے حضرت مفتی صاحب کو ہی موصیٰ اولیٰ قرار دیدیا تھا۔ آپ تو سرگرم محفلوں میں مسرور رہتے ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ محبت کا مارا مر رہا ہے میں وصیت نامہ میں موصیٰ الیہ جناب کو لکھ رہا ہوں اپنے حصہ کی کتابیں کوئی نہ چھوڑیں سب لے لیں۔ (ایک اور مکتوب میں بھی موصیٰ اولیٰ قرار دیا ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں'' اس تعلق کا مظاہرہ ملاحظہ ہو۔

۷۔ جو لوگ فقیر سے بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ اگر ایسا کریں کہ حیدرآباد میں مولوی محمد محمود صاحب محلّہ ہیرآباد میں رہتے ہیں ان سے بیعت ہو جائیں ان سے بیعت ہونا مجھ سے بیعت ہونا ہے[1]۔

۸۔ ''حضرت مفتی مظہراللہ رحمتہ اللہ اپنے مکتوب بنام عبدالحفیظ تحریر فرماتے ہیں۔''مولوی محمد محمود سلمہم نے صحیح لکھا ہے بے شک ان لوگوں کو اس خیال سے اعراض کر کے مولوی محمد محمود سلمہم سے معافی طلب کرنی چاہیئے کہ اصل میں یہ قصور ان ہی کا ہے اور اس کے بعد میرا۔ ان کی معافی میری طرف سے بھی معافی ہے۔

۹۔ اور ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جو بھی صاحب نقش کی اجازت کے خواہاں ہیں وہ عزیزم مولوی محمد محمود سلمہم کی طرف رجوع کریں۔''

۱۰۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کو پاکستان لانے کے لئے تمام کوششیں حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کی ہی تھیں اور پھر وہی ہر وقت حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ رہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو ان کے بغیر ایک لمحہ چین نہیں آتا تھا تمام ملاقاتیں، ضیافتیں منظور کرنا ہر جگہ آنا جانا سب حضرت علامہ مفتی محمد محمود علیہ الرحمہ کے اختیار اور انتظام میں تھا اگر کوئی حضرت سے کچھ وقت طلب کرتا یا دعوت کرتا تو حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ''ان سے پوچھو''۔

۱۔ اگرچہ پاکستان میں حضرت علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور دوسرے خلفاء و سفراء موجود تھے لیکن بیعت کے لیے حضرت مفتی صاحب کے پاس بھیجتے تھے۔ مظہری

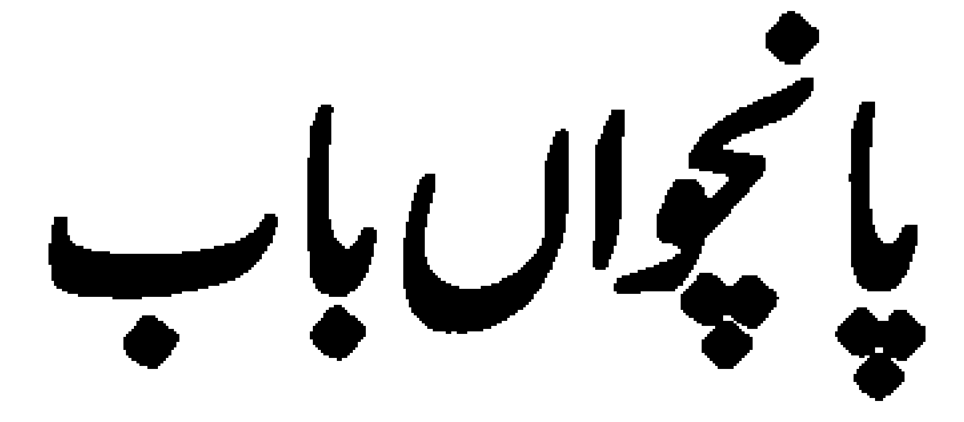
دوسرے فرزند نسبتی:

حضرت مولانا اور حضرت مولانا الحاج قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی ہیں عاشق رسول اور صاحب استقامت تھے، حضرت کو ان سے بھی محبت تھی لیکن ان کے لئے اصلاح احوال کی صورت میں بھی محبت کا ظہور ہوتا تھا۔

عزیز من! تم راضی ہو یا ناراض ہو ہم نصیحت سے کبھی نہ چوکیں گے کہ تقاضائے محبت ہے جب تک آپ یہ دیکھیں کہ نصیحت کر رہا ہے سمجھیں کہ یہ محبت کا اثر ہے اور نصیحت موقوف کردوں تو سمجھ لینا میں ناراض ہوگیا۔ پھر وہی لکھتا ہوں کہ ابھی تیزی مزاج میں فرق نہیں آیا اس کی طرف توجہ کریں اور اپنی زندگی میں یہ دیکھ لوں کہ تمہارے اندر درویشانہ صفت پائیداری کے ساتھ قائم ہو چکی ہے۔

کتابیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تم اس کو مطالعہ میں رکھو تاکہ علم میں ترقی ہو اگر اس طرف توجہ نہ کی تو رنج ہوگا۔ پھر مکرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے کہیں خاک بنو کہیں شیر و شکر ---- غرض وہ طریقہ اختیار کریں کہ ہر طرف سے آپ کی تعریف میرے کان میں آئے۔

دیگر فرزندان نسبتی پر بھی بہت شفقت فرماتے تھے لیکن تحریری حوالے میسر نہ ہو سکے۔ ایک فرزند نسبتی مولوی شفیق احمد علیہ الرحمہ دہلی کے علماء کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے، دوسرے فرزند نسبتی الحاج عبدالخالق نقشبندی مظہری علیہ الرحمہ بھی دہلی کے علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ تیسرے فرزند نسبتی ڈاکٹر مرزا فریدالدین بیگ نقشبندی مظہری ہیں۔ چوتھے فرزند نسبتی مولانا عبدالعزیز صدیقی نقشبندی ہیں اور پانچویں فرزند نسبتی جناب محمد نسیم خاں نقشبندی ہیں۔ الحمدللہ تمام فرزندان نسبتی دیندار، صحیح العقیدہ اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔



پانچواں باب



رُخ کی بہار

بحضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مظہر اللہ خطیب و امام شاہی مسجد فتح پوری دہلی

بسا ہوا ہے وہ حسن عذار آنکھوں میں
نہیں سمائے گی گل کی بہار آنکھوں میں

تمہاری دید کی ہے منتظر نظر ہر دم
نگاہ شوق سے پر انتظار آنکھوں میں

وہ اپنا جلوہ دکھائیں گے صاف محشر میں
نگاہوں رہنا ذرا ہوشیار آنکھوں میں

کبھی تو اس رُخ رنگین کا ہو نظر میں گزر
کبھی تو پھول اُٹھے یہ بہار آنکھوں میں

خدا نے ان کو عطا کی وہ وسعتِ نظری
ہر ایک شے کا ہے نقش و نگار آنکھوں میں

کہاں یہ تاب کہ دیکھے نگاہ بھر کے نظر
بھرا ہوا ہے یہ رُخ کا وقار آنکھوں میں

جناب مولوی شیخ مظہر اللہ شاہ
انہی کے دم کی ہے سب یہ بہار آنکھوں میں

ہمارے آپ کے فرزند سب رہیں خوشحال
سدا رہے یہ چمن پر بہار آنکھوں میں

یہ فیض ذکرِ نبی کا اثر ہوا حافظؔ
کہ خار بھی یہاں پر بہار آنکھوں میں

بہ شکریہ ماہنامہ ''الاسلام'' مجدد نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلیہ مبارک کا بیان

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ربعتہ ولیس بالطویل ولا بالقصیر حسن الجسم

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا یعنی نہ تو دراز قامت تھے اور نہ ہی پست قد (ٹھگنے) اور جسم حسین تھا۔

مرکز تجلیات الہیہ منبع فیوضات لامتناہیہ حضور نور مجسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حلیہ بیان کرنا صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی محبوب سنت ہے۔ بعض وارفتگان جمال جہاں آراء صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت بلاغت اور وضاحت سے بیان کرنے میں خصوصی امتیاز حاصل کرلیا تھا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہ الکریم سے بھی اس عنوان کے تحت طویل اور بلیغ احادیث منقول ہیں۔ کیوں نہ ہوں؟

لذیذ تر بود حکایتے دراز تر گفتم

اوران کے نور العین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس راز کا انکشاف بھی فرمایا کہ جان جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بے مثال کا ذکر شریف نہ صرف عشاق کے دلوں کا چین ہے بلکہ تعلق میں گہرائی اور نتیجتاً قرب اور فیضان میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔

امام عالی مقام جو حضور علیہ التحیہ والسلام کے محبوب نواسہ اور شانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے سوار بھی ہیں۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں کا مرکز اور قوی ترین ظاہری و باطنی تعلق سے سرفراز بھی ہیں۔ نانا جان کا حلیہ شریفہ تو ان کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا...... قلب و روح پر چھایا ہوا تھا...... ان کی خوشبوؤں کو بھی دل میں بسایا ہوا تھا پھر بھی ان کی تمنا کیا تھی؟ کہ جو سب سے دل کش انداز میں میرے نانا جان کے

اوصاف بیان کرے اسی سے سنوں اور اپنی نسبت کو قوی تر کرلوں!

آ یئے امام ہمام امیرالمومنین حسن رضی اللہ عنہ کے الفاظ کی برکتیں سمیٹتے چلیں...... شمائل ترمذی شریف میں ہے۔

''عن الحسن بن علی قال سئلت خالی هند ابن ابی هاله وكان و صافا عن حليه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و انا اشتهی ان یصف لی منها شیا اتعلق به۔''

ترجمہ: (جناب امام) حسن رضی اللہ عنہ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ھند بن ابی ہالہ سے (جو حضور سید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بہت زیادہ دل کش انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے) فرمائش کی کہ وہ میری خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف سے کچھ بیان فرما دیں تا کہ اس سے میرا تعلق (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے) قوی ہو سکے۔''

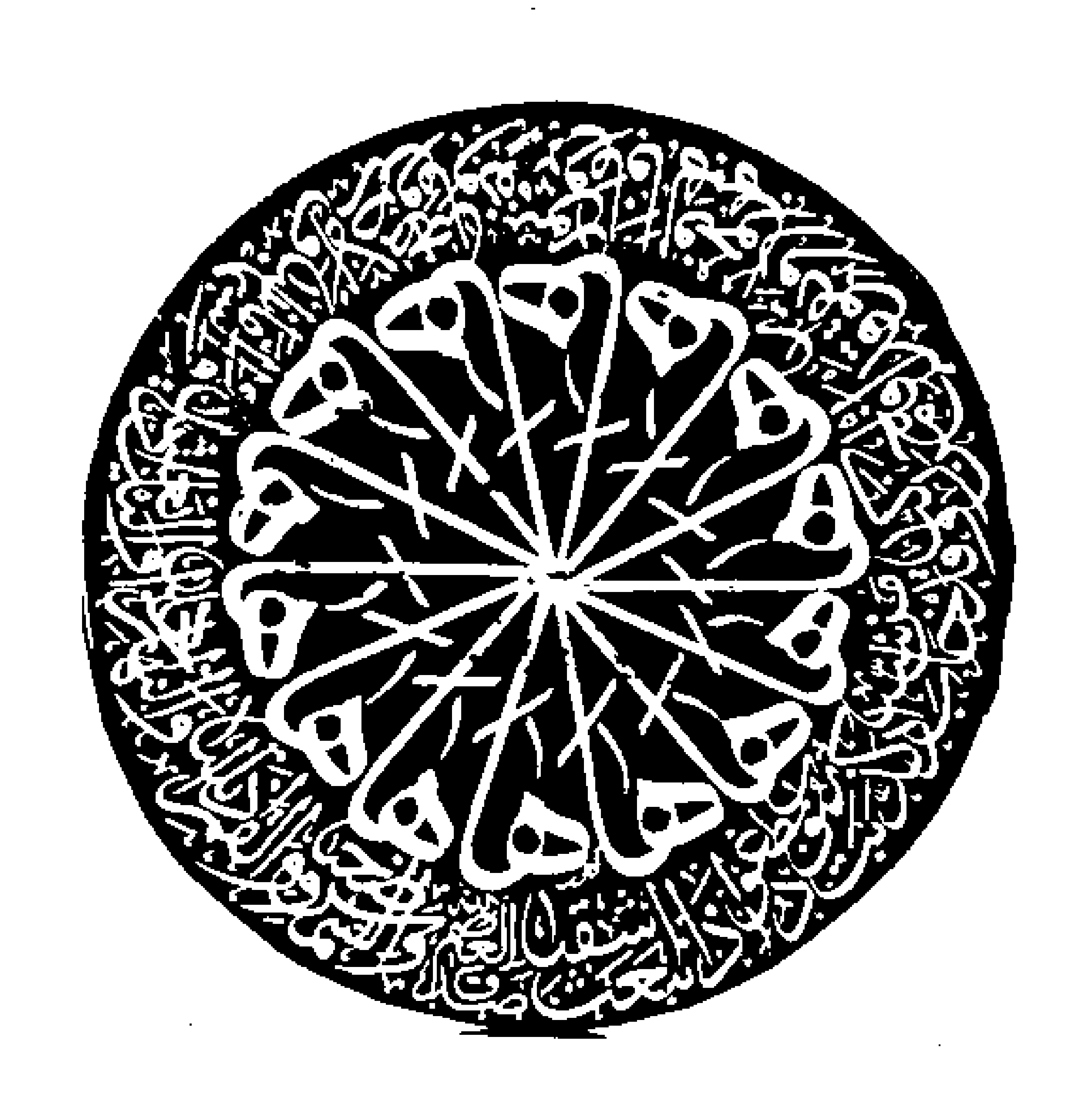
اللہ اکبر یہ اس عظیم المرتبہ ہستی کی آرزو ہے جو صورتاً بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر فیض یافتہ ہو کہ ہم شکل نبی کہلائے اور سیرت میں انہی کی تربیت کا شاہکار ہو، اس سے یہ بات تو اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ علمار بانی جو انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور صالحین وابرار، کاملین واخیار جو انبیاء کے نائب ہوتے ہیں ان کے حلیہ کا تفصیلی ذکر بھی محمود مستحسن اور فیض کا باعث ہوتا ہے- ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ''حسن ظاہر حسن باطنی پر دلالت کرتا ہے۔'' یا یوں کہہ لیجئے'' ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے۔'' انگریزی کا مشہور مقولہ Face is an index of mind بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اسی لیے کسی شخصیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اگر اس کے خدوخال بھی سامنے ہوں تو مفید اور دلچسپ رہتا ہے۔

اس ذکر سے ان حضرات کو بڑی فرحت ہوگی جنہیں حضرت قبلہ عالم علیہ الرحمہ کی زیارت کیے عرصہ گزر چکا ان کی یادوں پر سے وقت کے دھندلے سائے چھٹ جائیں

گے اور وہ دلکش نقوش ذہنوں میں پھر اُبھر آئیں گے یا جنہوں نے زیارت نہیں کی۔ رُخ روشن کے تصور سے ان کے دل روشن ہوں گے۔ دماغ روشن ہوں گے۔ زندگیاں روشن ہو جائیں گی۔ وہ تصور میں آ گئے تو سب سے رُخ پھیر کر اسی طرف پروانہ وار بڑھیں گے۔

رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ کہتے ہیں

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر آتا ہے پروانہ



نقوشِ دل ربا:

یبین نور الدجیٰ عن نور طلعتہ
کالشمس ینجاب من اشراقھا اظلم

(ان کی پیشانی کی چمک سے ظلمتیں دُور ہوتی ہیں۔ جس طرح طلوعِ آفتاب سے اندھیریاں چھٹ جاتی ہیں)

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا سرِ اقدس بڑا موزوں تھا۔ پیشانی مبارکہ روشن اور کشادہ تھی۔ اس پر شکنیں یا جھریاں نام کو بھی نہیں تھیں۔ چہرہ کتابی تھا۔ رنگ گندم گوں مائل بہ سرخی۔ پھبن قیامت زا۔ رخسار نور کے چھلکتے پیمانے۔ بھنویں ہلالی۔ روشن آنکھیں۔ ستواں ناک۔ باریک ہونٹ۔ درمیانہ دہانہ۔ دانت چمکیلے۔ گردن پتلی۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ بھنوؤں میں چند بال سفید نظر آتے تھے لیکن پلکیں سیاہ تھیں۔ داڑھی کے بال بھرے بھرے لیکن نہ اتنے گھنے کہ الجھیں۔ وضع مائل بہ درازی یعنی گول نہ تھی چہرہ کی مناسبت سے سنت کے عین مطابق۔ لبوں پر باریک مشین پھری ہوئی۔ قوسین کھلے ہوئے۔ ہر جمعہ کو صبح حافظ عبدالسلام[1] صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے مکان شریف پر حاضر ہو کر بالوں کی خدمت کرتے۔

شانہ مبارک سیدھے رہتے۔ نہ غرور سے تنے ہوئے نہ یاس سے جھکے ہوئے۔ بازو مضبوط کلائی کی ہڈی چوڑی۔ ہاتھ لمبے۔ ہتھیلی ملائم۔ انگلیاں پتلی پتلی نوکدار نفاست کا معیار۔ ناخن مائل بہ درازی ہمیشہ سرِ قلم۔

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

---

[1] ۔ حافظ عبدالسلام بڑے دیندار اور باشرع حجام تھے اور حضرت علیہ الرحمہ کے بال تراشنے کے لیے ہر جمعہ کو صبح مکان شریف پر حاضر ہوتے تھے۔ بہت ادب کرتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کا فیضِ نظر تھا کہ حافظ صاحب کسی کا شیو نہیں بناتے تھے، ہاں! داڑھی کی خدمت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے۔ مظہری

سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا۔ مردانہ حسن کا قرینہ۔ سور ماؤں کا چوڑا سینہ دراصل علوم و معارف کا خزینہ۔ عشق رسول کا گنجینہ اور اسرار الٰہی کا دفینہ تھا۔ زہد سے پیٹ اندر کی طرف کھچا ہوا۔ کمر شیر کی سی کشیدہ، نچلا حصہ کم گوشت اور ہلکا تھا۔

یہ عمر کا آخری دور تھا۔ پیرانہ سالی میں یہ عالم تھا کہ روئے انور پر نگاہ ٹھیرتی نہ تھی اور بن دیکھے دل مانتا نہ تھا۔ ان کو سب ہی دیکھتے تھے مگر دزدیدہ، دزدیدہ۔ پھر جب ان کی نظریں اُٹھتیں تو:

ناوک انداز جدھر دیدہ جاناں ہوں گے
نیم بسمل ہوں گے کئی، کئی نیم جاں ہوں گے

شباب کا عالم کیا ہوگا؟ یہ ان کے کشتگان جمال دل افروز سے سننا چاہئے جنہوں نے تمام عمر ان ہی کو دیکھا...... بہت قریب سے دیکھا...... جی بھر کے دیکھا...... ان ہی میں حضرت علامہ پروفیسر اخلاق حسین دہلوی ہیں۔ جو اس طرح اپنے مشاہدات کو یادگار بنا گئے۔

> ''گندمی رنگ، میانہ قد، چھریرا بدن، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، موزوں آنکھیں، متوسط دہانہ، دانت چمکیلے، انگلیاں درمیانی نازک اور گاؤدم، سینہ فراخ، داڑھی بھرواں رفتار میں میانہ روی اور استقامت نمایاں رہتی۔ جوانی میں جسم کسی قدر گداز اور سجیلا تھا، رخسار بھرے بھرے مگر اب ضعیفی کے باعث جسم لاغر نحیف ہے۔ جیسے کوئی ہڈیوں کی مالا۔ سنجیدگی اور متانت، ذہانت اور نورانیت روز افزوں ہے بلکہ اب تو عالم یہ ہے گویا نور کی خیالی تصویر ہیں مادیت نام کو بھی نہیں۔''

اس بیان میں مبالغہ کی گنجائش نہیں کیوں کہ حضرت علامہ کا یہ مقالہ حضرت علیہ الرحمہ

کی حیات میں چھپا تھا اور حضرت نے یقیناً پڑھا ہوگا اگر کوئی مبالغہ ہوتا تو حضرت علیہ الرحمہ علامہ موصوف کی گرفت فرماتے اور رسالے کے قارئین حضرات علیہ الرحمہ کے بارے میں ذرا سی غلط بیانی برداشت نہ کرتے۔ یوں بھی حضرت علامہ پروفیسر سید اخلاق حسین متقی اور عالم دین تھے، مشہور ماہر تعلیم، محقق اور ادیب تھے۔

جناب غلام قادر خاں صاحب مجددی نقشبندی دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا:

''آپ نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں کتنی خوبصورت تھیں۔ ان ہی آنکھوں کے اشارے سے مخلوق خدا کی تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں۔ ایسی شانیں اب کہاں نظر آتی ہیں۔''

برادر طریقت محترم عزیز الدین صاحب مظہری نقشبندی کے دیدہ بینا نے آنکھوں اور پیشانی میں نور کی لہریں دیکھیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''جی چاہتا ہے کہ یہ محفل جاری رہے اور حضرت قبلہ کی یہ نورانی صورت دیکھتا رہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسی خوبصورت صورت میں نے نہیں دیکھی۔ نورانی لہریں آپ کی پیشانی (سے) اور آنکھوں سے نورانی چمک کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ایسا حسین مرد میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا آپ یوسف ثانی تھے۔'' (حسن ذات محض عطائے ربانی ہے جو اپنے یوسف کو حسن بے مثال دے سکتا ہے۔ وہی اپنے مظہر کو یوسف دوراں بنا سکتا ہے۔)

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

وجاہت:

وجاہت، جاذبیت اور دلکشی...... شخصیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے بڑے خوب صورت انعام ہیں۔ کسی ہادی، کسی رہبر اور پیشوا کے لیے یہ بڑے اثاثے ہیں۔ لوگوں کو قریب لانے میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔ ان کے چہرے کی معصومیت ان کے بے داغ کردار کی ترجمان ہوتی ہے۔ ان کا ستھرا لباس ان کی طبیعت کی نفاست کا مظہر ہوتا ہے۔ ان کی عادت و اخلاق ان کی شرافت کی دلیل ہیں۔ ان کی رفتار و گفتار، تہذیب نفس کی مشیر اور ان کے رکھ رکھاؤ سے ان کے شعور کا ظہور ہوتا ہے۔ ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے شخصیت کا مطالعہ تشنہ رہ جاتا ہے۔

اس جہت سے قریب ہوں تو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی شخصیت میں دلکشی بڑی سحر انگیز نظر آتی ہے۔ یہاں شوکت خلیلی بھی نمایاں تھی۔ جلال موسوی کی تابانی تھی۔ حسن یوسف کے جلوے تھے۔ جمال مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھرپور فیض ملا تھا۔ سنتوں کے انوار برس رہے تھے۔ لباس کے انتخاب۔ ظاہری رکھ رکھاؤ اور سلیقہ مندی نے ان قدرتی انعامات میں وجاہت اور شوکت میں چار چاند لگا دیے تھے۔

البسو البیاض فانھا اطھر و اطیب (الحدیث)

سفید کپڑے پہنا کرو کیوں کہ یہ زیادہ ستھرے اور پاک رہتے ہیں۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے ہمیشہ سفید لباس زیب تن فرمایا۔ اُجلا اُجلا، ستھرا ستھرا، باوقار کیوں نہ ہو۔ سفید لباس کے لیے اطیب النّاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش نظر تھا۔

سر انور پر عمامہ ذوالکرمہ حضرت کو بہت محبوب تھا۔ نماز میں اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے گھر میں ہوں یا حجرہ میں عموماً سفید جالی دار بنی ہوئی ٹوپی زیب سر فرماتے۔ ململ کا کرتہ، بنیان اور لٹھے کا شرعی پاجامہ۔ صرف ۴ کپڑے۔ عمامہ ہلکے بادامی رنگ کا

تھا۔ یہی الوری صافہ کہلاتا تھا اور اعلیٰ حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب الوری قدس سرہ ایسا ہی صافہ زیب سر فرماتے تھے اور جب حجرہ میں دونوں بزرگ ایک رنگ اور ایک طرز کا صافہ پہنے قریب قریب بیٹھتے تو وہ منظر دیدنی ہوتا۔ محبت کی یک رنگی۔ شخصیت کا جمال۔ کردار کی عظمت۔ علم کا جلال۔ اللہ کا نور برستا تھا۔ ہر رنگ ان پر کھلتا تھا۔

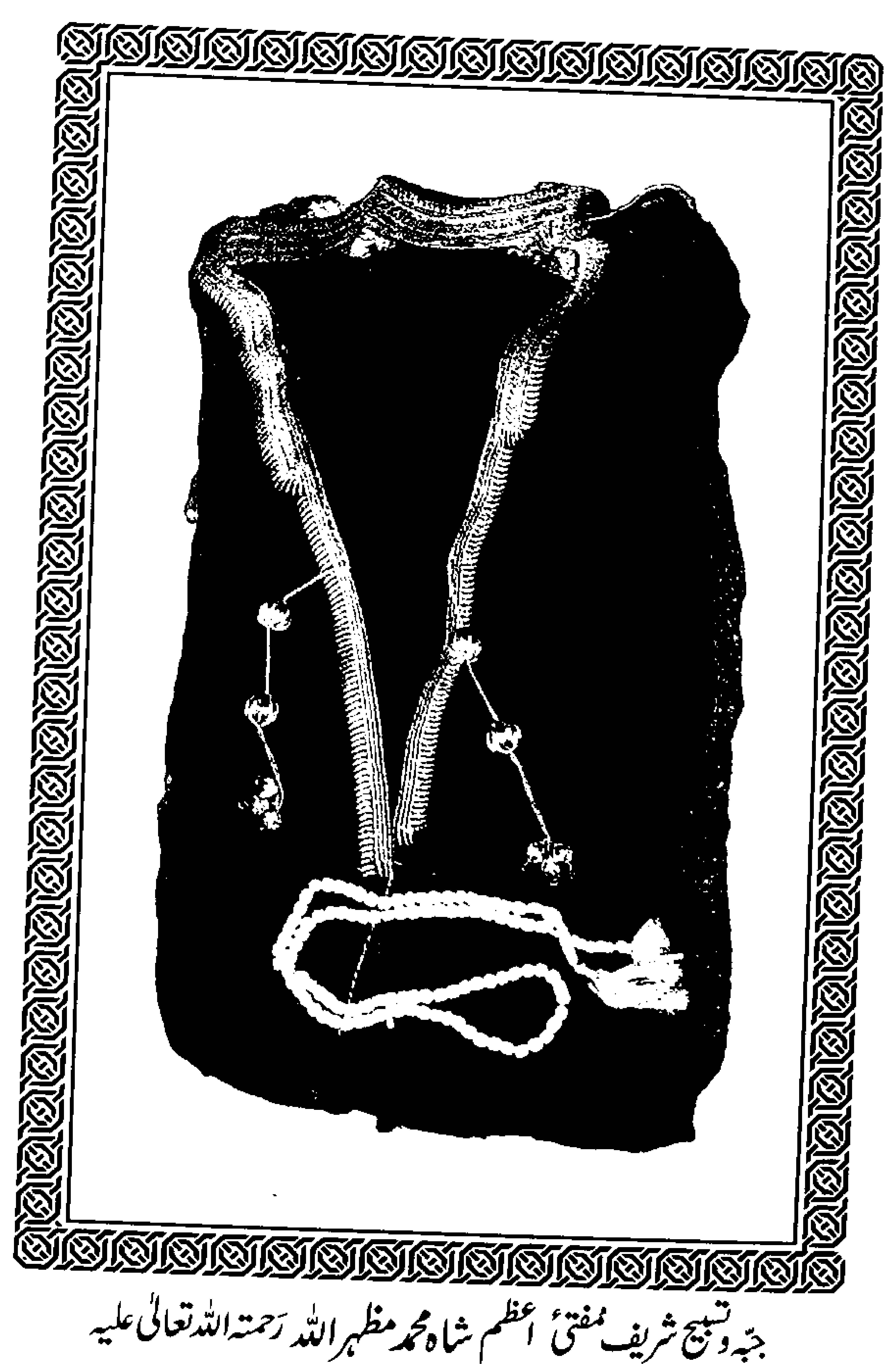
اللہ رے جامہ زیب تری جامہ زیبیاں ۔ زیبیاں
پہنا جو تو نے رنگ وہی رنگ کھل گیا

موسم سرما کی شدت میں گرم لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔ گرم شیروانی کا کپڑا دھاری دار تھا کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگین دھاری دار کپڑے کو شرف بخشا تھا۔ سنا ہے جوانی میں واسکٹ بھی پہنی۔ جمعہ اور عیدین کی خطابت و امامت کے وقت چوغہ بھی پہنتے تھے۔ لباس کے معاملے میں بھی حضرت نے ہمیشہ وضع داری کو نبھایا۔ حضرت علیہ الرحمہ کو ان کی جوانی سے آخر ایام تک دیکھنے والے حضرت پروفیسر علامہ اخلاق حسین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ۔ نہ بہت قیمتی نہ بہت ارزاں۔ تکلف اور تصنع نام کو نہیں۔ نیچا کرتہ۔ شرعی پاجامہ۔ کبھی عمامہ اور کبھی دلی کی گول کشیدہ کاری کی ٹوپی زیب سر فرماتے ہیں۔ امامت اور خطابت کے موقعہ پر چوغہ بھی استعمال فرماتے ہیں لیکن مجالس میں عموماً شیروانی پہن کر تشریف لے جاتے ہیں۔ سخت گرمی ہو تو شیروانی کی بھی پابندی نہیں۔ غرض کہ آپ سادہ وضع رہتے ہیں۔''

انتہائی سخت سردی کے موسم میں آپ نے موزے بھی استعمال کیے۔ اتباع سنت کے طور پر ان کا رنگ سیاہ پسند کیا۔

راقم الحروف نے حضرت قبلہ کو ایک بار سیاہ چوغہ پہنے دیکھا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب



جبہ و تسبیح شریف مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نائب امام صاحب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی تھی۔ جب نماز ختم ہوئی تو ہزاروں کا مجمع حضرت کی طرف بڑھ رہا تھا اور حضرت کے قدم آہستہ آہستہ حجرہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کچھ لوگ اونچی جگہوں سے ''عید نظارہ'' کا لطف اُٹھا رہے تھے۔ کچھ قریب پہنچنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا چہرہ چمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ قربان ہو رہی تھی۔ سفید لباس پر سیاہ قبا ایسی سج گئی کہ دیکھا کیجئے۔

انوار کا منبع ہے وہ ظلمات جہاں میں

کاندھوں پر جو شب رنگ ضیاء بار عبا ہے

حضرت قبلہ کے داہنے ہاتھ کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی بہت ہلکی اور سادہ سی۔ اس میں دانہ فرہنگ جڑا ہوا تھا۔ سبز رنگ کا پتھر جس پر گردہ کا نشان قدرتی طور پر بنا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت علیہ الرحمہ کو درد گردہ کا عارضہ تھا اس کے لیے اس پتھر کو بطور علاج مفید قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت ہمیشہ سے ایک ہی قسم کی جوتیاں پہنا کرتے تھے۔ بڑی ہلکی پھلکی زرد سلیم شاہی جوتی۔ جو اس دور کے علماء و مشائخ ائمہ و دیندار شخصیتوں میں مقبول تھی۔ معززین شہر شرفا اور وہ جو انگریزی تہذیب کے مقابلے میں مغلیہ تہذیب کو ترجیح دیتے تھے وہ سب استعمال کرتے تھے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی شخصیت میں وضع داری غالب تھی۔ خصوصاً مغلیہ دور کے آخر میں اس خیال کو بڑا عروج رہا۔ وضع داری کردار کی پختگی کی علامت تھی۔ شرافت کا نشان، شخصیت کی پہچان تھی اور وفا کا اعلان تھی۔

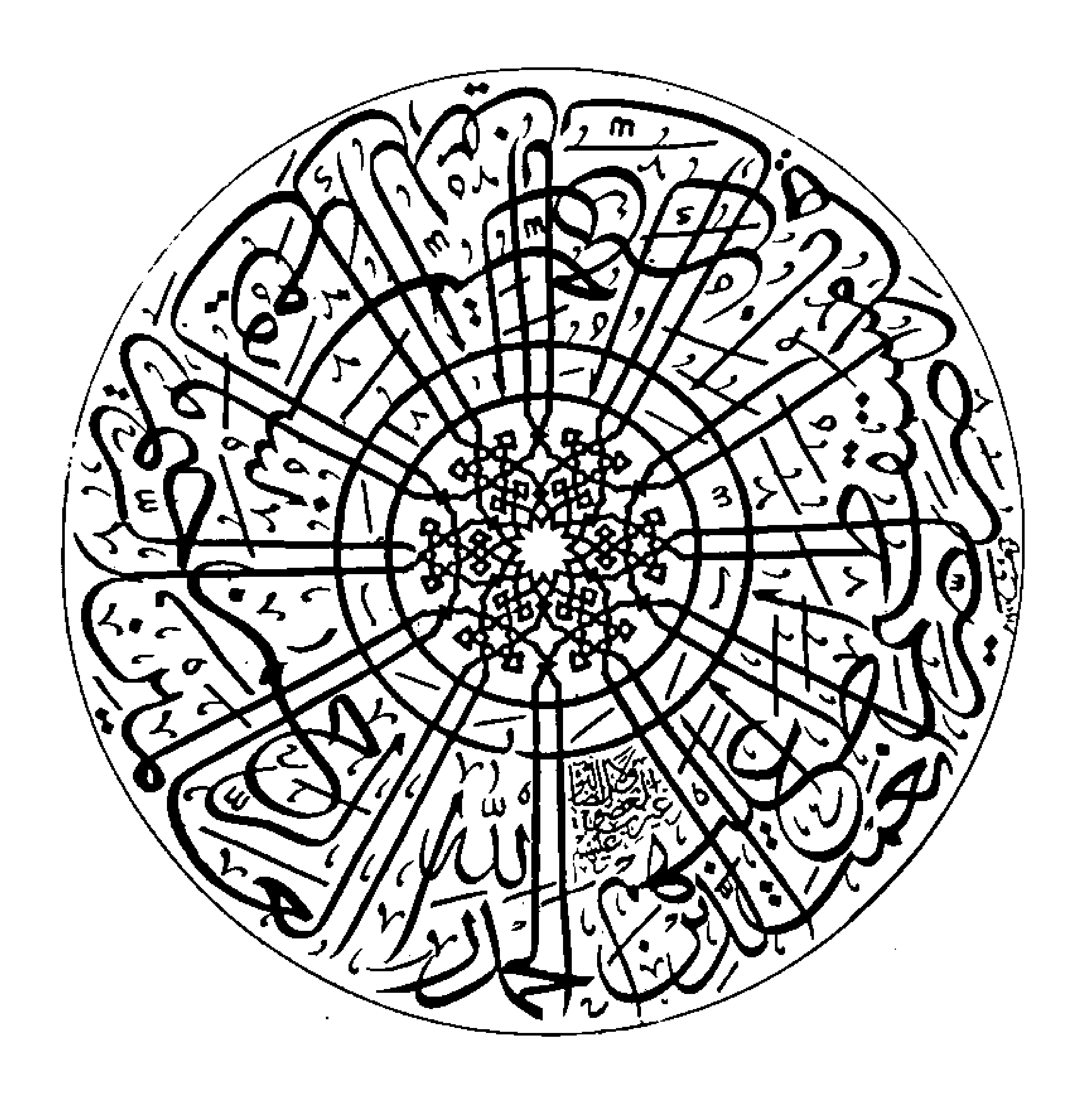
وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑھو برہمن کو

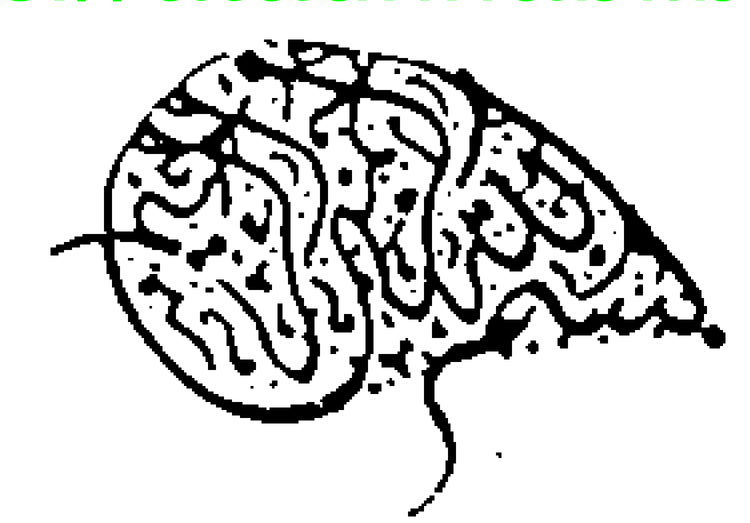
غالب

راقم الحروف نے جب حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا۔ اس وقت ممدوح کی عمر شریف تقریباً ۷۰ سال تھی۔ اول تو عام آدمی اس عمر تک کم ہی پہنچ پاتے ہیں اور جو پہنچ ہی جاتے ہیں۔ ان کا حسن، رعنائی، توانائی سب ہی تقریباً ساتھ چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ بس ایک کملایا ہوا پھول رہ جاتا ہے۔ جس کی پتیاں ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے بکھر جاتی ہیں۔ نہ کوئی وجاہت نہ کشش اس کی ذات میں کسی کو دلچسپی نہیں رہتی مگر یہاں تو رنگ ڈھنگ نرالا ہی تھا۔ نہ چہرہ انور پر جھریاں نہ جسم اطہر پر سلوٹیں نہ آواز میں لڑکھڑاہٹ نہ ثقل سماعت۔ نہ جسم پر تھکن نہ کسی پر غصہ نہ کسی سے کڑھن...... وہ سراپا چمن...... خدمت دین کی لگن اور اللہ کی رضا میں مگن رہتے تھے...... انگ انگ سے نور کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ رواں رواں عشق الٰہی سے سرشار تھا۔ کئی لوگوں نے خلوت میں حجرے شریف میں نور پھوٹتا ہوا دیکھا اور حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے جسم اطہر کی وہ نورانی کیفیت کہ بیان ممکن نہیں۔






چھٹا باب



خضرِ راہ

خسرو مُلکِ فضیلت ، مفتیٔ ہندوستاں
خضرِ راہِ علم و عرفاں، رہنمائے عارفاں

حضرتِ مسعود کی تھے جو مقدس یادگار
فخرِ ملت ، فخرِ دیں، سرمایۂ اہلِ جہاں

نائبِ شیخِ مجدِّد ، وارثِ علمِ نبی
وہ امامِ اہلسنت ، شیخِ کُل ، قطبِ زماں

واقفِ علمِ شریعت ، عارفِ رازِ خفی
تھے علومِ معرفت کے ایک بحرِ بے کراں

خوش خیال و خوش خصال و خوش مقال و خوش جمال
مصطفیٰ کا عشق ہی تھا آپ کی روحِ رواں

دشمنانِ مصطفیٰ سے وہ کنارہ کش رہے
دینِ برحق کے ادھر ہر دم رہے وہ پاسباں

ترجمانِ اہلسنت کون ہے اُن کی طرح
دورِ حاضر میں یقیناً آپ تھے حق کا نشاں

اس قدر مقبولیت پائی مِرے سرکار نے
دوست اور دشمن ہیں سب تعریف میں رطب اللساں

آپ کے ہاتھوں پہ توبہ کفر سے لاکھوں نے کی
ناریوں کو کر دکھایا عازمِ سوئے جناں

فتنۂ گاندھی ہو یا تحریک شُدھی سنگھٹن
ان پہ گرتے ہی رہے وہ صورتِ برقِ تپاں

پائے استقلال حضرت میں نہ لغزش آسکی
سخت سے بھی سخت تر آتے رہے پیشِ امتحاں

وقتِ آزادی ہوا بھارت میں جب خونی فساد
آپ اُس دم عزم کا ثابت ہوئے کوہِ گراں

تھے مئے طیبہ پلاتے نقشبندی جام سے
شیخِ سرہندی کے میخانے میں مثلِ خواجگاں

یا الٰہی وہ غلامِ مظہر اللہ کر مجھے
مرشدِ برحق رہے ہر وقت مجھ پر مہرباں

قافلہ تو سُوئے منزلِ جارہا ہے دم بدم
وائے اختر ہے نہاں ہم سے امیرِ کارواں

پیش کردہ: حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری مظہری رحمتہ اللہ تعالیٰ

صدر بازار، لاہور

جرأت ایمانی

الاان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷۲ نفوس تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ میدانِ کربلا میں چاروں طرف یزید کا لشکر جرار ان کو گھیرے ہوئے تھا مگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ پر خوف کا شائبہ بھی نہ تھا وہ اس آیتہً کریمہ کی تفسیر تھے۔ بے شک اللہ والوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے خوف، لالچ، مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں برصغیر پاک و ہند برطانوی تسلط سے آزاد ہوئے۔ اعلان آزادی ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد دارالخلافہ دہلی کے اطراف میں ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمان اقلیت پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں کا قتلِ عام ہورہا تھا ان کی املاک لوٹی جارہی تھیں، بے سروسامان ہوکر کچھ براہِ راست پاکستان جارہے تھے کچھ دہلی میں پناہ کے لئے آرہے تھے۔ اچانک دہلی میں کہرام مچ گیا۔ دہلی کے علاقہ پہاڑ گنج میں مسلمانوں کی گنجان آبادی تھی۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ بے خبر مسلمانوں کے خلاف کیا منصوبہ بن رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کے گھر جلنے لگے جو گھبرا کر گھر سے نکلے ان پر خنجر چلنے لگے۔ املاک تباہ کی جارہی تھیں۔ لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا - پناہ کی تلاش میں مسلمان نکل پڑے۔ راستہ بھر سفاک درندہ صفت سکھ اور ہندو پیچھا کرتے رہے۔ عجب بھیانک منظر تھا۔ ایک یہاں تڑپ رہا ہے دو وہاں ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ عورتوں کے کان کا زیور دیکھا۔ مانگنے کی کیا ضرورت خنجر سے کان ہی کاٹ لیا، ہاتھوں کو چوڑیاں اتارنے کی مہلت کیوں دیں تلوار ماری ہاتھ کٹ گیا اور چوڑیاں

گر گئیں جوان خوبصورت لڑکیاں چھین کر مالِ غنیمت کی طرح ڈھیر لگ رہے تھے۔ معصوم شیر خواروں کو ماں کی گود سے چھین کر اچھال دیا جاتا، جا بجا آگ جل رہی ہے زندہ بچوں، بوڑھوں کو آگ میں پھینک دیا جاتا۔ خون آلود تلواریں لہرا رہی تھیں جنہیں دیکھ کر چکر آ رہے تھے۔ قافلہ بڑھ رہا تھا اطلاع ملی فوراً فتح پوری مسجد کے دروازے کھول دیئے گئے حضرت علیہ الرحمہ بہ نفسِ نفیس مجاہدوں کی طرح ان کو سنبھالنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ غذا، دوا، مرہم پٹی۔ خون آلود لباس کے بدلے لباس، عورتوں کو اوڑھنے کے لئے چادریں غرض یہ کہ ہر ضرورت پوری کی جا رہی تھی۔ نہ کسی سے چندہ طلب کیا نہ امداد کی اپیل کی گئی سارا خرچ حضرت علیہ الرحمہ فرما رہے تھے۔ کسی کو دیتے نہ دیکھا کوئی دینے والا نظر نہ آیا:

جھولیاں بھر دی جاتیں ہیں دینے والا نظر نہیں آتا

حضرت علیہ الرحمہ مستقل ان مسلمانوں کی تیمارداری، مہمانداری اور دلداری میں لگے رہتے اپنے آرام کو بھول گئے تھے۔

جمعہ ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسجد میں پہلا بم پھٹا۔ بھگدڑ مچی۔ مگر کہاں جاتے، دروازے پر لشکرِ کفار ہتھیاروں سے لیس اور اندر نمازی سب نہتے۔ نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور سراپا عجز بن کر حاضر ہوتا ہے ہتھیار کے ساتھ نہیں آتا۔ بزدل اور کمینے ہتھیاروں کے بل پر نہتوں پر رعب جماتے ہیں۔ سرکاری فوج اور پولیس بھی جو بظاہر مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کے لئے آئی تھی ہندو ظالموں کی معاون و مددگار ہو گئی تھی۔ نمازیوں کے لئے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" قرار میں بے قراری تھی فرار میں بے اعتباری تھی۔ نمازیوں کے خون سے مسجد کا فرش ڈھک گیا بہرحال حضرت علیہ الرحمہ کی توجہ و تصرف سے اللہ تعالیٰ نے نجات کی راہ نکالی۔

چند دنوں میں مسجد میں ۷ بم گرائے گئے۔ مسجد کے پشتہ پر قبضہ کر کے گڈو ڈیا نے

جو مندر تعمیر کیا تھا یہ کاروائی وہاں سے ہو رہی تھی۔ وہاں سے ہندوؤں نے دیکھا ایک روز حضرت علیہ الرحمہ دالان کے پاس سے گزر رہے تھے دوسری طرف کیاری تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ پر بم گرایا گیا۔ نشانہ خطا ہوا بم کیاری میں گرا جہاں کچھ دیر پہلے پانی ڈالا جا چکا تھا اور مٹی دلدل بن گئی اس دلدل میں گرا بم پھٹ نہ سکا اور حضرت علیہ الرحمہ بال بال بچ گئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے وجود شریف پر خوف کا اثر نہ تھا۔ جبکہ دوسرے حضرات بہت ڈرے ہوئے تھے۔

مسجد میں نمازیوں کا آنا جانا برائے نام رہ گیا تھا۔ مدرسہ عالیہ عربیہ میں تعلیم بند ہوگئی اساتذہ اور طلباء بھی اپنے اپنے وطن چلے گئے مسجد کے عملہ میں ۳-۴ خادم رہ گئے وہ بھی چلے جاتے مگر حضرت علیہ الرحمہ نے ۲۴ گھنٹہ مسجد میں رہنے کا ارادہ کرلیا تھا اس لئے ان حضرات کی ہمت بندھی رہی۔ مسجد کے تینوں قدآدم مضبوط شاہی دروازے بند کردیئے گئے تھے ان کی کھڑکیوں پر ایک ایک دربان متعین تھا کوئی مسلمان آتا تو اطمینان کر کے اسے کھڑکی کے ذریعہ مسجد میں آنے دیا جاتا۔ شہر کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جن مسلمان علاقوں میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا وہاں سے بھی مسلمان اپنا گھربار روزگار چھوڑ کر پاکستان آرہے تھے۔

ان حالات میں دس ہزار گز لمبی چوڑی مسجد جو چاروں طرف سے ہندوؤں میں گھری ہوئی ہو۔ ہزاروں ہندو اور سکھ اس کوشش میں ہوں کہ کسی طرح اس مسجد پر قبضہ کرلیں تو مسلمانوں کی دہلی میں قوت ٹوٹ جائے گی۔ غیر مسلموں کو ہر قسم کی حکومت کی امداد، ہتھیار اور افرادی قوت میسر تھی۔ یہ سب کچھ حضرت علیہ الرحمہ ملاحظہ فرمارہے تھے۔ سب کو محسوس ہو رہا تھا کہ کسی وقت بھی یہ خبر آجائے گی کہ مسجد میں چاروں محافظوں کو اور امام صاحب کو شہید کردیا گیا اور مسجد پر قبضہ ہوگیا۔ لوگوں کو حضرت علیہ الرحمہ کی وجہ سے بہت تشویش تھی۔ چنانچہ ایک مسلمان ممبر پارلیمنٹ کو اس تشویش پر احساس ہوا وہ ایک فوجی ٹرک لے کر مسجد فتح پوری پہنچے اور حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ آج رات

مسجد پر حملہ اور قبضہ کا منصوبہ ہے- مسجد کو تالا لگائیں، آپ سب ٹرک پر سوار ہو جائیں تا کہ آپ کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے- دربانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور فوراً ٹرک پر سوار ہونے کے لئے تیار ہو گئے- سب حضرت کی جانب دیکھ رہے، اشارہ کا انتظار تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ لوگوں کو اجازت ہے، جا سکتے ہیں مگر فقیر یہیں رہے گا- کل قیامت کے روز اگر مولیٰ تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو کیا جواب دوں گا؟''

ایک بوڑھے دربان نے مستانہ وار نعرہ ''اللہ اکبر'' لگایا- دیکھنے والی آنکھوں نے دنیا کے حوالے سے **لاخوف علیھم** کا عملی مظاہرہ اور عاقبت کے حوالے سے وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ کی عملی تفسیر کا مشاہدہ کر لیا- حضرت علیہ الرحمہ کی ولایت پر یقین آ گیا-

ایک بار حضرت علیہ الرحمہ مسجد سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، قاتل پیچھے چل رہا تھا، وار کرنے کی کوشش کی پکڑا گیا-

ایک بار پہلی صف میں ایک سکھ بھیس بدل کر نمازی بن کر بیٹھ گیا کہ جونہی حضرت علیہ الرحمہ سجدہ میں جائیں گے شہید کر دے گا- مگر روحانی محافظ (ملائکہ) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حفاظت پر مامور تھے-

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا مسجد کے اندر کیاری کے پاس سے گزرتے ہوئے ذرا نشانہ خطا ہوا اور بم دلدل میں گر کر ناکارہ ہوا-

حضرت علیہ الرحمہ کے اہل خانہ اپنے عزیزوں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ غیر مسلموں نے حضرت کے مکان پر قبضہ کر لیا- چونکہ حضرت مفتی اعظم مسلمانوں میں عظیم ترین

شخصیت تھے۔ فوراً افسران بالا کے علم میں آ گیا۔ پولیس کے اعلیٰ عہدے دار نے معذرت کی اور کہا کہ ان قبضہ کرنے والوں کے لیے آپ جو سزا تجویز کریں وہ دی جائے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ان سب کو معاف فرمادیا۔

سنی مجلس اوقاف کے بعض بددیانت ممبروں نے اسلام دشمن سیٹھ گڈوڈیا کو مسجد کی پشت کی زمین دے دی۔ مسجد شریف کے گنبدوں کے پیچھے اس نے مندر بنادیا اور مسجد کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتا تھا۔ اکثر کانگریسی مولوی اور کھدر پوش مسلمان لیڈر خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو یہ گوارا نہ تھا چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک معتقد خاص اور دہلی کے مسلمان رئیس محمد شفیع باڑی [1] نے حضرت علیہ الرحمہ کے ایماء پر مقدمہ لڑا جس میں گڈوڈیا کو شکست ہوئی مگر ۱۹۴۷ء کی ہندوگردی میں عدالت کے فیصلہ پر عمل نہ ہوسکا۔ گڈوڈیا اور اس کے ہمنوا جانتے تھے کہ سارے مولویوں کا منہ بند کیا جاسکتا ہے مگر حضرت علیہ الرحمہ حق سے دستبردار ہونے والے نہیں اسلیئے خاص طور پر حضرت علیہ الرحمہ کی جان کے دشمن ہوگئے تھے۔ دوسرے عام ہندوؤں کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر حضرت علیہ الرحمہ مزاحمت نہ کریں تو مسجد پر قبضہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دنیا یہ بھی جانتی تھی کہ اگر حضرت علیہ الرحمہ کا وجود شریفہ نہ ہوتو مسلمان دہلی کو بھی اسی طرح خالی کردیں گے جس طرح اطراف کے شہر اور گاؤں مسلمانوں نے خالی کردیئے تھے۔

ان حالات میں بڑے بڑے نڈر اور بہادر بھی مصلحت کا لبادہ اوڑھ کر میدان سے نکل جاتے ہیں۔ برعکس اسکے حضرت علیہ الرحمہ اپنا گھر چھوڑ کر مسجد میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ میدان سے بھاگے نہیں میدان میں ڈٹ گئے۔

ایک بار نماز جمعہ کے بعد سب نمازی جمع ہوگئے سب محبین نے زور دیا کہ آپ مسجد میں اکیلے نہ رہیں اور کسی محفوظ مقام پر رہائش پذیر ہوجائیں اپنے اپنے گھر پیش کیے

مظہری

[1] شیخ محمد شفیع باڑی رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف کے تایا تھے۔

حضرت نے سب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ' کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں اور پوچھا اتنے بڑے بڑے حادثات گزر گئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح فقیر کی حفاظت فرمائی آئندہ بھی وہی حفاظت فرمائے گا۔ انشاء اللہ۔ آپ بھی استقامت کا مظاہرہ کریں فقیر آپ سب کے لئے یہاں دعا کر رہا ہے...... اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے!

حضرت علیہ الرحمہ کی بے خوفیٔ عالم کا کیا کہنا! دنیا میں ایسی نظیر مشکل سے ملے گی۔ مسلمانوں کے انحطاط کے دور میں...... بے کسی اور بے بسی کے اس عالم میں کہ سڑکوں پر مظلوموں کی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہوں حکومتِ وقت کو للکارنا اور اس کی بداعمالیوں کے لئے آئینہ دکھانا بہت بڑے حوصلے کی بات ہے، یہ اہل اللہ کی شان ہے۔

چنانچہ جیسا کہ حکومتیں کرتی ہیں دنیا کو دکھلانے کے لئے سب کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے اپنے جرم کو چھپانے کے لئے علماء، مشائخ، معزز اور با اثر شخصیتوں کو لالچ دے کر یا ان پر دباؤ ڈال کر ریڈیو پر اعلان کرایا جاتا ہے کہ "حکومت کی تعریف کریں اور اعلان کریں کہ حکومت نے حالات پر قابو پالیا ہے اور شہر میں مکمل امن ہے" حکومت کے قاصد نے جب یہ درخواست کی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا "حکومت حالات ٹھیک کردے تو فقیر کو کہنے میں عذر نہیں" حکومت کے نمائندے نے کچھ صفائی پیش کی ہوگی کہ حضرت علیہ الرحمہ کو جلال آ گیا۔ فرمایا، "جو کچھ ہو رہا ہے حکومت کے ایماء پر ہو رہا ہے۔ یہ سب حکومت کی شرارت ہے" واقعی مولوی سلطان محمود صدر مدرس عالیہ فتح پوری نے خوب کہا تھا کہ "مفتی صاحب شریعت کی برہنہ تلوار ہیں"۔ آپ نے ہمیشہ حق کہا۔

جب حضرت علیہ الرحمہ پاکستان تشریف لائے اور یہاں لوگوں نے اصرار کیا کہ پاکستان میں مستقل قیام فرمالیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے لہٰذا ان کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا" واقعہ بھی یہ تھا کہ

ہندوستان کے مسلمانوں کی حضرت علیہ الرحمہ کے وجود شریفہ سے ہمت بندھی ہوئی تھی۔

ایسے خوفناک مراحل پیش آئے حضرت علیہ الرحمہ نہ کبھی خوف زدہ ہوئے نہ محزون......اللہ تعالیٰ نے ان کی ضمانت لی تھی۔



اعتدال پسندی

حضرت علیہ الرحمہ کے مزاج میں عدل وانصاف غالب تھا- آپ آزادی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور جمہوریت پسند تھے، تنگ نظری اور تعصب سے نفرت تھی- حضرت علیہ الرحمہ نے ان باتوں کا پرچار ہی نہیں کیا بلکہ عملی مظاہرہ بھی کیا- آپ کی وسیع القلبی اس وقت قابل دید ہو جاتی ہے جب معاملہ اپنی ذات یا اپنی اولاد کا آجائے- دوسروں کا فیصلہ انصاف سے کرنا اتنی مشکل بات نہیں جہاں اپنی انا کو ٹھیس لگے یا اپنی اولاد کا قصور نظر آئے پھر بھی کلمۂ حق کہنا اعلیٰ ظرفی اور قناعت پسندی ہے مثلاً:

حضرت علیہ الرحمہ جب ۱۹۶۱ء میں پاکستان تشریف لائے تو لوگوں کے بے حد اصرار پر آپ نے بزمِ اربابِ طریقت قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جس کے صدر اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنے اور حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب صدر بنے دوسرے عہدے دار بھی مقرر ہوئے پھر بعض غلط فہمیوں کی بناء پر اختلافات پیدا ہوگئے جس کی شکایت حضرت علیہ الرحمہ کو پہنچی آپ نے کئی تجاویز پیش کیں............ دونوں اکابرین (یعنی اعلیٰ حضرت علامہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ) میں بہت زیادہ یگانگت تھی- دونوں حضرات کے مریدین- ان دونوں کو اپنا پیر مانتے تھے اور یہ بزرگوار سب مریدین پر یکساں شفقت فرماتے ایسا کوئی امتیاز نہ تھا کہ کون کس کا مرید ہے- یہ ایک مثالی تعلق تھا بعض شرکاء بزم نے نادانی سے اس یگانگت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جب یہ بات حضرت علیہ الرحمہ کے علم میں آئی تو آپ نے اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''یہ اعتراض بے جا ہے کہ اکثر ارکان بزم حضرت مولانا محمد رکن الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مرید ہیں میرے بھائیوں اور ان حضرات میں تفریق کرنا

نہایت درجہ ناموزوں ہے۔ اب اگر اہلِ بزم کو میری تجویز میں سقم معلوم ہوتا ہے تو ایک بڑا جلسہ کرکے باالاتفاق کوئی تنظیم کرلیں۔ مجھے اس میں بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن مولانا موصوف (حضرت مفتی محمد محمود صاحب) کو صدر اعلیٰ ضرور رکھیں۔ اور میرے بھائیوں کو مولوی مظفر احمد سلمہٗ کی تعظیم میں کمی نہ کرنی چاہیئے یہ ان کے حق میں مفید ہوگا۔ یہ راستہ انکساری کا ہے ہر ایک پر انکساری لازم ہے اگر بھائیوں میں کسی سے نامناسب بات نظر آئے تو بہت خوبصورتی کے ساتھ سمجھائیں۔''

ایک اور قصہ نے طول پکڑا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادہ حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد شاہ صاحب نے آرام باغ کی جامع مسجد کی امامت و خطابت قبول کرلی۔ اس مسجد کے متولی حاجی منظور احمد صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے دیرینہ مرید تھے۔ حضرت امام صاحب موصوف کا مزاج قدرے جلالی تھا۔ حاجی منظور صاحب کو بحیثیت متولی اپنی ذمہ داری اور کمیٹی کے دباؤ کا مسئلہ درپیش تھا۔ کچھ اختلافات رونما ہوگئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں معاملہ پہنچا تو حضرت نے شریعت کے مطابق عادلانہ طریقہ اختیار فرمایا۔

یہاں سے حضرت صاحبزادہ صاحب اور بعض مریدین نے حضرت علیہ الرحمہ کو حاجی منظور احمد کے بارے میں شکایات تحریر کردیں لیکن حاجی منظور صاحب نے کچھ نہ لکھا تو حضرت علیہ الرحمہ نے بغیر جوابِ دعویٰ کے اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے حاجی صاحب کے خط کا انتظار فرمایا آپ کا جواب صاحبزادہ صاحب کیلئے یہ تھا ''اس وقت تمہارا اور ذکر الرحمٰن وغیرہ کے خطوط امامت کے نزاع کے متعلق موصول ہوئے لیکن میاں منظور سلمہٗ کا کوئی خط نہیں پہنچا۔ ایک طرف کے بیان پر میں کیا فیصلہ کرسکتا ہوں میاں منظور سلمہٗ کا بیان بھی آجاتا تو دونوں بیانوں پر غور کرنے کے بعد کچھ کہہ سکتا تھا۔۔۔۔تم نے بغیر میرے مشورہ کے اس عہدہ کو قبول کرکے غلطی کی۔ خیر اب ان سے مطالبہ کریں کہ وہ بھی اپنے عذرات تحریر کردیں ورنہ پھر صرف تمہاری تحریر پر فیصلہ کردیا

جائے گا"۔

دیگر ذرائع سے جب معلومات فراہم ہوئیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے صاحبز
عالی قدر کی دو کمزوریوں پر گرفت فرمائی اور واضح ہدایت فرمائی "اتنا خیال رکھیں
وقت کی پابندی تو ضرور کرنی ہوگی۔ دوسرے جہاں تک ہوسکے لوگوں کے ساتھ خصو
اپنے دوستوں کے ساتھ نہایت ہی نرمی سے پیش آئیں۔ ("دوستوں" سے اشا
حاجی منظور صاحب کی طرف معلوم ہوتا ہے جن سے بظاہر تنازع تھا) آگے تحریر فر
"میاں منظور کیسے بھی ہیں مگر کہلاتے اپنے ہیں۔" صاحبزادہ بلند وقار کے دل میں بھی
حاجی منظور صاحب کے لئے نرم گوشہ پیدا کرنے کی حکمت ہے کہ حاجی صاحب ہی
سراسر قصوروار نہ تھے۔

حاجی منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی حاضر ہوئے اور صورت حال سے حضرت
علیہ الرحمہ کو باخبر کردیا۔ اب حضرت علیہ الرحمہ نے فیصلہ فرمایا اور مصلحتاً ایک باوقار
باتدبیر اور بااثر شخصیت یعنی حضرت حکیم قاضی مشتاق احمد صاحب مدظلہٗ کو یہ ذمہ داری
سونپی کہ صاحبزادہ محترم حضرت علامہ مفتی محمد مظفر شاہ صاحب کو سمجھائیں آپ کا
مکتوب یہ ہے:

"حاجی منظور احمد سلمہم سے واقعات معلوم ہوئے اور مولوی مظفر احمد سلمہم کا خط بھی
موصول ہوا۔ میں نے جہاں تک غور کیا اس نزاع کی (یہ) وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حاجی
منظور کی دوسروں کے سامنے بے حرمتی کی گئی۔ اس لئے میں نے مولوی مظفر احمد سلمہم کو
بھی لکھا ہے کہ تحمل و بردباری سے کام لیں اور جو کچھ دیا جائے فی الحال اس پر اعتراض نہ
کریں اور حاجی منظور کو بھی کہہ دیا کہ جو شرائط تم نے پیش کی ہیں وہ سب لغو ہیں ان کو بھی
پیش نہ کرو۔ لیکن وہ یہ عذر کرتے ہیں کہ کمیٹی اس پر مجبور کرتی ہے لیکن میرے خیال میں
یہ قابل سماعت نہیں۔ ممکن ہے واپس جاکر کچھ بہتر رویہ ہوجائے۔ میرے نزدیک بھی
دونوں کی بہبودی اسی میں ہے کہ دونوں مل کر رہیں یہ زمانہ سختی کا نہیں اس لئے میں ان

پر زیادہ سختی نہیں کر سکتا میرے نزدیک جو اصلاح کا طریقہ ہو سکتا ہے اسی کو اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حاجی منظور کے ساتھ کچھ ایسے لوگ جمع ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے نوک جھونک ہونے کا اندیشہ قوی ہو گیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ مولوی مظفر احمد سلمہم کو صبر و تحمل کا مشورہ دیں[1]"۔

اس خط سے عیاں ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادہ کی حمایت نہیں لی۔

ایک اور مکتوب میں اہلیہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "گھر میں سلام و دعا کہہ دیں ان سے سلوک بہتر قائم رکھیں کہ یہ بھی ایک سبب ترقی کا ہے"۔ اتفاق سے بیوی کی جانب سے غلط بات ہو تو ان کو بھی راہِ راست پر لانے کی کوشش فرمائی جاتی ہے۔ فرمایا---- پیسہ کی کمی کے باعث اہلیہ ناخوش ہوتی ہونگی ان کو صبر کی فہمائش کرو اللہ کے خوف سے ڈراؤ کہ اللہ رسول ایسے پر غضب فرماتے ہیں جو خاوند سے زبان چلاتی ہے ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔

ایک مرید کو معاملات درست رکھنے کی اس طرح ہدایت فرمائی ۔ "تمہارے خسر نے اپنی صاحبزادی کے جانے کا جو رنج اٹھایا ہے کچھ تو اس نے، کچھ جائیداد کی پریشانیوں نے ان کا دل سرد کر دیا ہے۔ ادھر تمہاری کچھ بدعنوانیاں بھی دیکھیں یہی وجہ ہے جواب نہ دینے کی اب جب (آپ) ان کی صاحبزادی کو ان سے ملوائیں گے اور تعلقات اچھے کریں گے تو یہ کدورت انشاء اللہ جاتی رہے گی۔

تم کو میرا کچھ لکھنا جب ہی بار آور ہوگا جب اس پر تم عمل کرو اور غور کر کے دیکھو کہ یہ جو کچھ کہتا ہے صحیح کہتا ہے یا کسی طرح کی عداوت ہے۔ عزیز من معاملات میں صحیح رہو گے تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ اس کے خلاف میں گو یہاں فائدہ نظر آئے لیکن حقیقت میں اس میں سراسر نقصان ہے۔"

۱۔ مکتوب ۱۰۳۵ صفحہ ۵۶۶ مکاتیب مظہری جلد اوّل و دوم

اتباع

فاتبعونی یحببکم اللّٰہ

انسانِ کامل نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں انسانی زندگی کے تمام اعلیٰ فطری پہلو اس قدر نمایاں ہیں کہ جو انسان چاہے اپنی زندگی کو اس نمونہ پر ڈھال سکتا ہے۔ جس قدر نمونہ کی پیروی ہوتی ہے اسی قدر کمال کی منزل قریب ہو جاتی ہے۔

اسوہ حسنہ کی تصویر دیکھنی ہو تو عارف سبحانی، واقف اسراء لامکانی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے حالات۔ چھوٹے بڑے واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ اسوہ حسنہ کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ وہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جیتا جاگتا مرقع تھے۔ جن سنتوں کا اختیار کرنا بس میں تھا انہیں تو ہر حال میں پورا کیا جن پر اختیار نہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پوری کرادیں وہ مادر زاد ولی اور عاشقِ رسول تھے مرتبہ فنافی الرسول میں قبولیت کی شان کی تصدیق تو آپ کی زندگی کے ابتدائی ایام سے بھی ہو جاتی ہے۔ محبوب کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگ میں کسی طرح رنگ دیا گیا تھا۔ یہ رنگ اس طرح جھلک رہا ہے۔ جس کی مثال مشکل ہے جس عمر میں سایوں کی ضرورت تھی ایک ایک کر کے سائے ہٹا دیئے اپنے سایہ رحمت میں لے لیا۔ جب سہاروں کی احتیاج تھی۔ بے آسرا کیا پھر خود سہارا دیا۔ خود تربیت فرمائی۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن میں یتیمی پھر والدہ معظمہ آمنہ مکرمہ کا سایہ اٹھنا دادا جناب عبدالمطلب کا کفالت میں لے لینا ان کا سایہ اٹھا تو عم محترم ابوطالب کا سرپرست قرار پانا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ کوئی بھائی تھا جو سہارا بنتا نہ کوئی بہن جو دلداری فرمائیں۔ یہ سب بے اختیاری حالات تھے اور سنتیں بھی۔ حضرت قبلہ عالم مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان ہی بے

اختیاری حالات سے گزرتے ہیں اور یہی سنتیں ادا ہو جاتی ہیں۔

بچپن کی یتیمی اور ٦ سال ہی کی عمر ہوئی تو والدہ کا انتقال ہوا دادا علیہ الرحمہ کی کفالت اور چچا علیہ الرحمہ کی سرپرستی [1] بھائی بہن نہ تھے۔

مگر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آسان کام بھی نہیں -- انسان کی زندگی میں یہی سب سے بڑا مجاہدہ ہے۔ یہی سب سے بڑی ریاضت ہے -- نفس کی سب سے بڑی مخالفت اتباع میں ہی تو ہے۔ اسی لئے تمام عبادات اور ہر عمل سے بڑھ کر انعام (یحببکم اللہ) اللہ تعالیٰ کی محبت میسر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے کسی شے کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبت سے سرفراز فرمایا -- وہ ان مقبولان بارگاہ صمدانی، ان محبوبان حضرت سبحانی اور ان انعام یافتگان دربار سلطانی میں سے تھے جو انعمت علیھم کی صف میں نظر آتے ہیں۔

قران عظیم سے بھی تصدیق ہو رہی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "فاذکرونی اذکرکم"، لفظی ترجمہ تو یوں کیا جا سکتا ہے کہ "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں" علماء ومفسرین کا اتفاق ہے کہ بندوں کا ذکر کرنا یہ کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا اور اللہ کا ذکر کرنا یہ کہ وہ بندوں کی زبان سے اپنے ذاکر (محبوب) بندے کا ذکر کروائے اسی انداز پر فرمایا "فاتبعونی یحببکم اللہ" حضور پر نور علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام سے کہلوایا گیا کہ میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔ اللہ جلہ جلالہٗ وعم نوالہ کے بندے سے محبت فرمانے کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ اللہ کے بندے (بعض یا کل مخلوق) اتباع کرنے والے سے محبت کرنے لگیں۔

حضرت ممدوح شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی ساری زندگی اپنے مولیٰ تعالیٰ کے ذکر میں صرف ہوئی کوئی بتائے کہ انہوں نے دنیا کے لئے کون سا کام کیا؟ نہ

---

[1] بھائی کا شیر خوارگی میں انتقال ہو گیا تھا۔

زمین خریدی نہ مکان بنائے۔ نہ تعیش کے سامان فراہم کیے، نہ گاڑی نہ سواری نہ Bank Balance۔ اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی، علمی، روحانی صلاحیتیں عطا فرمائیں سب اللہ کے دین کی خدمت میں صرف کردیں یہاں تک کہ جو اولاد ہوئی اس کو بھی اسی راہ پر گامزن فرمادیا آج کل ایسے باپ دنیا میں کم ہیں جن کے سب ہی بچے اولیاء کاملین میں ہوں سب نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کردی ہوں حضرت علیہ الرحمہ کے سب بیٹے عالمِ دین متقی اور صاحبِ کردار بنے۔ سب نے نیکی کو پھیلایا۔ صرف تسبیح پھیرنے کو ذکر نہیں کہتے۔ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا اور اس کی ہر نعمت کو منعم کی پسند کے مطابق صرف کرنا بہترین ذکر ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں ان کا ذکر جا بجا ہونے لگا تھا اپنے پرائے سب ہی ان کے گن گانے لگے تھے کتابوں میں حوالے رسائل میں مقالے اور اخبارات میں ان پر کالم لکھے جانے لگے تھے۔ وصال ہوگیا تو ہندوستان اور پاکستان کے سارے اخبار و جرائد سوگوار تھے۔ ہر پڑھنے والا اشکبار نظر آرہا تھا۔ عرصے تک لکھنے والے اس طرح لکھتے رہے شعراء نے مرثیئے لکھے تاریخی قطعات لکھے، خوب لکھا گیا۔ خوب پڑھا گیا یہ سلسلہ رکا نہیں اخبار و رسائل میں اب بھی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں بلکہ مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں یا کتابوں میں مستقل عنوانات قائم ہوتے ہیں یا سیرت کے کسی ایک پہلو پر مکمل تصنیف آتی ہے۔ مثلاً تذکرہ مظہر مسعود ایک عظیم تاریخی اور تحقیقی کام، مکاتیب مظہری، حیات مظہری، اخلاق مظہری، کرامات مظہری، درود مظہری، مواعظ مظہری کہ آپ کی فقاہت پر حق گوئی پر سیاست پر کتابوں میں علیحدہ عنوان مثلاً ''اکابر تحریک پاکستان'' مولفہ حضرت مولانا محمد صادق قصوری مدظلہ میں دیگر اکابرین کے حالات اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔

اس کے علاوہ وعظ و نصیحت کی محافل میں، علماء کی نشستوں میں احباب کے حلقوں میں انکا ذکر جاری رہتا ہے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ذکر کے حوالے سے مقبولیت اور انعام کا ثبوت ہیں۔ محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں سے

اللہ تعالیٰ نے محبت فرمانے کا وعدہ فرمایا حضرت علیہ الرحمہ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال حاصل کرلیا تھا - سنتوں کے جمال سے ان کی زندگی جگمگا رہی ہے حضرت کی حیات مبارکہ میں بھی لوگ ان کو بہت چاہتے تھے بہت احترام کرتے تھے - ان پر انوار الٰہی برستے تھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی شان تو حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد روز بروز اور زیادہ نمایاں ہورہی ہے ان کے ان دیکھے عاشقوں کا ہجوم بڑھ رہا ہے۔ ان کو دیکھنے والے اٹھتے جارہے ہیں جو زندہ ہیں ان کو انگلیوں پر گن لو - ایک دن یہ بھی نہ ہوں گے - پھر کون محبت کرے گا؟

اب ان کا عرس مبارک کئی شہروں میں ہونے لگا - دہلی میں تو ان کا مزار شریف ہے وہاں کا کیا مقابلہ؟ لاہور میں بھی بڑا اجتماع ہوتا ہے - کراچی میں سب دیکھ رہے ہیں آرام باغ میں عرس ہوتا رہا وہاں محفل میں سو دو سو آدمی ہوتے تھے ان میں وہ بھی شامل تھے جو شب برأت کو مسجد میں شب بیداری کے لئے آتے ہیں (لنگر میں پانچ سو بھی ہوجاتے تھے) چند سالوں سے مسجد کی بجائے حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کے دولت کدہ پر عرس شریف ہورہا ہے۔ حاضرین کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوگیا ہر سال آنے والے بڑھ رہے ہیں - شاندار اہتمام اور بہترین انتظام ہوتا ہے بڑے بڑے علماء کی تقاریر ہوتی ہیں، مشائخ کرام کی تشریف آوری سے مجلس کا تقدس دوبالا ہوجاتا ہے۔ یہ یحببکم اللّٰہ کے نظارے ہیں اسی طرف سے سارے اشارے ہیں -

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو ان کی نسبت سے بڑی تقویت مل رہی ہے حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کو سننے اور پڑھنے کا بھی ایک فیض ہے ان سے محبت کا فیض بھی نظر آتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں حضرت علیہ الرحمہ سے محبت کرنے والے روز بروز بڑھتے جارہے ہیں -

شفقت

عَزِيزٌ'' عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ'' الرَّحِيمُ

وہ جو بالمومنین رؤف الرحیم ﷺ سے فیض یافتہ تھے وہ جس طرح اپنے بچوں پر بے حد مشفق تھے اسی طرح اپنے مریدین، مخلصین اور محبین پر بہت شفیق بہت مہربان اور مسلمانوں کے بہت بڑے ہمدرد اور بہت غم خوار تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی اخلاص شفقت کا اثر تھا کہ ہر مرید ان کی محبت پر نازاں تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ جس قدر حضرت علیہ الرحمہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں اس قدر کسی اور سے نہیں فرماتے۔ اسی طرح مسلمان ان کی طرف دیکھتے تو ڈھارس بندھ جاتی تھی۔

مکتوبات شریفہ سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جن سے حضرت علیہ الرحمہ کی مریدین سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے، فرمایا:۔

> ''تمہاری محبت نے قلب پر گہرا اثر پیدا کیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے خواہش ہے کہ اس محبت کے طفیل (اللہ تعالیٰ) تمہاری ترقی مجھے دکھادے۔''

> ''تمہاری یاد کا اثر ہے کہ تمہیں یاد کررہا ہوں۔ دیکھئے اب کب ملاقات ہوتی ہے، آپ کی یاد میری یاد کی طرح ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے تمہاری صورت وسیرت ایسی بنائی ہے کہ انسان سلیم البنیان کی طبیعت

ہزار جان سے مالوف ہو جائے۔ اللھم زدفزد ملاقات کی آرزو تھی اس کریم کے کرم نے اس کو بھی پورا فرما دیا۔“

”مولیٰ تعالیٰ تمہیں وہ عروج عطا کرے کہ اہلِ زمانہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائیں۔[1] تمہارا خط پڑھ کر میرا ابھی یہی حال ہوتا ہے جو تمہارا ہوتا ہے۔“

”تم کسی وجہ سے پریشان معلوم ہوتی ہو لیکن خط میں اس کا کوئی ذکر نہ تھا...... یہ صحیح ہے کہ تمہیں ہماری یاد آتی ہوگی لیکن اس پر کبھی یہ بھی قیاس کیا کہ ہمیں تمہاری کس قدر یاد آتی ہوگی کہ تم تو ثمر ہو درخت کی مایوسانہ حالت دیکھنی چاہیے یوسف علیہ السلام تو مصر میں بادشاہ بن بیٹھے مگر یعقوب علیہ السلام سے پوچھنا چاہیے کہ تم پر کیا گزری؟“

”تمہاری خیریت معلوم کر کے سکون ہو جاتا ہے کیا واقعی تمہاری طبیعت ہمیں دیکھنے کو نہیں چاہتی فقیر تو یہ چاہتا ہے کہ تم یہیں رہو اور تم عارضی طور پر بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتیں ہمارے تمہارے خیال میں کس قدر فرق ہے تمہارے والد مرحوم ومغفور کی یاد بے چین کر دیتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تم یہاں آ کر مستقل رہو۔“

”آپ کے متولی صاحب سے ہم کو بھی محبت ہے کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں“

تم جیسے مشفق سے کون ناراض ہو سکتا ہے ہرگز ایسا خیال نہ کریں۔ تم میری ناراضگی کا خیال نہ کرو شوق سے دہلی آ جاؤ لیکن اتنا خیال رہے کہ یہاں آنے میں کوئی نقصان ہوتا ہو تو ہرگز آنے کا ارادہ نہ کریں۔

پروفیسر علامہ سید اخلاق حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ماہنامہ ”عقیدت“ نئی دہلی کے شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء میں رقم طراز ہیں:-

”ایک دفعہ درگاہ فلک بارگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی مسجد خلجی کے دروازے کے پاس حضرت تشریف فرما تھے۔ میں بے خیالی میں نکلتا چلا گیا تو

ا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی دعا کے طفیل جاوید سلطان صاحب جاپان والا وزیرِ خزانہ بن گئے تھے۔ مظہری

حضرت کو دیکھا نہ آواز سنی پھر ادھر سے ہی گزرا کہ حضرت نے دامن پکڑ لیا پلٹ کر دیکھا تو ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا پہلے آواز دی تو سنی نہیں۔ میں نے معذرت کی لیکن دل سے شرمندگی دور نہیں ہوئی۔ حضرت نے خندہ پیشانی سے کلمات شفقت آمیز فرمائے لیکن جب اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو ندامت تازہ ہو جاتی ہے''

پروفیسر صاحب نے ایک واقعہ بیان فرمایا جس میں حضرت علیہ الرحمہ کی شفقت نے ان کے (پروفیسر صاحب) قلب پر گہرے نقوش چھوڑے تھے فرماتے ہیں:

''حضرت کا یہ کرم تو اخلاق ناچیز کے دل پر نقش ہے اور تا حیات نقش رہے گا کہ راقم کے والد بزرگوار وفات سے چند روز پیشتر ہمسایۂ محبوب الٰہی میں مقیم تھے۔ وہیں انتقال فرمایا۔ یہ زمانہ اخلاق کے لئے بہت پر آشوب تھا۔ ایسے حالات میں کوئی بھی کسی کا نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہی حضرت والد بزرگوار کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی شدت گرما، لو اور طویل مسافت کے بعد تشریف لائے اور نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عنایت فرمائیں۔

یہی وہ اوصاف ہیں جن سے قلوب متاثر ہوتے اور بندۂ بیدام ہو جاتے ہیں۔ ہدایت و رشد کی راہیں کھلتی ہیں یہی معمول تھا انبیاء علیہم السلام کا اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا، بہرحال اخلاق اپنے بچوں کو اور پس ماندگان کو وصیت کرتا ہے کہ وہ اس احسان کو کبھی فراموش نہ کریں۔ بلکہ آپ کا اور آپ کی اولادِ پاک نہاد کا ادب ملحوظ رکھیں اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھیں''۔

مریدین کی تکالیف حضرت علیہ الرحمہ کو بے چین کر دیتی تھی کبھی کبھی یہ بے قراری ظاہر ہو جاتی تھی مثلاً جناب سلیمان صاحب کو تحریر فرمایا ''مولوی ابراہیم سلمہم کے حالات معلوم ہو کر سخت افسوس ہوا مولیٰ تعالیٰ ان پر کرم فرمائے ان کو ایک سال حاجی صاحب لودھی والوں کی خدمت میں بھیجا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے مولوی صاحب موصوف

کی زکوٰۃ کی مد سے کچھ خدمت کی ان کو چاہیے تھا کہ پچھلے سال بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے...... ہاں مولوی صاحب کو شرم آئی ہوگی تو اس کا علاج یہ تھا کہ تم خود ان کے پاس چلے جاتے اور حاجی صاحب کو یاددہانی کر دیتے خیر اب جا کر میرا اسلام کہہ دیں اور میری طرف سے مولوی صاحب کی سفارش کر دیں...... اپنے پیر بھائیوں سے کہو کہ ان کا خیال رکھیں۔

احقر کے دل میں آرزو تھی کہ حضرت علیہ الرحمہ کی دعوت کروں۔ ایک روز دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ عرض کیا---''حضور میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی دعوت کروں'' فرمایا ''کرو'' حضور ہوٹل کا کھانا آپ پسند کرلیں گے؟ میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے'' فرمایا ''پھر تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہاری دعوت قبول کرلی، بس دعوت ہوگئی، تمہیں ثواب ملے گا'' احقر چپ ہوگیا شفقت پدری سے افسردگی دیکھی نہ گئی تھوڑی دیر بعد فرمایا ''کیا ہوا؟'' احقر نے حسرت آمیز لہجہ میں عرض کیا ''کاش میرا گھر ڈھنگ کا ہوتا والدہ حیات ہوتیں'' فرمایا ''چلو تمہارے گھر چل کر چائے پی لیں۔ پھر تو خوش ہو جاؤ گے'' سبحان اللہ! دوسرے دن صبح ناشتہ کی منظوری ہوگئی تو احقر نے عرض کیا صاحبزادگان بھی شریک ہوں فرمایا ''ان سے پوچھ لو میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔''

دوسرے دن ماشاء اللہ تینوں صاحبزادگان عالی شان یعنی حضرت محترم مفتی محمد مشرف احمد صاحب، حضرت محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور جناب حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اور نبیرۂ حضرت شہزاد مکرم میاں سلمہٗ القوی المنان کے ہمراہ رونق افروز ہوئے (۲ پیر بھائی بھی حاضر تھے) ناشتہ سے فارغ ہو کر چند منٹ رکے پھر فرمایا ''اب تو خوش ہو گئے؟ اب اجازت دیں۔''

احقر کی رہائش تو دہلی میں تھی لیکن کلکتہ میں شادی ہونا طے پائی----حضرت علیہ الرحمہ سے کلکتہ چلنے کی درخواست کی گئی تو فرمایا ''تمہارے نکاح میں شرکت کی آرزو مجھے بھی ہے لیکن اتنا طویل سفر کرنے کی طاقت نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے'' احقر نے

پکچھ ضد کی کہ میرا نکاح آپ ہی پڑھائیں گے ورنہ میں شادی نہیں کرتا- حضرت علیہ الرحمہ مسکرائے اور وہ دوست جو میرے ساتھ دعوت دینے گئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ان کو بھیج کر چھوارے منگوالیں-" چھوارے آ گئے اور حضرت قبلہ نے نکاح پڑھا دیا- دعا فرما کر حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا- "اب تو تمہاری ضد پوری ہوگئی اور الحمد للہ میری خواہش بھی- اب آپ کلکتہ جا کر بتا دیں کہ اگر وکیل اور گواہ دلہن کی رضا مندی پر گواہی دے دیں تو نکاح مکمل ہوگیا-"

احقر نے کبھی ایسا نہ دیکھا نہ سنا تھا تو عرض کیا- "حضور اگر وہاں لوگ نہ مانیں تو؟" فرمایا پھر وہ اپنے طور پر نکاح پڑھائیں اور آپ قبول کرلیں کوئی مضائقہ نہیں-"

لطیفہ:

۱۹۹۰ء میں احقر کو دل کا عارضہ ہوا تو اہلیہ سے میں نے کہا اب تو میرے جانے کی تیاری ہے تو اہلیہ نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا ہمارا نکاح آپ کے حضرت نے پڑھایا تھا آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتے، نہ طلاق دے سکتے ہیں، نہ میں بیوہ ہوں گی، میں سہاگن جاؤں گی اور وہی ہوا ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۸/۱۲ جولائی ۱۹۹۹ء کو اہلیہ کا انتقال ہوگیا خدا اس سہاگن کی مغفرت فرمائے- آمین!



پیاری دعائیں

حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے سبھی دعا کے ملتجی رہتے تھے۔ کبھی تو اسی وقت چند جملے ادا فرما دیتے تھے۔ مثلاً ''مولیٰ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ مولیٰ تعالیٰ فضل فرمائے'' یا فرماتے ''دعا کریں گے'' جو بار بار کہتا اس سے کبھی کبھی فرماتے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں میری دعائیں قبول فرمائے۔

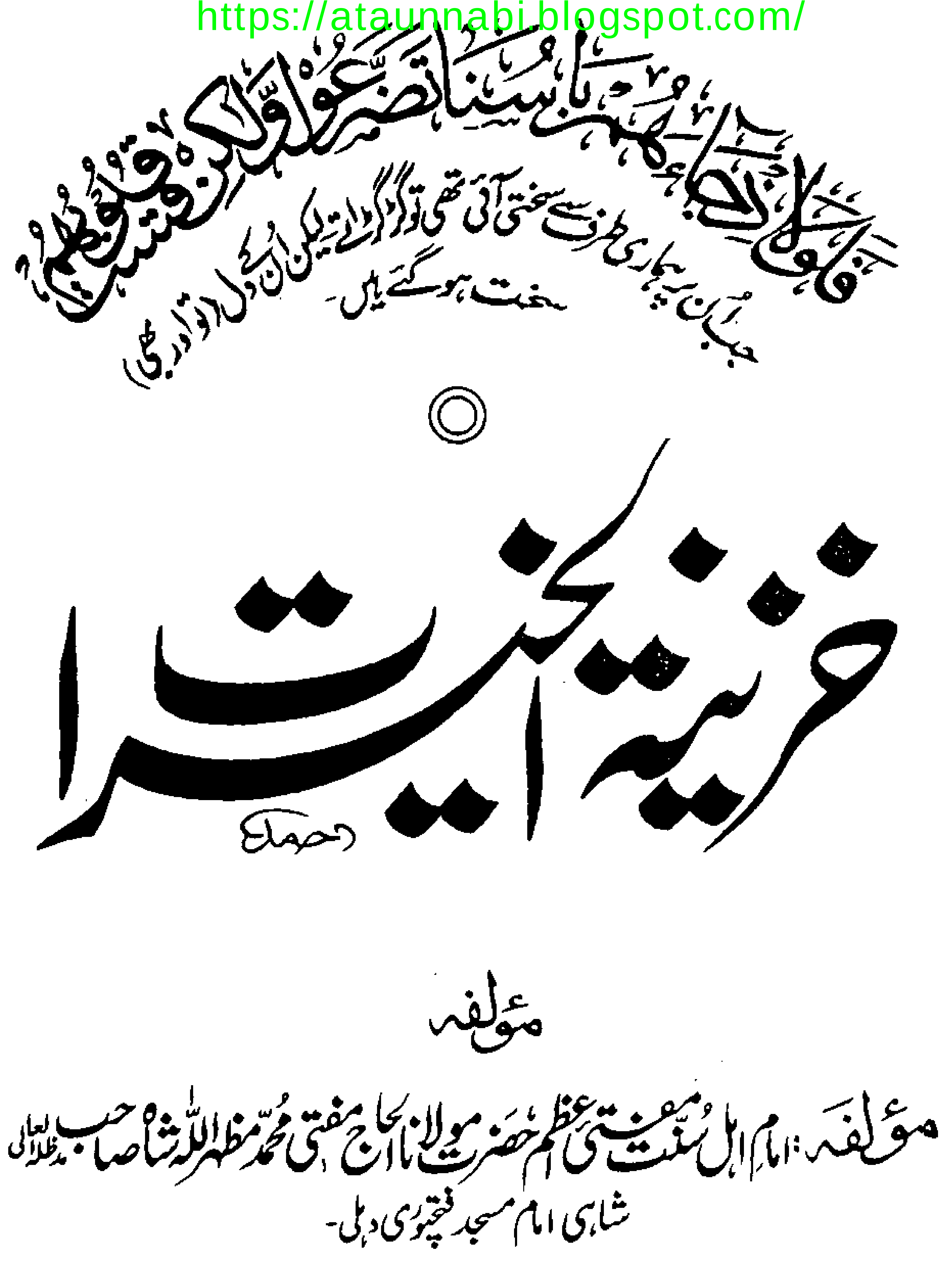
اسی طرح جو خطوط جاتے ان میں بھی دعا کی درخواست ہوتی تھی اور حضرت علیہ الرحمہ دعا فرماتے تھے یہ دعائیں عام طور پر جو لوگ دعائیں کرتے ہیں ان سے مختلف ہوتی تھیں اول تو مکتوب الیہ کے لئے نئے نئے القاب تحریر فرماتے تھے جن میں اکثر دعائیہ ہوتے تھے پھر خط میں کبھی شروع میں کبھی درمیان یا آخر میں دعاء تحریر فرماتے جن میں کوئی تعلیم، دینی تربیت اور آخرت کے لئے فلاح کی آرزو ہوتی۔ حضرت علیہ الرحمہ کی دعاؤں میں خاص شفقت جھلکتی ہے اور یقیناً یہ منفرد انداز ہے مثلاً۔

۱۔ قادر مطلق العزیز کو دارین میں بلند درجہ پر پہنچائے۔

۲۔ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں کے راستہ پر گامزن رکھے اور اپنی حضوری عطا فرمائے۔

۳۔ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ من الوحیب کی سنت پر قائم رکھے اور اپنے قرب سے سرفراز فرمائے اور محبوبان الٰہی کی محبت سے قلب کو پر رکھے کہ یہ بڑی دولت اور مثمر ثمرات اعلیٰ ہے مولیٰ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔ مولیٰ تعالیٰ تمہیں اپنی عبادت میں مصروف رکھے نماز اور دینی معاملات کو صحیح کر دے۔



مؤلفہ

مؤلفہ: امام اہلسنت مفتی اعظم حضرت مولانا الحاج مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی
شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی۔

ضیاء الاسلام پبلیکیشنز

۱۔ ضیاء منزل (شوگن مینشن) آف محمد بن قاسم روڈ عید گاہ کراچی

۵۔(سوائے دعا کے اس عاجز کی طاقت میں اور کیا رکھا ہے جس سے تمہاری اعانت کی جائے)۔

۶۔وہ تعالیٰ تمہیں اپنے تقرب سے سرفراز فرمائے۔

۷۔مولیٰ تعالیٰ تمہیں مکروہات دارین سے محفوظ رکھے۔

۸۔مولیٰ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور زمرہ صالحین میں تمہیں مقبول فرمائے۔

۹۔وہ تعالیٰ تمہیں دارین میں ہمیشہ مسرور اور بعافیت رکھے اور اپنی یاد میں مستغرق رکھے۔

۱۰۔وہ تعالیٰ العزیز کو بھی ہمیشہ بعافیت رکھے اپنے مقاصد صحیحہ میں کامیاب کرے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے مولیٰ تعالیٰ وہ عطا کرے جس کا خطرہ بھی تمہارے قلب میں نہ گزرتا ہو۔



ہیبت اور عاجزی

یہ ایک معمہ ہے کہ برسہا برس جو حضرت علیہ الرحمہ کے قریب رہے انہوں نے کبھی حضرت علیہ الرحمہ کو غصہ کرتے نہیں دیکھا- پندرہ سالوں میں احقر نے کبھی زور سے بولتے بھی نہ سنا- نہ چہرہ خشمگیں نہ پیشانی پر بل- مولانا منور حسین سیف السلام اپنے مکتوب مؤرخہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء میں تحریر فرما چکے" حضرت علیہ الرحمہ کی گفتگو کیا تھی بس پھول جھڑتے تھے-"

ایک عالم دین مولانا محمد مبین نے تحریر فرمایا" سکون کی کیفیت ان کے ساتھ رہتی تھی اللہ نے ان کو نسبت سکینہ عطا فرمائی تھی"-

پھر یہ ماجرا کیا تھا کہ نہ ان کے سامنے بولنے کی ہمت ہوتی نہ نگاہ ملانے کی جرأت ہوتی- نہ کوئی بے تکلفانہ ان کے سامنے بیٹھ سکتا تھا- ایسے بے شمار واقعات ہیں- مثلاً جذبات کے موقعہ پر تحمل-

ایک بار ایک عالم صاحب معہ ۴ معاونین کے تشریف لائے اور مناظرہ کا چیلنج کیا حضرت علیہ الرحمہ نے اس دائمی سکون کے ساتھ جو عادت شریفہ کا امتیاز تھا فرمایا" حَکَم کون ہوگا؟" طے پایا کہ معتبر و مستند کتابوں سے فیصلہ ہوگا۔ اللہ اکبر! ان آنے والوں کے مزاجوں میں تلاطم تھا- فتح کا نشہ تھا، بلا کا جوش تھا- حضرت علیہ الرحمہ نے احقر سے فرمایا المباری (حضرت کے کتب خانہ کی) کے فلاں خانہ میں سے اس نام کی کتاب نکال لاؤ ---- کتاب پیش کردی گئی ---- یہ کتاب مصر کی چھپی ہوئی تھی عربی ٹائپ میں زیر زبر پیش نہیں تھے- حضرت علیہ الرحمہ نے اُن عالم کی جانب کتاب بڑھاتے ہوئے فرمایا ذرا کہیں سے اس کو پڑھ کر دکھائیں عالم صاحب خفا ہو گئے، کیا آپ نے مجھے بچہ سمجھا ہے جو کتاب پڑھوا کر دیکھیں گے؟ حضرت علیہ الرحمہ نے بڑے تحمل سے فرمایا" کتاب کو حَکَم بنانا ہے کہیں سے دو چار سطریں پڑھیں میں دیکھوں کس درجہ کی کتاب پڑھ سکتے ہیں، کس قدر

مفہوم سمجھتے ہیں پھر کتاب سے فیصلہ بھی تو لینا ہے؟'' مولانا کے ساتھیوں نے تجویز کی کہ آپ عالم ہیں تو پڑھنے میں کیا مشکل ہے عالم صاحب نے پڑھنا شروع کیا تو پڑھا نہ جا سکا۔ حضرت نے فرمایا اب کیا خیال ہے؟ پڑھنے میں زیر زبر پیش کے محتاج معلوم ہوتے ہیں تو مفہوم کیا سمجھیں گے اور کتاب کا فیصلہ کس طرح تسلیم کریں گے! عالم صاحب کو شرمندہ ہوکر جانا پڑا۔

حاضرین مجلس بھرے بیٹھے تھے کہ بھاگنے والوں کا مذاق اڑائیں گے مگران کے جاتے ہی حضرت علیہ الرحمہ نے قلم نکالا اور لکھنا شروع کیا اُن مناظرہ والوں کے حوالے سے ایک لفظ بھی نہ فرمایا تو پھر کسی کی ہمت کیا تھی کہ زبان کھولے۔

ایک بار محفل ارشاد جمعۃ المبارک میں حضرت مولانا ظفر علی نعمانی زید مجدہ نے بھی شرکت فرمائی یہ ایک نامور مقرر تھے اور بڑے بڑے جلسوں میں لوگوں کے دل جیت لیتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ اس مجلس مبارک میں خود ہی بیان فرمایا کرتے تھے اس روز مہمان عالم اور مقرر کی عزت افزائی کے خیال سے فرمایا '' آج آپ بیان فرمائیں۔'' مولانا ممدوح منجھے ہوئے مقرر تھے مگر حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے پسینہ پسینہ ہوگئے تعمیل حکم تو کرنی تھی دو چار جملے بمشکل ادا کئے اور جلدی سے آخِرُ دُعْوٰنَا ـــــ کہتے ہوئے بیٹھ گئے[1]۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ نے اپنے طالب علمی کے دور کا یہ واقعہ بھی سنایا تھا کہ جب وہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری میں پڑھتے تھے تو ان کے استاد مولانا عبدالسمیع صاحب نے ان سے کہا کہ اپنے والد بزرگوار سے ہماری ملاقات کرادیں، ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہا وہ میرے والد صاحب ہیں آپ میرے استاد دونوں بڑے ہیں میں چھوٹا سا طالب علم بڑوں کا تعارف کراؤں مناسب نہیں آپ خود مل لیں استاد محترم نے کہا اکیلے جاتے ہوئے ہماری ہمت نہیں پڑتی آپ ساتھ چلیں پھر استاد پیچھے اور شاگرد آگے۔ مولانا

---

[1] ۔ یہ واقعہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے سنایا تھا۔ مظہری

صاحب جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوئے تو دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ بات کرنے کی ہمت نہ تھی، نیچی نظریں کیے دیر تک بیٹھے رہے۔ جب حضرت علیہ الرحمہ متوجہ ہوئے تو گفتگو ہوئی۔

اس سے بڑے تعجب کی بات یہ دیکھی کہ صاحبزادگان کی اپنے والد گرامی سے بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔۔۔۔جب کہ بچے تھے تو حضرت علیہ الرحمہ کی گود میں پرورش پائی بڑے ہوئے تعلیم کا آغاز کرایا سب کو پڑھایا امتحانوں کی تیاری کرائی حضرت اپنے ساتھ بچوں کو سیر کرانے بھی لے جاتے تھے۔ بس جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے ادب سیکھتے اور ایسا ادب کرتے کہ لوگ حیران ہو جاتے۔

احقر نے دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ الحاج حافظ قاری حکیم مفتی محمد مشرف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے بچے ماشاء اللہ جوان تھے۔ ہندوستان میں اس دور میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ نائب مفتی اعظم تھے۔ طریقت میں دو بزرگوں سے مجاز تھے، صاحب ارشاد تھے اور ان کے مرید بھی تھے۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑے ادب سے سلام کر کے دوزانوں بیٹھتے حاضرین کے درمیان اس انداز سے جیسے کوئی عام آدمی ہو۔ جب حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ پڑتی اور اشارہ ملتا تو بات کرتے اگر کسی وقت حضرت علیہ الرحمہ کھڑے ہوں تو دست بستہ سر جھکائے کھڑے رہتے۔ چلتے تو پیچھے پیچھے بولتے تو آہستہ سے۔ اگر یہ کہنا ہو کہ "آپ سے" تو فرماتے "حضرت سے" گویا وہ بیٹے نہیں بلکہ وفادار مرید یا تابعدار خادم ہیں حضرت علیہ الرحمہ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے تھے۔

یہی حال حضرت علامہ قاری الحاج شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا وہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے آتے ہوئے بہت ڈرتے تھے اور سب سے چھوٹے اور لاڈلے صاحبزادے قاری ڈاکٹر محمد سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی خوب تھے ادب میں سب کا انداز ایک جیسا ہی تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ سرہند شریف جانے کا ارادہ فرمارہے تھے

احقر کو اجازت مل چکی تھی صاحبزادہ عالی قدر ڈاکٹر محمد سعید احمد کی بھی خواہش تھی مگر براہِ راست حضرت علیہ الرحمہ سے کہنے کی ہمت نہ ہوئی احقر کو اشارہ فرمایا تو احقر نے عرض کر دیا۔ اجازت مل گئی۔

سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مفتی حافظ قاری حکیم محمد مظفر احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہٗ پاکستان میں تھے۔ ان کا انداز حاضری احقر نہ دیکھ سکا احقر نے جو بچشم خود دیکھا وہ لکھا۔

یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ مدرسہ عالیہ کے بعض اساتذہ وطلباء جو ہوسٹل میں رہتے تھے حضرت علیہ الرحمہ کو آتے دیکھ لیتے تو آڑ میں ہو جاتے اگر ان کا کمرہ قریب ہوتو اس میں چلے جاتے سامنے نہیں پڑتے تھے صرف مفتی ولایت احمد صاحب تھے جو کسی فتوے کے سلسلے میں کبھی کبھی حاضر ہوتے یہ مفتی مدرسہ تھے اور حضرت سے لگاؤ رکھتے تھے۔ اہلِ دیوبند کا مدرسہ تھا مگر سارے اساتذہ، طالب علم حضرت علیہ الرحمہ کا ادب کرتے تھے کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ تھی۔

یہ بات تو تاریخ کے ریکارڈ پر ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی ناراضگی کے خوف سے لوگ اپنے مشرب کے مشاغل بھی روک دیتے تھے جب کہ دوسرے کسی بڑے سے بڑے بزرگ کے لئے ایسا احترام نہ ہوتا حضرت علیہ الرحمہ کی ہیبت کی مثال نہیں۔ ماہنامہ منادی نئی دہلی دسمبر ۱۹۶۰ء کا ایک اقتباس پیش ہے:

''دلی والوں نے ان کے خلوص کی اس تاثیر کا یہ کرشمہ تو آخر تک دیکھا کہ حضرت مرحوم عین قوالی کے وقت درگاہ حضرت محبوب پاک یا کسی دوسری درگاہ یا خانقاہ میں حاضر ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی صاحب سجادہ یا منتظمین نے قوال کو اشارہ کیا ہے کہ ساز اور مزامیر بند کردو اور باجے کے بغیر کلام سناؤ! مفتی صاحب مرحوم زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت لیتے تھے اور اس کے آداب کے مطابق باجے کے ساتھ قوالی نہیں سنتے تھے۔ تاہم

دوسرے ہٹ دھرم مولویوں کی طرح وہ کسی کو نہ سننے پر مجبور بھی نہ کرتے تھے----اور ایسی کوشش میں بھی نہ رہتے تھے کہ ایسے وقت درگاہوں میں حاضر ہوں جب قوالی نہ ہو رہی ہو- لیکن ان کی مرنجا مرنج طبیعت اور زہد و ورع کا ہر شخص پر ایسا اثر تھا کہ ان کو دیکھتے ہی باجے بند کرا دیئے جاتے تھے اور کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو حالانکہ ان کے برعکس جب ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بارسوخ اور بااثر مخالف سماع علماء، درگاہوں میں آتے تھے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی باجے بند نہیں کرائے جاتے تھے اور مزامیر کے ساتھ قوالی جاری رہتی تھی''۔

بڑے بڑے قوی الجثہ، بے باک، مغرور بے ادب سینہ تان کر آتے تھوڑی دیر میں خود بخود ان کی گردن جھک جاتی تھی--۷۰-۸۰ سال کے بوڑھے بھی دوزانو بیٹھتے- امراء و روساء سب پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی- بظاہر کوئی سبب ایسا نظر نہیں آتا تھا- سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحمتِ خاص فرمادے- خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہیبت عطا فرمائی کہ جو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ سے محسوس ہو- چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنی شان جلالت سے خاص حصہ عطا فرمایا اور ایک خاص قسم کی ہیبت و رعب سے سرفراز فرمایا-

تماشہ گاہ گیتی میں بہت کم آنکھوں نے یہ دیکھا ہوگا کہ جس کی ہیبت سے بڑے بڑے سنبھل جائیں- زبان کھولنے کی ہمت نہ پائیں- مخالف سامنے پڑنے سے کترائیں بے ادب باادب ہو جائیں- اس نے خود کبھی رعب کا اظہار نہ کیا ہو- کبھی اپنے مرتبہ و مقام پر فخر نہ کیا ان کا شیوہ عاجزی تھا بے حد عاجزی-

مکاتیب مظہری جلد اوّل و دوم شائع ہو چکی تقریباً ہر خط میں حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی عاقبت کے لئے دعاؤں کی درخواست کی ہے- ایک مرشد اپنے مریدوں سے، ایک بزرگ اپنے عزیزوں سے، اپنے چھوٹوں سے درخواست کر رہا ہے، دعاء کی تاکید کر رہا ہے-

مثلاً ـــــ

۱۔ "طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی تمہاری دعاؤں سے پھر اصلی حالت پر آگئی۔ حسن عاقبت کے لئے دعاء کی ضرورت ہے۔ امید ہے اس دعاء سے میری مدد فرمائیں گے۔"

۲۔ اس عالم میں جنت کے اندر آپ حضرات کا فقیر کو ہم نشین کرے ـــــ مجھے دعاء سے یاد رکھنا ـــــ اپنے مولیٰ سے غافل نہ ہو اور مجھے دعا میں یاد رکھو۔

۳۔ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ (کے ہاں) میری علالت کی وجہ سے حاضری نہیں ہوتی اس کا رنج ہے آپ کے طفیل میری حاضری قبول کرلیں تو ان کا کرم ہوگا۔

۴۔ "میرا خط حضرت مولانا دامت برکاتہم کے پیش کرنے کے قابل کہاں تھا اگر یہ قابلیت ہوتی تو میں خود ان کی جناب میں عریضہ ارسال کرتا۔ ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کردیں۔"

۵۔ فقہی مسئلہ میں حضرت علامہ شاہ مفتی محمد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا "اگر میں نے ناجائز لکھا ہے تو مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔"

۶۔ احقر نے عرض کیا "مجھے امتحان میں کامیاب کرادیجئے"۔ فرمایا میری کیا حیثیت فقیر آپ کیلئے دعا کرے گا آپ میری دعا قبول ہونے کی سفارش کریں۔

۷۔ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ تحریر کرنے کے لئے حضرت کی زندگی کے کچھ حالات و واقعات معلوم کرنے چاہے تو فرمایا۔ "فقیر کے جملہ حالات خاندان مسعودیہ کے لئے باعث شرم ہیں" اور کچھ نہ بتایا۔

حضرت ہندوستان کے مفتی اعظم تھے۔ جلیل القدر عالم تھے۔ عظیم المرتبت شیخ طریقت تھے۔ دنیا بھر میں شہرت تھی بادشاہ بھی احترام کرتے تھے مگر کمال عاجزی یہ

کہ کبھی اپنے لیے ''میں'' یا ''ہم'' نہیں فرمایا ہمیشہ اپنے لیے ''فقیر'' کا لفظ استعمال فرمایا۔
اکثر باپ دادا اپنے بیٹوں، پوتوں کو ''تو'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

''مالک اور افسر اپنے نوکروں یا ماتحتوں کو'' استاد اپنے شاگردوں کو اور پیر اپنے مریدوں کو اس طرح خطاب کرتے ہیں ماشاءاللہ حضرت کے صاحبزادے پوتے نواسے، ماتحت، شاگرد، مرید خادم محبین مخلصین سب تھے مگر کسی کو ''تو'' کر کے خطاب نہ فرمایا ہمیشہ ''آپ'' یا کبھی ''تم'' استعمال فرمایا۔ جو دوسروں کا احترام کرتا ہے وہ عاجزی کا نمونہ ہوتا ہے۔



الامثال للناس واللہ بکل شیء علیم

سخاوت

معاشی و معاشرتی اعتبار سے حضرت علیہ الرحمہ نے ایک خوشحال اور معیاری زندگی بسر کی البتہ محدود وسائل اور فیاضانہ خرچ یہ معمہ حل نہ ہو سکا۔ تو لوگوں نے دست غیب کا نام لے دیا۔ شرفاء دہلی کے گھروں میں جس درجہ کا کھانا پینا رائج تھا وہی معیار حضرت علیہ الرحمہ کے گھر میں تھا۔ متمول گھرانوں جیسا لباس۔ گھر کے کسی بھی فرد کے کپڑے نہ پرانے نہ میلے حضرت علیہ الرحمہ تو روزانہ کپڑے بدلتے ہی تھے اجلے اور نفیس۔ کسی خرچ میں تنگی کا احساس نظر نہیں آیا۔

۱۔ معمول کے اخراجات کے علاوہ ذاتی لائبریری کے لئے قیمتی کتابوں کی خریداری۔

۲۔ کوئی سائل آجائے تو خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ عربی لباس میں آنے والا کچھ زیادہ لے جائے گا۔

۳۔ غریب اقرباء کے کتنے ہی گھر تھے جہاں خموشی سے صاحبزادگان کے ہاتھوں امداد بھجوائی جاتی تھی خصوصاً رمضان میں۔

۴۔ ہر جمعہ کو محفل کے بعد نعت خوانوں کو فراخ دلی سے رقوم عطا فرماتے جس زمانے میں چپراسی کی تنخواہ پچاس روپے ہوتی تھی بیس پچیس روپے ہر ایک کو ہر جمعہ کو (سو سے سوا سو ماہانہ) عطا فرماتے تھے۔ اتنی بڑی رقم سے ایک بڑا کنبہ آسانی اور فراخی گزارہ کرتا تھا۔

۵۔ بقول غلام قادر خاں صاحب زید مجدہٗ ''کتنے ہی گھر حضور کی امداد سے چلتے تھے۔''

۶۔ رمضان المبارک میں ایک ٹوکن دیا کرتے تھے جس کو دکھا کر فراشخانہ کے

ہوٹل سے سحری اور افطار کا کھانا مل جاتا تھا۔

۷۔ مسجد کی دکانوں میں ایک بمبئی ہوٹل تھا اور سامنے شاہجہاں پوری ہوٹل ان کی مہر لگی ہوئی پرچیاں Token موٹی موٹی گڈیاں حضرت علیہ الرحمہ کے پاس ہوتی تھیں۔ مسجد کے دروازہ کٹرہ بڑیان کی طرف جانی پشاوری ہوٹل تھا جہاں صرف حضرت علیہ الرحمہ کے نام لینے سے ہر وقت کھانا مل جاتا تھا۔

کہاں کہاں امدادی رقوم جاتی تھیں پوشیدہ پوشیدہ ماہنامہ منادی دہلی نے لکھا:

خدمت دین کے سلسلہ میں منادی کے طریقہ کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً مالی امداد اس تاکید کے ساتھ بھجواتے تھے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ وصال سے دو تین ماہ پہلے بھی جب درگاہ حضرت محبوب پاک میں انہوں نے آخری حاضری دی تو علالت اور کمزوری کے باوجود دفتر میں تشریف لائے اور تقریباً ایک گھنٹہ تک تشریف فرما رہے اور امدادی رقم پیش کی اور میرے انکار پر فرماتے بھئی یہ تو ''منادی'' کی نذر ہے تم انکار کیوں کرتے ہو ماشاء اللہ منادی سے بہت اچھا کام لے رہے ہو تمہارے والد کی روح بڑی خوش ہوتی ہوگی۔

پاکستان بنا تو راجستھان کے دیہاتوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے بہت سے مسلمان دہلی آ گئے اور فتح پوری مسجد میں پناہ ملی حضرت علیہ الرحمہ نے جب تک وہ رہے ان کی مہمانداری کی۔ اخراجات خود برداشت کیے۔

دہلی میں فسادات ہوئے تو زخمی، غم زدہ اور بدحال مسلمان پہاڑ گنج سبزی منڈی کے علاقوں سے قافلہ بن کر چلے ان کے لئے پہلی پناہ گاہ فتح پوری ہی تھی جس میں حضرت علیہ الرحمہ تیمارداری فرما رہے تھے اور بے دریغ خرچ کر رہے تھے اور یہ مسئلہ حل نہ ہوا کہ آتا کہاں سے ہے؟ اول تو پوچھنے کی جرأت کس کو اگر پوچھ ہی لیا تو ایک ہی

جواب تھا "اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے"۔

اوقاف کمیٹی نے حضرت علیہ الرحمہ کو جھکانے کے لئے ۶ ماہ تک نذرانہ روکا انہیں حیرت ہوئی کہ حضرت علیہ الرحمہ کے خرچ کرنے کا انداز وہی رہا بالآخر کمیٹی جھکی اور ادب سے نذرانہ پیش کیا جانے لگا۔ایک بار اوقاف کے ناظر نے اظہار ہمدردی کیا کہ حضرت ایک درخواست لکھدیں تو نذرانہ کی رقم جو بہت ہی مختصر ہے بڑھوادوں حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا بفضلہٖ میرا آسانی سے گزارا ہوجاتا ہے مجھے اضافہ کیلئے درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دربانوں، موذنوں اور فراشوں کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے فرمانروا میر عثمان علی خاں سے جامع مسجد کے شاہی امام سید احمد دہلوی نے ملاقات کی نواب صاحب نے 500 روپے وظیفہ مقرر فرمادیا۔خواجہ حسن نظامی نے بڑی کوشش کی کہ حضرت علیہ الرحمہ بھی ایک ملاقات کرلیں 500 ماہانہ وظیفہ مل جائے گا زندگی عیش سے گزرے گی (یہ رقم آج کے تقریباً پچاس ہزار ہوتے ہیں) مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔مولانا منور حسین سیف الاسلام نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ خواجہ صاحب کو بڑا ملال تھا تو مولانا سیف الاسلام نے کہا مولانا مظہر اللہ تو ضرورتمندوں پر خود ہزاروں خرچ کردیتے ہیں انہیں 500 کا لالچ نہیں تو خواجہ صاحب نے پوچھا آخر اتنا روپیہ مولانا مظہر اللہ کے پاس کہاں سے آتا ہے؟

اکثر مشائخ، مریدین سے نذرانہ لیتے ہیں۔احقر نے پندرہ سال میں کبھی ایک بار بھی نذرانہ لیتے نہ دیکھا، قبول کیا تو محتاج وضرورت مند کو خاموشی سے دے دیا۔

حضرت علیہ الرحمہ جب پاکستان آئے تو بہت سے حضرات نے نذرانے پیش کئے

لیکن جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حاضرین میں سے جن کو حقدار سمجھا مٹھی بھر بھر کر ساری رقم تقسیم فرمادی۔

ایک صاحب نے حضرت علیہ الرحمہ کو کچھ رقم منی آرڈر سے بھیجدی تو ناراضگی کا اظہار فرمایا تم نے منی آرڈر کی تکلیف کیوں کی۔ مجھ پر گراں ہوتا ہے ہرگز ایسا نہ کیا کرو۔

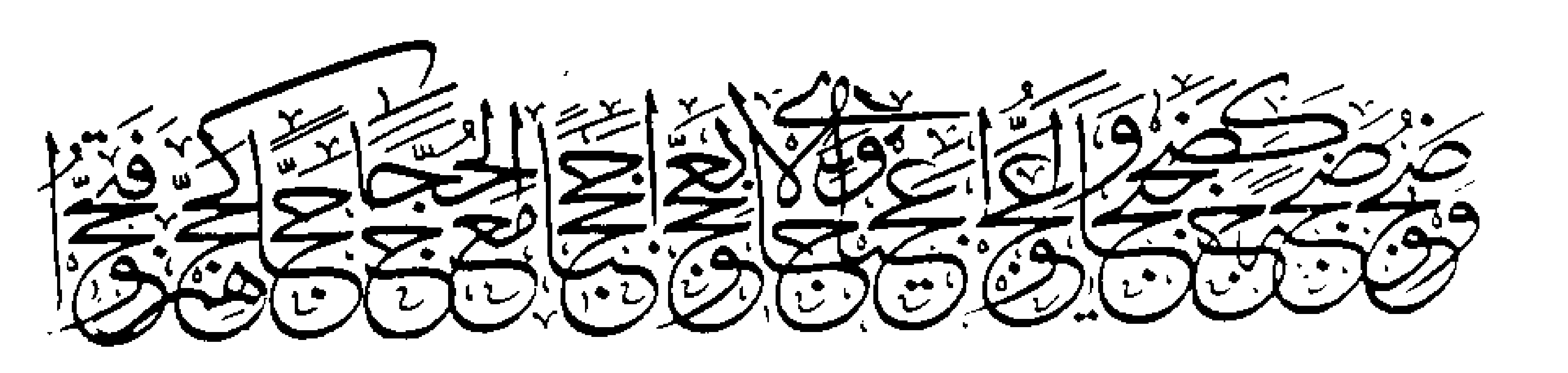
پاکستان سے ایک صاحب نے کچھ پیش کرنا چاہا تو تحریر فرمایا ''رقم وہیں کسی غریب کو دے دیا کریں اور اس کا ثواب مجھے پہنچادیا کریں۔

ایک صاحب کو لکھا : جو کچھ یہاں بھیجنا چاہتے ہو خود ہی مستحق کو دے دینا۔

ایک صاحب کو لکھا : میری طرف سے کسی غریب کو خود ہی دے دیا کرو۔

ایک صاحب کو لکھا: ملازمت کی حالت میں تم دوکا نداری کس طرح کروگے ورنہ میں رقم دیدیتا............ نہ معلوم کتنے لوگوں کو رقمیں دیتے رہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے فیض کا یہ عالم ہے کہ الحمداللہ آپ کے مریدین بھی ماشاءاللہ سب ہی کھاتے پیتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے ذاتی مکانوں میں رہتے ہیں اور اپنے کاروبار کرتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک بار فرمایا ''میری دعا ہے کہ میرے احباب (مریدین) خوشحال رہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب یکسوئی سے متوجہ رہیں۔''



کم گوئی

مَن کان یومن باﷲ والیوم الآخر

فلیقل خیراً او یصمتo (الحدیث)

جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا

ہے وہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔

کم بولنے اور زبان کو قابو میں رکھنے کے بارے میں کئی احادیث طیبہ ارشاد ہوئی ہیں یہاں تک کہ ایک حدیث مبارکہ میں زبان کو قابو میں رکھنے والے کے لئے جنت کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ ظاہر ہے انعام جتنا بڑا ہوتا ہے کام بھی اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسا کامل اتباع کیا کہ نظیر مشکل ہے۔

آپ نے اہلِ خانہ، مریدین، مخلصین سب کی تربیت فرمائی۔ آپ نے ہدایت فرمائی۔ ''ضرورت کے وقت اور اس کے مطابق کلام کے سوا سکوت اغلب رہے''۔

ایک بار احقر سے فرمایا ''ایک بار سبحان اللہ کہنے کا انعام دیکھو گے تو کہو گے کہ اتنی مہلت مل جائے کہ دنیا میں جا کر پھر ایک بار سبحان اللہ کہہ سکوں مگر مہلت نہیں ملے گی اس لئے اپنے ایک ایک لمحہ کو کام میں لاؤ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو''۔

ایک مثال:۔ حضرت علیہ الرحمہ سرہند تشریف لے جا رہے تھے احقر نے ہمراہ جانے کی خواہش کی تو جواب ملا ''چلیں'' پھر قاری عرفان اللہ مظہری زید مجدہٗ نے اشارہ کیا احقر نے پھر عرض کیا کہ ''حضور! قاری عرفان اللہ بھی اجازت چاہتے ہیں'' فرمایا ''اچھا'' اس سے کم الفاظ ممکن نہ تھے اور جواب مکمل تھا۔

حضرت علیہ الرحمہ بسیار گوئی کی ہلاکت سے واقف تھے۔ اس مرض کے اسباب پر

بھی گہری نظر تھی کہ کس طرح احساس کمتری کا شکار ---- کردار کے اعتبار سے کھوکھلے ---- اپنی خامیوں کی پردہ پوشی کے لئے بے چین ---- خود نمائی کے طلب گار ---- زیادہ بولا کرتے ہیں اور گناہ سمیٹتے ہیں مشہور قول ہے: مَنْ کَثُرَ کَلَامُہٗ فَکَثُرَ ذُنُوْبُہٗ- (زیادہ باتیں کرنے والے زیادہ گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں) جب کہ خاموشی کے فائدے انمول ہیں کہ ''خاموشی بغیر مشقت عبادت ہے'' ---- ''بغیر زیور زینت ہے'' ---- ''بغیر حکومت ہیبت ہے'' ---- یہ بھی مشہور ہے کہ خاموشی عالم کی زینت اور جاہل کی پردہ پوشی ہے- کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی تعداد ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کی تعداد سے کم تھی-

ایک خاص وصف یہ کہ عموماً جب تک کوئی نہ پوچھے خود نہیں فرماتے تھے- کبھی واقعات نہیں سناتے تھے- کبھی اپنے روحانی احوال کی طرف اشارہ بھی نہیں فرماتے تھے- سفر کے بعد سفر کے واقعات سب ہی سناتے ہیں- حضرت علیہ الرحمہ نے ایسا کبھی نہ کیا ---- بوڑھے حضرات جوانوں اور بچوں کو اپنے بیتے دنوں کی یادیں سنا کر بڑا سکون محسوس کرتے ہیں ---- کبھی ایک جملہ زبان مبارک پر نہ آیا آپ کی عمر شریف تو ۸۰ سال سے تجاوز کر گئی تھی ---- کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ یہ خموشی بکوشش طاری کی ہے ---- چہرہ انور نہایت پرسکون تھا-

جوامع الکلم:

نور الانوار سید الابرار علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا ایک خوبصورت لقب ''جوامع الکلم'' ہے- آپ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ کلام فصیح و بلیغ تو ہوتا ہی تھا نہایت جامع بھی ہوتا تھا بہت بڑی بات کو انتہائی کم الفاظ میں ادا فرما دیتے تھے اور سننے والے کی سمجھ میں بات آ جاتی تھی-

یقیناً یہ بڑا مشکل کام ہے- اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا فیض تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کواس میں ملکہ حاصل ہوگیا- آپ جب بھی گفتگو فرماتے تو بہت کم الفاظ استعمال فرماتے - جب تحریر فرماتے تو یہ وصف نمایاں رہتا- چنانچہ آپ نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے ان کے جوابات جامع مختصر اور سلجھے ہوئے انداز میں ہیں فتاویٰ مظہری (مطبوعہ) شاہد ہیں جن سوالات کے جواب حضرت علیہ الرحمہ نے ایک دوسطروں میں مکمل دیدیئے وہ سوال دوسرے مفتی صاحبان اس قدر کم الفاظ میں نہیں دے سکیں گے-

یہی حال خطوط کا ہے- لکھنے والا جو یاد آتا جاتا ہے لکھتا جاتا ہے کئی کئی صفحے بھر دیتا ہے- جواب چند سطروں میں پاکر مطمئن ہے کہ میرے مسئلے حل ہوگئے- برادر طریقت غلام قادر خان زید مجدہٗ اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۱۱ جون ۱۹۹۰ء بنام پروفیسر حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ میں نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی شریف خط لکھا- تو میں عشاء کی نماز کے بعد حضور کی خدمت میں خط لکھنے بیٹھا اور برابر لکھتا رہا یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی'' - نہ معلوم ان ہزاروں خطوط لکھنے والوں میں غلام قادر خاں صاحب جیسے کتنے ہوں گے جو لذت خطاب حاصل کرتے تھے لکھتے چلے جاتے تھے- اوران کے جواب کتنے مختصر ہوتے تھے- الحمد للہ! مکاتیب مظہری جلد اول ودوم شائع ہوچکی اس سے بڑھ کر شہادت کیا ہوسکتی ہے-

ایک وصف ''حسن کلام'' بھی تھا-

آواز دھیمی- لہجہ میں متانت اور شفقت کی آمیزش- کبھی کسی سے ترش روئی سے گفتگو نہ فرماتے تھے- نہ کسی پر غصہ ہوتے دیکھا- نہ کسی جملہ میں طعن ہوتا- یا کوئی دلخراش بات- لوگ مناظرہ کرنے آئے- مقابلہ کرنے آئے- مگر کبھی مزاج پر اثر نہ ہوا- کوئی رندانہ انداز سے کمرہ میں داخل ہوا تھوڑی دیر بیٹھا اور غلامانہ انداز سے چلا گیا- حضرت علیہ الرحمہ نے

فخر نہ فرمایا۔ اپنے لئے ''ہم'' استعمال نہ کیا۔ حضرت کی تحریر سے بھی ثابت ہے عموماً اپنے لئے فقیر کا لفظ استعمال فرماتے اسی طرح گفتگو میں کبھی تعلّی نہ فرمائی۔ مریدین، بچے، شاگرد، ماتحت عملہ کسی سے کبھی ''تو'' کرکے بات نہیں کی۔ نہ کسی کو ڈانٹا نہ زور سے بولے۔ وہ جانتے تھے ''اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتُ لَصَوْتَ الْحَمِیْر'' حضرت علیہ الرحمہ عموماً کبھی جذباتی نہ ہوتے البتہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس انداز کا ہو یا کسی عزیز یا مرید و مخلص یا عالم کی موت کا سن کر چہرہ مبارک مغموم ہو جاتا کبھی چند آنسو بھی نکل آتے۔ مسرت کے موقعہ پر چہرہ انور پر عجیب سی چمک آجاتی لیکن کبھی قہقہہ نہ لگایا۔ خوشی کے مواقع پر بھی آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ ادھر لب کشائی ہوئی اور حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔



معمولات مبارکہ

کائنات کو چلانے والا کسی کو نظر آئے یا نہ آئے دنیا کے کاموں کا چلنا تو سب کو نظر آرہا ہے۔ ہر سوز ندگی رواں دواں ہے۔۔ چاند کا نکلنا نظر آرہا ہے۔ سورج کا ڈوبنا نظر آرہا ہے۔ ہر مظہر فطرت كُلٌّ يَجْرِىْ لِاَ جَلٍ مُّسَمًّى اپنے وقت پر کام کررہا ہے۔ یہی فطرت کا منشا ہے۔ یہی نظام کائنات ہے۔ اسی میں زندگی ہے۔ اسی میں پائندگی ہے۔ اسی میں بندگی ہے۔ اسی میں تابندگی ہے۔

بچپن سے ہی حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے شعور میں پختگی کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ مزاج میں متانت اور سنجیدگی اس قدر گویا Grey head on Green Shoulders کا محاورہ صادق آتا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوت مشاہدہ بھی قوی پائی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں غور وفکر سے یہ راز پالیا یا اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں الہام فرمادیا کہ کاروبار زندگی احسن طریقہ پر چلانے کے لئے نظم وضبط انتہائی ضروری ہے۔ بہترین فوج بہتر Discipline سے بنتی ہے۔ بہترین حکومت ''عدل'' سے چلتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی میں نظم وضبط حیرت انگیز طریقہ پر غالب نظر آتا ہے نجی معاملات میں پنج وقتہ نمازوں کی طرح اوقات مرتب تھے مثلاً

۱۔ تہجد سے اشراق تک۔۔۔۔عبادات

۲۔ اشراق تا ظہر۔۔۔۔ اشراق کے بعد ناشتہ۔ صاحبزادیوں۔ پھر پوتوں کو پڑھانا تقریباً ساڑھے دس بجے تک ان ہی اوقات میں عورتوں کو حاضر ہونے کا موقعہ ملتا۔ مسائل پوچھنے دعا یا کسی کام کے لئے بچیوں کی موجودگی میں اگر کوئی نہ آیا تو تکنیکی کام۔ دستکاری وغیرہ مثلاً کتاب کی جلد بنانی بچیوں کی کتابیں درست کرنا کتابوں پر

کاغذ چڑھا دینا یا کسی چیز کی مرمت کرنا وغیرہ۔ بیک وقت دو کام کرتے رہتے تھے پڑھا کر فارغ ہوئے تو غسل، لباس تبدیل کرنا، کھانا تناول فرمانا، لکھنے پڑھنے کے علاوہ جو کام ہوں انجام دینا ۱۲ بجے مسجد تشریف لے جاتے اپنے حجرہ مبارکہ میں کچھ دیر قیلولہ فرماتے۔

۳۔ ظہر تا عصر---- نصف وقت لوگوں کے لئے کوئی مسائل پوچھنے آتا کوئی ملاقات کے لئے، کوئی دعا تعویز کے لئے وغیرہ ساڑھے تین بجے حجرہ بند ہو جاتا بیرونی ڈاک فتاویٰ اور خطوط کے عصر تک جواب تحریر فرماتے رہتے۔

۴۔ عصر تا مغرب---- (ننھے منوں کی عید) عصر کے بعد گھر تشریف لے جاتے تو چھوٹے چھوٹے پوتوں پوتی اور قرآن شریف پڑھنے والے بچے (۱۰ سال کی عمر تک کے بعض مریدین کے بچے گھر پر پڑھنے آتے تھے) حضرت علیہ الرحمہ سب کی خاطر مدارات کرتے تھے بچوں کی پسند کی کوئی ایک چیز روزانہ سب کو عنایت فرماتے مثلاً کبھی بسکٹ کبھی دال سیو یا کوئی پھل وغیرہ سب بچے کھیلتے حضرت علیہ الرحمہ بہت لطف اندوز ہوتے مگر ساتھ ساتھ ان کی پیار سے تربیت فرماتے رہتے تہذیب سکھاتے رہتے یہی اس کھیل کا پس منظر ہوتا تھا۔

۵۔ مغرب تا عشاء---- مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا تناول فرماتے۔ پھر بچوں کا سبق سنتے صاجزادیوں، صاجزادوں کا تعلیمی کام چیک کرتے۔ جب پوتے پوتیاں پڑھنے کے قابل ہوئیں تو انہوں نے جگہ لے لی عشاء کے بعد مطالعہ فرماتے تقریباً ۱۰-۱۱ بجے استراحت فرماتے۔ یہ مستقل معمولات تھے۔

نظم وضبط میں اہم ترین چیز وقت ہے۔ یہ دولت ہے اور اس کا بھی حساب ہوگا اس لئے ایک لمحہ بھی ضائع ہونے نہیں دیتے تھے کچھ ثانوی کام بھی ذہن میں رہتے تھے کہ

عزیز وافر تمیز ادامکم الی غایۃ ما تمناکم

السلام علیکم وتسلیمی لدیکم - فقیر بفضلہ تعالیٰ بہمہ وجوہ بخیریت ہے۔ میاں سعید احمد سلمہم کی روانگی کی کیفیت اور تاریخ تمہارے خط سے معلوم کر کے مسرور ہوا - تمہارا خط تو کوئی ایسا میرے پاس نہیں رہا جس کا جواب نہ دیا گیا ہو - خطوط کی کثرت کی وجہ سے بعض جواب میں تاخیر ضرور ہو جاتی ہے - تین روز ہوئے ڈاک میں سے حلیہ گیا تھا ان ایام کے خطوط نے اور پریشان کر رکھا ہے پھر اگر پانچ چھ کا جواب لکھتا ہوں تو اتنے دس اور آجاتے ہیں - یوں اور بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے - اب جتنا خطوط سامنے رکھے گئے ان سب کا جواب دے دیا لیکن فتاوی کا زیادہ لحاظ رکھا اور سے جو وقت بچتا ہے اس میں خطوط کا جواب دیا جاتا ہے - ایک نقشہ ارسال کیا تھا معلوم وہ پہنچا یا نہیں سب عزیز و متعلقین کو بعد قدر مراتب سلام و دعا کہہ دیں فقط والسلام

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

اگر معمولات میں سے کہیں چند لمحے ہاتھ آ جائیں تو ان کو بھی مصرف میں لے لیا جائے۔ اوقات کے چھوٹے بڑے حصوں کو اس طرح ترتیب دیا ہوا تھا جیسے مالا جس میں چھوٹے بڑے موتیوں کو ترتیب سے پرو دیا جائے تو حسینان جہاں گلے سے لگا لیتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نہ ایسے عالم دین تھے جن کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ کوئی کام عار معلوم ہوتا ہو۔ نہ ایسے پیر طریقت تھے جو مریدین سے خدمت لینا اپنا حق سمجھتے ہوں۔ اتباع سنت کے پیش نظر اپنا کام خود کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان کو گھر والوں کی سہولت کے لئے کچھ کام کرنا اچھا لگتا تھا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے کمرہ کی جھاڑو دینا صفائی بستر وغیرہ کی درستگی بھی فرما لیتے تھے آپ کو کپڑا سینا۔ کروشیئے سے بنا۔ جوتے مرمت کرنا۔ چارپائی بننا، کھانا پکانا، کتابوں کی جلدیں بنانا۔ گھڑی گھنٹہ کی مرمت۔ گلکاری۔ بھی آتا تھا۔

کام۔ کام۔ کام۔ اس شوق کا اثر تھا کہ اکثر ایک وقت میں دو کام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ خاص طور پر جب بچوں کو سبق یاد کرانا، ان کا سبق سننا ہوتا تو ان کو بتاتے رہتے اور ہاتھ سے بھی کچھ کرتے جاتے تھے۔ کاغذ کی پھول پتیاں ہی بناتے رہتے۔

ایک بار حضرت علیہ الرحمہ، مفتی کفایت اللہ مرحوم کے گھر تشریف لے گئے۔ [1]مفتی صاحب موصوف چارپائی بن رہے تھے جلدی سے چارپائی پر چادر وغیرہ ڈال دی اور حضرت علیہ الرحمہ کو اندر بلا لیا تھوڑی ہی دیر میں حضرت نے اندازہ لگایا اور مفتی صاحب سے فرمایا آیئے جو کام باقی رہ گیا ہے وہ بھی پورا کر لیں اور باتیں بھی کرتے جائیں۔ مفتی صاحب مرحوم نے کچھ تکلف کیا پھر تعجب سے پوچھا کیا چارپائی بننا آپ کو بھی آتا ہے؟ پھر دونوں حضرات مل کر بننے لگے حضرت علیہ الرحمہ نے ایک خوبصورت ڈیزائن ڈال دیا مفتی کفایت اللہ حیران رہ گئے۔

---

[1] مفتی صاحب آخر میں اپنے سابقہ عقائد سے تائب ہو گئے تھے اور یہ بات کافی مشہور ہو گئی تھی۔ ان کی وصیتیں اس پر شاہد ہیں۔

مظہری

حضرت علیہ الرحمہ اپنے ہاتھ سے کروشیئے سے ٹوپی بن لیا کرتے ایک صاحبزادی صاحبہ کو بھی سکھا دیا تھا کبھی وہ بھی بن کر دیتی تھیں اس کے لئے حضرت نے ایک قالب بنوایا ہوا تھا خود ٹوپی دھو کر کلف دیتے اور قالب پر چڑھا دیتے۔ آج کل پاکستان بلکہ سب ہی ملکوں میں جالی دار بنی ہوئی ٹوپیاں استعمال ہوتی ہیں مگر ان میں باڑھ (اونچائی نہیں ہوتی سر پر چپک جاتی ہیں) حضرت جو ٹوپی زیب سر فرماتے تھے اس کی اونچائی کلف کے ذریعے قائم رہتی تھی اور بہت خوشنما لگتی تھی۔

حضرت علیہ الرحمہ کے کتب خانہ میں دس ہزار سے زائد ضخیم کتابیں تھیں ان میں کچھ ایسی بھی تھیں جو وراثتاً ملی تھیں کچھ نایاب اور قلمی تھیں کچھ پرانی ہی مل سکی تھیں اس لئے ان میں مرمت کا کام نکلتا ہی رہتا تھا پھر سجانے کے لئے تو نہ تھیں خود مطالعہ فرماتے رہتے صاحبزادگان اور بعض علما بھی استعمال کرتے تھے۔

مسجد کی حفاظت کے لئے ۱۹۴۷ کے فسادات میں حضرت علیہ الرحمہ نے مسجد میں رہائش اختیار کر لی ان دنوں آپ خود ہی اپنا کھانا پکاتے تھے۔ بلکہ ۲-۳ خادم جو مسجد میں پہرہ دیتے تھے ان کو کھانا کھلا دیتے تھے۔

کبوتروں کی کونڈیاں روزانہ خود دھوتے اور تازہ پانی ڈالتے باجرہ بھی صاف کر کے کھلاتے تھے۔

خوشنویسی کا فن بھی آتا تھا کبھی کبھی کوئی عمدہ رباعی اردو، فارسی یا عربی کی پسند آئی تو تحریر فرمادیتے جو بطور کتبہ آویزاں کی جاسکتی تھیں، کتابوں کے نام وغیرہ خوشخط تحریر کرتے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طبیعت بڑی جدت پسند تھی۔ تکنیکی یا مکینیکل Mechanical کاموں میں ذہن خوب کام کرتا تھا اگر دینی ذمہ داریاں نہ اختیار کرتے تو نہ معلوم کتنی چیزیں ایجاد کرتے کیسی کیسی مشینیں بناتے ان کے

پاس بہت سی قسم کے اوزار تھے معلوم ہوتا ہے یہ حضرت کی Hobby تھی اس میں راحت ملتی تھی ایک بار احقر سے ارشاد فرمایا ''جب قلب کی حالت خراب ہوتی ہے تو میں خود کو مکینیکل کاموں میں لگا لیتا ہوں، افکار کو بھولنے کی یہ ایک کوشش یا حیلہ ہوتا ہے'' اللہ اکبر! خالق کائنات کی صناعی پر غور کرنے والے ذہن معمولی حالت میں ہوتے ہیں تو کیا کچھ تخلیق کر دیتے ہیں، کون یقین کرے گا کہ آج جس کمپیوٹر کے ذریعے دنیا کے بڑے بڑے نظام چل رہے ہیں اس کا ایک تصوّر حضرت علیہ الرحمہ نے ۶۰ سال پیشتر پیش کر دیا تھا۔ فلیٹوں کا تعارف کراتے ہوئے اس میں کبوتروں کو ٹھہرایا تھا۔ دھوپ گھڑی۔ پتھر پر بنی ہوئی کبھی غلط ٹائم نہیں بتاتی۔[۱] نہ جانے کیا کیا بنا دیا تھا۔

احقر کی درخواست پر حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے چند ایجادات کا ذکر اپنے دست مبارک سے لکھ کر دے دیا بعض باتیں زبانی بتائیں اس کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

''حضرت کی طبیعت ایجاد پسند تھی اور کفایت پسند (بھی) صفحات پر لائنیں ڈالنے کے لئے گتے کا ایک فرما بنایا تھا جو صفحہ کے طول و عرض کا تھا۔ جس طرح لائنیں مطلوب ہوتیں ایسا ہی فرما بنایا جاتا، ایک فرما یوں بنایا کہ پہلے گتے میں مطلوبہ فاصلہ کے خانوں کے لئے مطلوبہ فاصلہ پر دھاگا لگایا عمودی پھر اسی طرح افقی دھاگے لگائے اس طرح دھاگوں سے فرما تیار کیا اب جب صفحہ پر لائنیں ڈالنی ہوں تو اس فرمے پر صفحہ رکھ کر ہاتھ سے دباتے جاتے اور لائنیں ابھرتی جاتیں اس طرح مطلوبہ خانوں کا صفحہ تیار ہو جاتا اس طرح حضرت نے قلم سے لائنیں ڈالنے کی کلفت سے بچا لیا۔''

جس زمانے میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے علم توقیت کی تحصیل کر رہے تھے (۱۹۴۰/۱۹۴۶ء) اس زمانے میں حضرت نے یہ علم سکھانے کے لئے جمع ضرب وغیرہ

۱۔ ان میں سے دھوپ گھڑی جامع مسجد شاہجہانی میں بھی لگی ہوئی ہے۔ کئی اور ایجادات احقر نے خود دیکھی ہیں۔

کے لئے Calcualtor ایجاد کئے یہ ٹین کے بنے ہوئے خیمہ کی شکل کے تھے تقریباً ٦ انچ لمبے اور ۵ انچ اونچے اس کے اندر ایک ریل ہوتی جس پر مختلف اعداد ہوتے یہ ریل کپڑے کو کلف دے کر بنائی تھی- اس ایجاد کے سامنے (کے حصے میں) آدھا انچ جگہ کھلی رہتی جس کے سامنے 1 سے 0 تک مستقل اعداد ہوتے- جب ریل گھمائی جاتی تو مطلوبہ نمبر آنے کے بعد لکھے ہوئے اعداد کو جمع کیا جاتا یا تفریق پھر باقاعدہ عمل کیا جاتا اور مطلوبہ تاریخ اور دن کا مطلوبہ وقت معلوم ہوتا- ایک تاریخ کے ایک دن کے وقت معلوم کرنے میں ایک صفحہ کا عمل ہوتا-

حضرت سے جب یہ پوچھا گیا کہ ریل میں جو اعداد ہیں وہ تو آپ نے حل کر کے مرتب کئے ہیں- ہم چاہتے ہیں کہ شروع سے عمل کریں- حضرت نے فرمایا یہ عمل تو بہت لمبا ہوگا چنانچہ ہماری خواہش پر جب پھر عمل کیا گیا تو تین چار صفحات میں آیا جبکہ حضرت نے ایک صفحہ میں مختصر فرما دیا تھا-

حضرت بیٹوں پوتوں کو ابتداء میں خود پڑھاتے اور لکھنا سکھاتے- لکھنے کے لئے اس زمانے میں تختیاں ہوتی تھیں جن پر کٹ خنوں میں حروف تہجی لکھ کر بچوں کو دیتے وہ اس پر ہاتھ پھیرتے- استاد کو دکھاتے پھر تختی کو دھو کر ملتانی لگا کر سکھاتے پھر یہی عمل کرتے اس کے بعد بچے خود لکھنے لگتے-

حضرت نے تختی کے عمل سے یوں بچایا کہ لوہے کے ایک فریم میں حروف تہجی خوبصورت لکھ کر رکھ دیتے یہ فریم اوپر سے کھلا ہوتا تاکہ شیشہ نکال لیا جائے- اوپر سے شیسہ چڑھا دیتے- پھر بچہ اس شیشہ پر حروف تہجی دیکھ دیکھ کر ہاتھ پھیرتا- بعد میں شیشہ نکال کر حروف تہجی کو دیکھ لیا جاتا- اس طرح بچوں کی محنت بھی بچ جاتی ان کا وقت بھی بچ جاتا جو تختی کو دھونے اور سکھانے میں لگتا پھر ان بچوں کا خط بھی خوبصورت ہوتا آج کل سوائے ضیاع کے کچھ نہیں بچے تو بچے استادوں کو لکھنا نہیں آتا-

حضرت علیہ الرحمہ کو کبوتروں، پرندوں سے محبت تھی- بالعموم لوگ کبوتروں کے لئے کا بک بناتے ہیں- حضرت نے کبوتروں کے لئے خوبصورت دومنزلہ فلیٹ بنائے جب کہ دہلی میں اس زمانے میں فلیٹ قسم کی کوئی عمارت بھی نہ تھی- یہ فلیٹ ایک ایک کمرہ کے ہوتے (دروازے محراب نما) باہر برآمدہ اسی طرح دوسری منزل- یہ فلیٹ حضرت اپنے دست مبارک سے بناتے لکڑی پر لوہے کی چادر پھر ان پر سفید روغن کیا جاتا ہر کمرہ میں ایک جوڑا- جب کبوتر اپنے اپنے فلیٹ سے باہر جھانکتے تو بہت بھلے معلوم ہوتے- آج کل مکینوں کے لئے رہنے کی جگہ نہیں ملتی۔ حضرت نے پرندوں کی آسائش کا اتنا خیال فرمایا ان کے لئے فلیٹ بنائے سبحان اللہ۔

گھر کی دوچھتی پر پتھر کی دھوپ گھڑی لگی تھی جو حضرت نے لگائی تھی اور بالکل صحیح وقت دیتی تھی- تقریباً ۳-۴ من کی ہوگی- یہ سنگ سرخ کی تھی اور سنگ مرمر کا نصف دائرے والا پتھر لگا تھا جس کے بیچ میں ایک زاویہ نما تانبے کی پلیٹ سنگ مرمر کے پتھر پر نصف دائرے میں دائیں سے بائیں گھنٹوں کے ہندسے کندہ تھے- ہر ہندسے کے درمیان پاؤ گھنٹے- آدھے گھنٹے کی لکیریں کندہ تھیں- جب سورج کی روشنی پڑتی تو اس کا سایہ ایک خاص انداز سے جب کسی ہندسہ پر پڑتا یا ہندسے کے بعد کسی لکیروں پر پڑتا تو وقت ظاہر ہوتا- یہ ایسی دائمی گھڑی تھی جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہی نہ تھا-

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے احقر کو سنایا ''ایک روز وہ حضرت قبلہ کے پاس بیٹھے سبق سنا رہے تھے حضرت نے اسی دوران ایک کاغذ کو تہہ بہ تہہ موڑا اور قینچی سے اس کے کنارے تراشے پھر اس کاغذ کی تہہ کھول دیں کاغذ پر چنبیلی کی خوبصورت بیل کٹنگ سے بن گئی تھی جب سبق سنا چکے تو حضرت نے وہ کاغذ پر بنی ہوئی بیل صاحبزادہ گرامی کو دی اور فرمایا کہ ''اپنی والدہ کو یہ دے دو یہ بیل کاڑھ لیں-''

کبھی کوئی اپنا معاملہ تفصیل سے سناتا تو اس دوران بھی کوئی شغل فرماتے اور اس سنانے والے کی طرف بھی توجہ رہتی-

بچہ بہت جلد قرآن پڑھنا سیکھ جائے اس کے لئے ٹین کی دو گول پلیٹیں ہوتیں ایک تقریباً ۸ انچ دوسری تقریباً ۵ انچ درمیان میں ایک سوراخ کر کے مشین اسکریو کے ذریعے جوڑا گیا تھا دونوں پلیٹوں پر کاغذ کو خانے بنا کر چپکایا گیا تھا پھر حروف تہجی مختلف شکلوں میں اس میں لکھے ہوئے تھے اوپر کی چھوٹی پلیٹ کو ذرا سا گھمانے سے تمام خانے بدل جاتے ایک حرف دوسرے حرف سے جوڑ کر پڑھنے کی مشق کی جاتی رہتی ہے یہ بچوں کا تعلیمی کھلونا تھا احقر نے مکرم میاں سلمہٗ (الحاج علامہ ڈاکٹر پروفیسر مفتی محمد مکرم احمد شاہ نقشبندی قادری چشتی سہروردی امام وخطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری دہلی نبیرہ سجادہ نشین شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو دیکھا اس کھلونے سے کھیلتے اور نئے سیٹ بنا کر حضرت علیہ الرحمہ کو بار بار دکھاتے رہے آٹھ دن بعد ان کو قرآن شریف شروع کرادیا گیا تھا ورنہ بچوں کو بعض اوقات ''بغدادی قاعدہ'' یا ''یسرنا القران'' پڑھنے اور یاد کرنے میں سال بھر لگ جاتا ہے کیسی عجیب ایجاد تھی بچے کھیل کھیل میں ہفتہ بھر میں قرآن پڑھنے کے قابل ہو جاتے کوئی بڑی عمر والا ایک دن میں سیکھ سکتا ہے۔

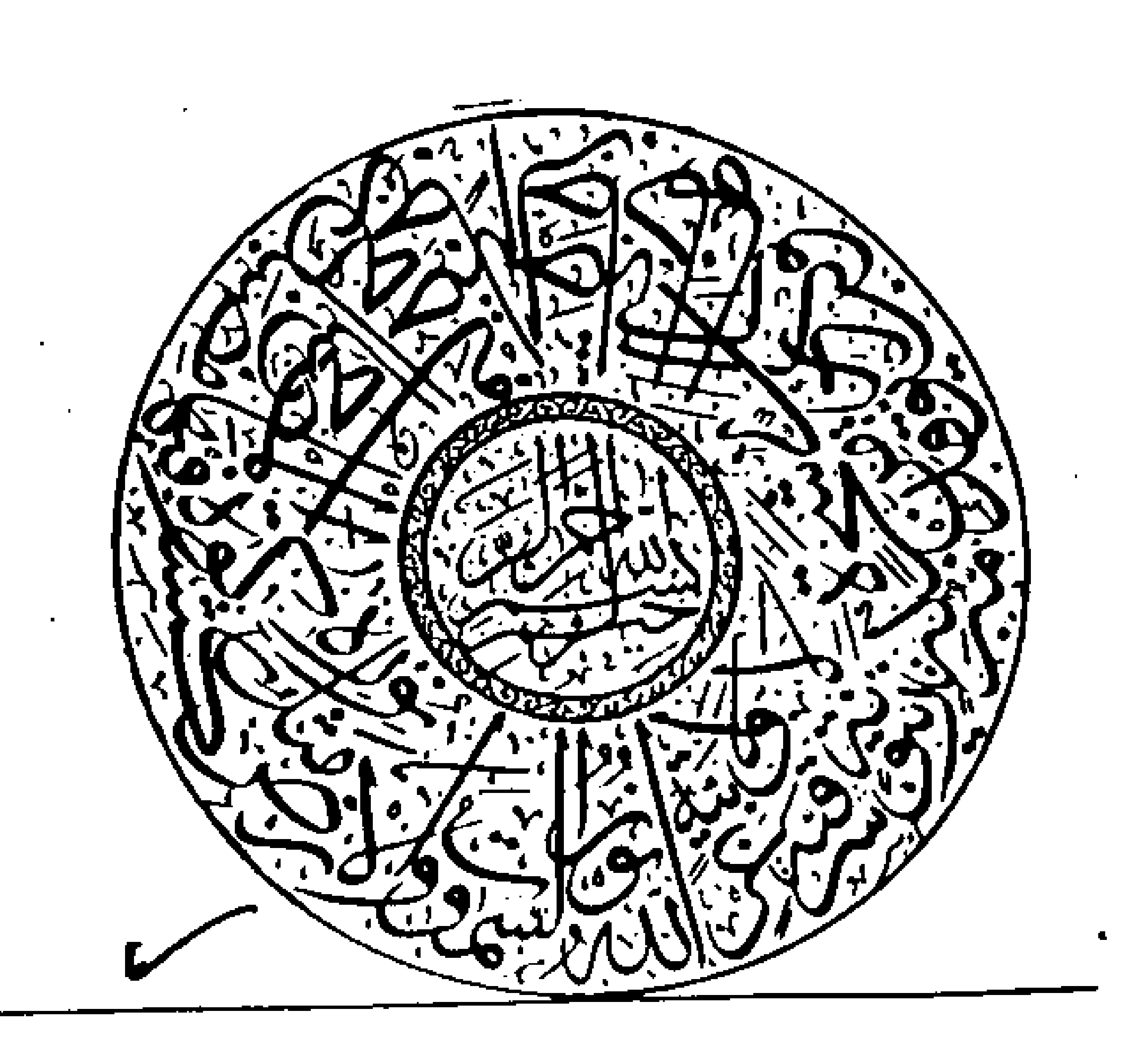
اسی طرح بہت سے معاملات ہیں کون یقین کرے گا۔ اگر کوئی شخص ۲۴ گھنٹہ کام کرتا رہے نہ سوئے نہ آرام کرے وہ بھی اتنا کام نہیں کر سکے گا پڑھنے پر آئے تو دس ہزار ضخیم کتابیں ذاتی لائبریری میں ہیں سب پڑھ چکے بعض کو بار بار پڑھا کرتے اور اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کتنی کتابیں پڑھیں ۲ لاکھ فتووں کے سوالات پڑھنا سمجھنا ایک لاکھ خطوط پڑھنا ان میں اکثر کئی کئی صفحات کے پھر ان کے جوابات لکھنا۔ لاکھوں نہ سہی تو ہزار ہا مریدوں کی تربیت، ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان کرنا، ماشاء اللہ ۱۶ بچوں کی تعلیم و تربیت ۱۳ صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی شادی کرنا[1] اور ۱۳ سمدھیانوں کو

---

[1] ۔ دو صاحبزادے جوان کنوارے انتقال فرما گئے ایک صاحبزادی کی شادی حضرت کے وصال کے بعد ہوئی۔ مظہری

سنبھالنا اپنے ددھیال، ننھیال اور ۳ سسرالوں کے رشتہ داروں کو نبھانا۔ ہم عصر علما و مشائخ سے تعلق قائم رکھنا تقریبات میں شرکت کرنا، عبادات، ریاضات، مجاہدات صاحبزادگان کی تعلیم کی نگرانی جب وہ مدرسہ میں داخل ہو گئے تو امتحان کی تیاری کرانا نوٹس بنا کر دینا صاحبزادیوں کی دینی تعلیم پھر پوتیاں بڑی ہو گئیں ان کی تعلیم و تربیت کرنا شاگردوں کو پڑھانا۔ احقر جس زمانے میں پڑھتا تھا حضرت علیہ الرحمہ کی عمر شریف ۸۰ کے لگ بھگ ہو گی۔ بظاہر محال نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک شخص میں اتنی خوبیاں جمع کر دے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد





دنیا سے بے رغبتی
(ردّی کی ٹوکری)

حضرت علیہ الرحمہ کے پاس روزانہ کافی خطوط آتے تھے ان کے جواب لکھ کر یہ فارغ شدہ خطوط ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے تھے پھر ہر جمعرات کو یہ خطوط گھر لے جا کر جلا دیئے جاتے تھے۔ ان میں بعض شادی کارڈ اور دیگر تقریبات کے دعوت نامے بھی ہوتے تھے۔ بادشاہوں کے دعوت نامے خواہ تحریری ہوں یا زبانی سب کا ٹھکانہ ردّی کی ٹوکری تھا۔ لوگ جن تقریبات میں شرکت کے لئے نہ معلوم کیا کیا جتن کرتے ہیں ان کی حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی۔ بلکہ دنیا کی جن سرفرازیوں اور آسائشوں کی خاطر لوگ ایمان وعزت کی بازی لگا دیتے ہیں حضرت علیہ الرحمہ ان پر نگاہ بھی نہ ڈالتے ہاں اکثر ان سے بچنے کی کوشش فرماتے تھے دنیا سے بے نیازی ہر قول وعمل سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ردّی کی ٹوکری میں سے نکالے ہوئے چند دعوت نامے پیش ہیں ان کے بارے میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہ نے احقر کو بتایا ''ایک بار ردّی کی ٹوکری میں کاغذات نکال کر جلائے جانے تھے کہ میری نگاہ ایک دعوت نامے پر پڑی یہ حکومت کی طرف سے تھا معاً خیال آیا کہ ایسے تاریخی نوعیت کے دعوت نامے جلانے نہیں چاہیئے، پھر اس کا خیال رکھتا تھا''۔ یہ سلسلہ تھوڑے عرصہ قائم رہا پھر موصوف پاکستان تشریف لے آئے۔ نہ معلوم اس خیال کے دل میں آنے سے پہلے اس نوعیت کے کتنے دعوت نامے جل چکے ہوں گے۔ اور بعد میں بھی جلتے رہے ہوں گے۔



ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ''ارل آف برما'' کی الوداعی پارٹی میں شرکت کے دعوت نامے، چائنا کے سفارت خانہ کا دعوت نامہ، ایوانِ صدر کی تقریبات، صدر اول کا تقرر وغیرہ۔

جب کسی نے یاد دلایا کہ آج آپ نے ہندوستان کے پہلے صدر کی تقرری کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریب میں شرکت فرمانی ہے تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''جس حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا جائے اس کی خوشیوں میں شرکت کے لئے دل گوارہ نہیں کرتا'' اور آپ نے شرکت نہیں کی یہ غیرت اسلامی تھی---- افسوس تمام کھدر پوش مسلمانوں نے جمیعۃ العلماء ہند کے مولویوں نے خوشی خوشی شرکت کی اور اس اعزاز پر نازاں تھے۔

اس طرح ۱۹۴۵ء میں جب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دور میں یہ دستور تھا بادشاہ سلامت ہر ملک کے بعض منتخب حجاج کرام کی ایک دعوت کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء سفارشیں تلاش کرتے تھے کہ دعوت میں شرکت ہو جائے بادشاہ کے ساتھ ہم طعامی کا شرف مل جائے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو ہندوستان کی عظیم المرتبت شخصیت کی حیثیت سے بلایا گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے جواب دیدیا ''جس کو دین و دنیا کے شہنشاہ کے دربار میں حضوری میسر آجائے اسے کسی اور دربار میں جانے کی حاجت نہیں ہے''۔

اور ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے تاجدار نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم کی یہ آرزو کہ حضرت علیہ الرحمہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں نواب صاحب کے دل میں رہ گئی۔ اور انہیں پتہ چل گیا کہ دین کے بادشاہ کے سامنے دنیا کے بادشاہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ بادشاہوں کی خواہشیں حضرت کی ردّی کی ٹوکری میں پڑی رہتی ہیں اس واقعہ کا تاریخی پس منظر ہے جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔

To bid farewell to Their Excellencies Earl and Countess Mountbatten of Burma

Maulvi Mohd. Mazharullah & Mrs Mazharullah

The Prime Minister

and

The Ministers of the Government of India

at Home

Sunday, 20th June 1948, at 10 p.m.

at Government House, New Delhi.

DRESS

…nce Services — Uniform

… — Optional

An answer is requested to Private Secretary to the Prime Minister, Government House, New Delhi.

To meet the Chinese Haj Pilgrims' Mission

The Ambassador
of the People's Republic of China
and Madame Yuan Chung-hsien
request the pleasure of the company
of Imam of Fatehpuri Masjid
at Buffet Dinner
on Thursday, 8 September, 1955 at 8-00 p. m.
at Jind House, Lytton Road, New Delhi

R. S. V. P
Private Secretary
(Tel 42960)

والی حیدر آباد دکن نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم حضرت خواجہ نظام الدین سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز سے عقیدت رکھتے تھے اور زیارت و حاضری کی غرض سے دہلی آتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی سے گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ خواجہ صاحب علماء و فضلاء اور خاص حضرات کو نواب سے ملواتے تھے۔ نواب صاحب بعض حضرات کے لئے وظائف جاری فرمادیتے یا خسروانہ بخشش فرمادیتے تھے۔ جب مسجد جامع شاہجہانی کے امام صاحب کے لئے ۵۰۰ روپے ماہانہ نواب صاحب نے مقرر فرمایا تو خواجہ حسن نظامی نے خواہش کی کہ حضرت علیہ الرحمہ کے لئے بھی یہ وظیفہ منظور ہو جائے تو شاہانہ انداز سے حضرت علیہ الرحمہ بسر فرمائیں گے اس وقت پانچ سو روپے میں تقریباً دس تولے سونا آجاتا تھا اتنی بڑی رقم ماہانہ بڑی بات تھی۔ خواجہ صاحب نے ڈرتے ڈرتے حضرت علیہ الرحمہ سے کہا کہ نواب صاحب کو درخواست دینے کے لئے آپ سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی آپ نواب صاحب کیلئے دو چار دعائیہ جملے لکھدیں تو ۵۰۰ روپے آپ کیلئے بھی مقرر ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا الحمد للہ میرا گزارہ بخیر وخوبی ہو جاتا ہے مجھے ضرورت نہیں۔

ایک روز خواجہ صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ ''نواب صاحب نے آپ کو مدعو کیا ہے آپ کو چلنا ہوگا'' حضرت نے پوچھا کیوں؟ تو خواجہ صاحب نے کہا ''میں وعدہ کر آیا ہوں'' حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''آپ سے کس نے کہا تھا کہ وعدہ کر آئیں؟'' اور حضرت علیہ الرحمہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ فرمایا کہ ''فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں نواب صاحب کو ضرورت ہو تو فقیر کے غریب خانہ پر تشریف لے آئیں''۔ اس واقعہ کے عینی شاہد حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم ہیں جو اس وقت حضرت قبلہ سے عربی پڑھ رہے تھے۔

ایک بار نواب موصوف نے حضرت قبلہ کو بعض شرعی مسائل پر گفتگو کے لئے بلوایا تو قاصد سے فرمایا ''ضرورت انہیں ہے ان کو ہی آنا چاہیئے''۔

اس واقعہ کا ذکر ملا حسین واحدی نے ماہنامہ ہمدرد کراچی کے شمارہ مارچ ۱۹۶۶ء میں کیا ہے۔

۱۹۳۶ء میں ہزا کسیلینسی میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم نظام حیدر آباد دلّی آئے تھے خواجہ حسن نظامی ان سے دلّی کے عمائدین کو ملوار ہے تھے۔ ایک دن خواجہ صاحب نے علماء و مشائخ کے واسطے مخصوص کیا، مفتی مظہر اللہ کے پاس بھی بلاوا آگیا مفتی صاحب نے فرمایا ''مجھے تو ملنے کی خواہش نہیں نظام مجھ سے ملنا چاہیں تو میرے ہاں تشریف لے آئیں''۔

ماہنامہ عقیدت نئی دہلی شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۴ء میں حضرت علامہ اخلاق حسین دہلوی تحریر فرماتے ہیں ''حضرت قبلہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض پاتا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے مگر جن امراء میں تمکنت کا شائبہ بھی ہو ان سے ملاقات میں خودداری کا وصف جلوہ گر رہتا ہے۔






ساتواں باب



حسنِ مجدد

اثر فکر مسیح الکلام حضرت زیبا ناروی مدظلہٗ

حضرت امیر شریعت، پیر طریقت، کامل الاتقیا، امام اہلِ سنت والجماعت
آقائی و مولائی حضرت محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی، مجددی، چشتی، قادری
دام فیوضہم الجاری خطیب مسجد جامع فتح پوری

خوشا وقتے، بہاریں لے کر وقت خوشگوار آیا
خوشا روزے کہ روز کامگار و سازگار آیا

عجب ہے کوچۂ حسرت کے سنگ و خشت کا جلوا
نظر آیا نظر کو آفتابِ چشت کا جلوا

نگاہِ آرزو پر قادری تنویر چھائی ہے
جدھر دیکھو بہار نقشبندی رنگ لائی ہے

خدا شاہد، نہ پوچھو دیدۂ ارمان نے کیا دیکھا؟
جبین دل ہے یا ہے آئینہ حسن مجدد کا

مقدر سے زیارت ہوئی ہے ایسے پیکر کی
کہ جس کی ہر نظر اک موج دیکھی حوضِ کوثر کی

تجلی جس کی حسن اتقا میں ہر طرح کامل
تصرف جس کے اہل ذوق کی امید کا حاصل

شریعت کا جو حاصل ہے طریقت میں جو کامل ہے
رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے

جو پَیر وا اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر
جو ہر دم مہرباں ہر طور سے اپنے مریدوں پر

وہ ذات پاک پاکستان میں تشریف لے آئی
مرے غربت کدہ نے بھی مقدر سے ضیا پائی

یہ لطف و مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں پر
یہ پیہم خوش گمانی یہ توجہ ہم غلاموں پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفر

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ طبعاً گوشہ نشین واقع ہوئے تھے۔ لیکن سفر کرنا بھی سنت نبوی ﷺ ہے تو کیوں نہ ادا فرماتے؟

پہلا سفر:

خصوصاً حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے پہلے سفر میں اولین سفر مصطفوی ﷺ کی مناسبتیں اس قدر واضح نظر آتی ہیں[1] جن کو "اتفاق" نہیں انتخاب کہا جا سکتا ہے۔ بچپن سے غیر ارادی طور پر سنتیں ادا کرائی جا رہی تھیں پہلا سفر بھی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ حضرت علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف "انوارِ محمدیہ"[2] میں رقم طراز ہیں "جب حضور اکرم ﷺ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ سفر شام میں بمقام بصریٰ آئے آپ کو بحیرہ راہب نے دیکھا جس کا نام جرجیس تھا اس نے حلیہ سے آپ کو پہچان لیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "یہ ہیں سید العالمین رحمت للعالمین (ﷺ)۔"

الحمدللہ! سفر کے ارادے سے اٹھنے والا حضرت علیہ الرحمہ کا پہلا قدم...... اللہ تعالیٰ کی محبت میں اٹھا...... طریقت کے حصول کے لئے اٹھا...... حقیقت کی جستجو میں اٹھا۔ یہ سفر مبارک ۱۸۹۸ء میں دہلی سے مکان شریف ضلع سرگودھا مشرقی پنجاب بھارت کی جانب تھا۔ اسوقت حضرت علیہ الرحمہ کی عمر شریف تقریباً ۱۲ سال تھی۔

کبیر الاولیاء سیدی و مولائی حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز نے اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت علامہ مولانا الحاج

۱۔ پہلا سفر ہونا۔ عمر تقریباً یکساں ہونا۔ نگران۔ ابو طالب۔ شاہ رکن الدین چچا ہونا ایک سے نسبی دوسرے سے روحانی

۲۔ اردو ترجمہ پروفیسر غلام ربانی عزیز (ص ۵۳) مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور پروفیسر غلام ربانی عزیز مکتبہ نبویہ لاہور۔

شاہ محمد رکن الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو الور خط بھیجا جس میں تحریر فرمایا تھا ''نہیں معلوم اس سال فقیر کی عمر وفا کرے یا نہ کرے آپ دہلی سے مولوی محمد مظہر اللہ سلمہٗ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔'' حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے وہاں سے ''مولوی محمد مظہر اللہ سلمہٗ'' (حضرت قبلہ علیہ الرحمہ) کو ہمراہ لیا اور مکان شریف (پنجاب) پہنچ گئے۔ سرکار عالی مرتبت حضرت سید صادق علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کے حضور (مولوی مظہر اللہ) حضرت علیہ الرحمہ کو پیش فرمایا۔ آنجناب قدس سرہٗ نے اپنے مطلوب کو بیعت فرمایا، خصوصی توجہات سے نوازا اور دہلی واپس بھیج دیا۔ یہ تھا حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی زندگی کا پہلا سفر۔ برکتوں والا، رحمتوں والا، نعمتوں والا۔

اس سفر کے بعد حضرت قبلہ علیہ الرحمہ درسی علوم کی تکمیل میں مشغول ہو گئے...... روحانی مشاغل بھی شروع ہو گئے۔ تہجد کا اہتمام فرمانے لگے۔ تا آنکہ ۱۸سال کی عمر میں فارغِ تحصیل ہو کر اپنے خاندانی مناصب کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ طالب علمی کے اس دور میں کسی سفر کا حوالہ نہیں ملتا۔

مرشد کریم حضرت سید صادق علی شاہ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کب اور کتنی بار مکان شریف حاضر ہو سکے اس کا پورا ریکارڈ تو میسر نہیں ہوا۔ البتہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں مکان شریف میں عرس کے موقعہ پر شرکت ہوئی تھی۔

حضرت علیہ الرحمہ کے ایماء پر جناب قائم الدین رحمتہ اللہ علیہ (قانون گو) نے جو تذکرہ مشائخ سادات کرام مکان شریف ''ذکر مبارک'' کے نام سے مرتب فرمایا ہے اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۹۲۹ء میں بموقعہ عرس شریف حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری دہلی نبیرہٗ حضرت مولانا محمد مسعود صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف تشریف

لائے...... تو مولانا صاحب کو اپنے پیرومرشد کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ حکیم نظام الدین صاحب ساکن پنچگرائیں واہلہ کو جو آپ کے برادر طریقت تھے۔ بلوا کر کچھ حالات سنے مگر بوجہ زبان کی مغائرت اور حالات کی کمیابی کے ان کا شوق پورا نہ ہوا انہوں نے حکیم صاحب سے حضرت کے حالات قلمبند کرنے کی فرمائش کی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''اگر حضرت کے حالات مل جاویں تو طبع کرادیے جائیں۔''

''دوسرے سال ۱۹۳۰ء میں مولانا ممدوح بمعہ مولوی رکن الدین صاحب الوری مرحوم بموقعہ عرس شریف تشریف لائے اور حالات و واقعات مکان شریف کی (اس لئے) جستجو کی گئی...... چنانچہ مولوی محمد یٰسین صاحب کو اس کام پر مامور کردیا تھا''۔

۳۰-۱۹۲۹ء میں لگاتار جانے سے اندازہ ہے کہ ان سالوں کے علاوہ بھی عرائس میں شرکت ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

سفر الور:

ہندوستان کے علاقہ راجستھان کا ایک شہر الور ہے جہاں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بے تکلفانہ جب ضرورت ہوئی تشریف لے جاتے تھے یہاں بھی اللہ کے محبوبوں کی محبت کھینچ کر لے جاتی تھی یہ شہر مولوی رحیم اللہ علیہ الرحمہ اور اعلیٰ حضرت علامہ الحاج شاہ محمد رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ کا مسکن تھا ان بزرگوں میں مثالی محبت تھی۔ کبھی اچانک حضرت صاحب دہلی تشریف لے آتے کبھی حضرت علیہ الرحمہ الور چلے جاتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے حصولِ علم طریقت کے لئے سفر کیا اور حضور اکرم ﷺ کے ارشاد ''حصول علم کے لئے سفر'' کی فضیلت سے بہرہ مند ہوگئے۔ پھر اشاعتِ دین کے لئے سفر کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی سے بھی سرفراز ہوئے۔

سفر اجمیر شریف:

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف بھی تشریف لے جاتے تھے- اول تو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کو خواجۂ خواجگان عالی شان سلطان الہند حضور خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سے خاص قلبی لگاؤ تھا- یہ محبت کشاں کشاں لے جاتی تھی دوسرے یہ کہ حضرت علیہ الرحمہ کے چچا حضرت علامہ مفتی حکیم عبدالمجید صاحب دہلوی نے اجمیر شریف میں مستقل سکونت اختیار فرمالی تھی یہ حضرت علیہ الرحمہ کے خالو بھی تھے آپ ہی نے حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیم وتربیت فرمائی تھی ان کی یاد بھی اجمیر شریف کے سفر کا سبب بنتی تھی- ان کا درگاہ غریب نواز کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں علیہ الرحمہ سے خاص تعلق تھا اور الحمداللہ اس خاندان سے آج تک تعلق ہے-

سفر گوڑ گاؤں

دہلی کے قریب ضلع ''گوڑ گاؤں'' میں قصبہ ''بادشاہ پور''، ''سلہی افغانان'' وغیرہ چھوٹے چھوٹے شہر، قصبات اور دیہات آباد تھے- وہاں حضرت صاحب (حضرت علامہ مولانا الحاج شاہ محمد رکن الدین الوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) اور حضرت علیہ الرحمہ کبھی علیحدہ علیحدہ کبھی ہمراہ تشریف لے جاتے ان علاقوں میں صرف ان ہی دو بزرگوں کے مرید تھے- ان کی تربیت اور سلسلہ عالیہ کی اشاعت اور تبلیغِ دین متین ان دوروں کا مشن ہوتا تھا- مرشدانِ گرامی کے اخلاص اور کردار نے مریدوں کو بھی شیدائی بنادیا تھا- وہ ان حضرات کے لئے ہمیشہ دیدہ و دل فرش راہ کیے رہتے تھے-

خوش بختی ہے کہ اسلام آباد میں مقیم ایک برادر طریقت جناب غلام قادر خان صاحب مظہری نقشبندی مجددی زیدہ مجدہٗ نے اپنے مکتوب گرامی میں ایک ایسے ہی سفر کی تفصیلات تحریر فرمادی تھیں- اس میں دلچسپ معلومات...... ان علاقوں میں مہمان

نوازی کے رواج...... حضرت علیہ الرحمہ کی مریدین پر شفقت ......انہیں زیرِ بار نہ ہونے دینا...... ریل میں جگہ ملنے کی کرامت...... دلداری-تربیت کے انداز جھلک رہے ہیں- خط کے بعض اقتباسات نقل ہیں:-

''پھر میں نے ایک دن حضور سے عرض کی کہ حضور ہمارے گاؤں تشریف لے چلیں، تو حضورانور نے درخواست منظور فرمالی......دن کے ۱۱ بجے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فتح پوری سے ریلوے اسٹیشن روانہ ہوئے میں فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے رہا تھا- مگر حضور نے منع فرمایا کہ نہیں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لو- عرض کیا اس گاڑی میں رش ہوتا ہے کسی کو کسی ڈبے میں کسی کو کسی ڈبے (bogy) میں جگہ ملے گی- فرمایا نہیں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی مشرف احمد رحمتہ اللہ علیہ نائب مفتی' مولوی منظور احمد' حضور کے (چھوٹے) صاحبزادے سعید احمد رحمتہ اللہ علیہ (اور ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود صاحب مدظلہٗ بھی) اور میں خود بھی- ایک ڈبہ میں جگہ ملنی مجھے ناممکن نظر آرہی تھی مگر حضور کا حکم تھا- تھرڈ کلاس کا ٹکٹ چھ آنے (0.37 Paisa) میں ملتا تھا- پلیٹ فارم پر پہنچے تو گاڑی بھری ہوئی تھی...... حضور نے فرمایا ''اس ڈبہ میں بیٹھو......'' ہم سب آرام سے ایک جگہ بیٹھ گئے یہ حضور کی کرامت تھی-''

دو یا ڈھائی گھنٹہ میں ہم ''گڑھی ہرسروپ'' ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے وہاں لوگ پہلے سے موجود تھے...... میں دہلی سے پھولوں کے ہار ساتھ لے کر گیا تھا- میں جلدی سے پلیٹ فارم پر اترا اور سب کو ہار دے دیئے- حضور قبلہ عالم جب ریل سے اترے تو سب نے گلے میں ہار ڈالے، پھولوں کے ہاروں میں حضور کا چہرہ تو بہت چمک رہا تھا...... پھر ہمارے گاؤں میں بندوقیں کافی تھیں، ریٹائرڈ فوجی زیادہ تھے- سب کے

پاس بندوقیں تھیں، بغیر لائسنس کی بھی بندوقیں تھیں سب ساتھ لائے تھے، جب حضور پلیٹ فارم پر اترے تو کافی ہوائی فائر کیے گئے۔ مسافر کھڑکی میں سے دیکھ رہے تھے اور اسٹیشن ماسٹر بھی دیکھ رہا تھا۔ یہ کون بزرگ ہستی ہے جس کا ایسا استقبال کیا جا رہا ہے کافی دیر تک ہوائی فائر ہوتے رہے۔ اسٹیشن پر ایک چھوٹی سی مسجد تھی ظہر کی نماز یہاں ادا کی گئی۔

اسٹیشن سے گاؤں تک کا سفر بیل گاڑیوں میں کیا گیا۔ حضور قبلہ عالم کے لئے ایک اسپیشل بیل گاڑی تھی جس کو رتھ کہا جاتا ہے، اندر سے کافی بڑی ہوتی ہے اور اس گاڑی کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد بھی ہوتا ہے اور اس پر سرخ رنگ کا کپڑا چڑھا ہوتا ہے۔ گاڑی کے پردے وغیرہ سب سرخ رنگ کے کپڑے کے ہوتے ہیں۔ یہ گاڑی دلہا دلہن کے لئے صرف شادی میں استعمال کی جاتی ہے باقی دن استعمال نہیں ہوتی اس میں دو بیل جوتے جاتے ہیں اس رتھ کے اندر قالین بچھا دیا جاتا ہے اور اس رتھ گاڑی کو گیندے کے پھولوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ عجیب نظارہ تھا، حضور انور کے صاحبزدگان کے لئے ایسی گاڑی میں پہلا سفر تھا۔ حضور انور بہت خوش نظر آرہے تھے اور صاحبزدگان بھی بہت خوش تھے اور باقی بیل گاڑی اور بھی تھیں۔ جن کو ہماری زبان میں منجھو لی کہتے ہیں اس پر بھی چھت گیری ضرور ہوتی ہے مگر گنبد نہیں ہوتا۔ جو باقی بیل گاڑیاں تھیں ان پر عزیز رشتہ دار اور گاؤں والے سوار ہو گئے۔

سب سے آگے حضور قبلہ عالم کی رتھ بیل گاڑی تھی اور اس کے پیچھے دوسری گاڑیاں تھیں۔ میں حضور کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ حضور نے فرمایا، ''تم کسی گاڑی میں بیٹھ جاؤ'' مگر میں نے عرض کیا ''حضور میں ٹھیک ہوں'' میں گاؤں تک حضور کے رتھ کے ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ (ہمارے گاؤں کا راستہ ڈھائی کوس تھا)۔

ہمارے گاؤں کے سامنے ریت کے ٹبے (ٹیلے) ہیں جب ان ٹبوں کو عبور کیا تو

گاؤں سامنے نظر آ گیا- پھر ہوائی فائرنگ شروع ہوگئی- گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے ایک دروازہ لگا دیا گیا تھا- جس پر درختوں کے پتے سجائے گئے تھے اور دروازہ کے اوپر سرخ کپڑے پر ''بابِ مظہر'' لکھا تھا اور اس دروازہ سے لے کر جہاں حضور کو حویلی میں قیام کرنا تھا سارے راستہ میں جھنڈیاں لگائی گئی تھیں- سارا گاؤں امنڈ آیا تھا- مرد عورت سب اس جلوس میں شریک ہوگئے- عجیب نظارہ تھا- میں سب سے آگے تھا، ''نعرۂ تکبیر'' کہتا تھا اور سارے گاؤں والے ''اللہ اکبر'' کہتے تھے، عجیب سماں تھا-

مغرب سے کچھ پہلے حویلی تک پہنچ گئے- حویلی میں ایک کمرہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ کے لئے مخصوص تھا- ایک کمرہ علیحدہ صاحبزدگان کے لئے مخصوص تھا، باقی ہال میں گاؤں والے بیٹھے تھے- حویلی پہنچنے پر نماز ادا کی، حضور نے امامت کرائی، پھر کھانا چنا گیا- حضور انور کے ساتھ سب نے مل کر کھانا کھایا- اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی- پھر رات کو میلاد شریف منعقد کیا گیا- مولوی مشرف احمد صاحب نائب مفتی نے میلاد پڑھا- سارا گاؤں اس محفل میں شریک ہوا- بارہ ایک بجے میلاد شریف ختم ہوا-

حضور قبلہ عالم اپنے کمرے میں آرام کے لئے تشریف لے گئے اور میں باہر حضور انور کے کمرہ کے دروازے پر لیٹ گیا- تقریباً ایک گھنٹہ بعد میری خالہ دودھ کا ایک مٹکا لے کر آ گئی کہ '' حضور کے لئے دودھ لائی ہوں'' میں نے کہا ''اب تو حضور سو گئے ہوں گے'' مگر میری خالہ نے اصرار کیا کہ ''حضور کی خدمت میں دودھ ضرور پیش کیا جائے گا''- میری خالہ کے گھر بھینس تھی- چنانچہ ایک پیالہ دودھ سے بھرا اور کمرہ کا تھوڑا سا دروازہ کھولا، اندر لالٹین جل رہی تھی- میں نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ حضور نے فرمایا ''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''حضور میں ہوں اور دودھ کا پیالہ لے کر حاضر ہوا ہوں حضور میری خالہ بڑی محبت سے لے کر آئی ہے'' حضور بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا ''اتنا دودھ لے کر آ گئے'' میں نے عرض کیا ''حضور وہ مٹکا بھر کر

لائی ہے یہ پیالے میں تھوڑا سا پیشِ خدمت ہے''۔حضور نے دودھ نوش فرمایا پھر جو بچا ہم نے پی لیا۔

یہ پہلے دن کی بات ہوئی۔ دوسرے دن ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں اپنے گھر حضور کی دعوت کروں گا۔ حضور کو صرف تین دن قیام کرنا تھا۔ حضور نے فرمایا ایسا کرو ۳۔۳،۴۔۴ آدمی شریک ہوجاؤ یا سب اکٹھی ایک وقت کی دعوت میں شریک ہوجاؤ۔ بہرحال صبح کا ناشتہ کہیں۔ دوپہر کا کھانا کہیں۔ رات کا کھانا کہیں۔ جہاں دوپہر کی دعوت ہوتی یا رات کی وہاں میلاد بھی ہوتا۔ بھائی مشرف احمد صاحب نائب مفتی میلاد پڑھتے، صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا۔ حضور خود مجلس میں شریک رہتے تھے اور کافی لوگ ہوتے۔

تین دن بعد واپسی ہوئی۔ اسی طرح رتھ میں جلوس کے ساتھ ہمارے سب عزیز رشتہ دار اور گاؤں والے سب اسٹیشن پر چھوڑ آئے تھے۔

سفر سرہند شریف:

حضور امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک میں حضرت علیہ الرحمہ کی آخری[1] حاضری کا آنکھوں دیکھا حال یوں ہے:

عرس میں شرکت کا ارادہ فرما لیا۔ ہمراہ جانے والوں میں صاحبزادہ حضرت الحاج قاری حکیم مفتی محمد مشرف احمد شاہ صاحب نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے (حضرت علیہ الرحمہ کے پوتے تقریباً ۱۱ سالہ) ننھے میاں (حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب دامت برکاتہم) مریدین وخادم خاص برادرِ طریقت محمد احمد صاحب زری والے عرف حاجی کلو) اور برادر طریقت منشی محمد اسحاق صاحب کا پروگرام بن چکا تھا۔

عصر کے بعد حضرت علیہ الرحمہ گھر تشریف لے جارہے تھے احقر کو اشارۃً خبر ہوگئی تو عرض کیا۔''آپ کہیں تشریف لے جارہے ہیں؟'' فرمایا۔''سرہند شریف کا ارادہ ہے۔''لاڈ

---

[1] اندازہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک سے زائد بار سرہند شریف کا سفر کیا ہوگا۔ مظہری



کے انداز میں احقر نے عرض کیا، ''ہم بھی جائیں گے۔'' فرمایا۔ ''چلو۔'' حضرت علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ احقر کے بڑے گہرے دوست تھے اس وقت میرے پیچھے کھڑے تھے میری کمر میں باریک سی چٹکی لی۔ حضرت علیہ الرحمہ سے پھر عرض کیا۔ ''حضور سعید میاں بھی!'' مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''چلیں۔''

قاری عرفان اللہ مظہری بار بار اشارہ کرتے رہے اور میری ہمت نہ تھی۔ جب حضرت علیہ الرحمہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو احقر نے آہستہ سے کہہ دیا۔ ''یہ قاری عرفان۔'' ...... فرمایا۔ ''اچھا۔'' ایسی دلداری اللہ اکبر!

رات کو تقریباً ساڑھے نو بجے گاڑی روانہ ہوئی۔ ۳ سیٹیں دوسرے ڈبہ میں ملیں حضرت علیہ الرحمہ کو اندازہ تھا کہ ادباً میرے سامنے یہ لوگ سو نہ سکیں گے اس لیے ایک ڈبہ میں خود حضرت ننھے میاں اور یہ عاجز رہے ہر اسٹیشن پر محمد احمد صاحب اور منشی اسحاق صاحب آ کر سلام کرتے، خدمت کے لیے معلوم کرتے دست بستہ کھڑے رہتے جیسے ہی وہ گاڑی ہلی اور یہ جھپٹ کر اپنے ڈبہ میں۔ کچھ مسافروں نے یہ محسوس کرلیا اور وہ بھی بار بار حضرت علیہ الرحمہ کو دیکھتے تھے۔

تقریباً ڈھائی بجے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ۴ منٹ کے لیے گاڑی رُکی حضرت علیہ الرحمہ اُتر گئے وضو فرمایا منشی اسحاق صاحب نے دوسرے ڈبہ میں خبر کردی، سب اُتر گئے اور نماز پڑھنے لگے! گارڈ بھی وہاں آ کر کھڑا ہوگیا بار بار گھڑی دیکھتا مگر خاموش۔ لوگ پوچھ رہے تھے کہ گاڑی کب چلے گی؟ کچھ متعصب لوگ اس کو بھی کہہ سن رہے تھے۔ ساری ریل میں یہ بات پھیل گئی مسلمانوں کے بڑے گرو پلیٹ فارم پر پوجا کررہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہوکر جب حضرت اپنی سیٹ پر آ گئے تب گاڑی چلی۔ (تقریباً ۱۵ منٹ لیٹ ہوئی)۔

احقر نے نماز نہیں پڑھی مجھے ڈر تھا کہ کہیں گاڑی روانہ ہوگئی...... تو زنجیر کھینچ کر روکوں گا ورنہ سب رہ جائیں گے۔

فجر کی نماز سرہند کے اسٹیشن پر ہی پڑھی۔ اسٹیشن سے تانگوں کے ذریعہ درگاہ مجددیہ پہنچے اس جگہ کو عرفِ عام میں ''دربار صاحب'' کہا جاتا ہے۔

درگاہ کی انتظامیہ کو حضرت علیہ الرحمہ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوگئی تھی ایک کشادہ کمرہ مخصوص ہو چکا تھا۔ کچھ مرید پہلے ہی پہنچ چکے تھے سب حاضر خدمت ہو گئے۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت علیہ الرحمہ کی قیادت میں سب روضۂ انور پر حاضر ہوئے فاتحہ پیش کر کے۔ کوئی مراقب رہا کوئی تلاوت میں لگا ظہر سے قبل کمرہ میں کھانا پہنچ گیا۔ نمازِ ظہر کے بعد کچھ آرام کیا گیا۔ عصر کے وقت حضرت سجادہ نشین صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے صرف بڑے صاحبزادہ صاحب ہمراہ تھے۔

درگاہ شریف میں کمروں کے علاوہ خیمے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک خیمہ بچوں کو دلوا دیا اس میں صاحبزادہ مولانا محمد احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ، قاری عرفان اللہ مظہری اور راقم الحروف تینوں ۱۷/ ۱۸ سال کی عمر کے تھے۔ ننھے میاں[1] تقریباً ۱۱- ۱۲ سال کے تھے۔ دوسری صبح ہم لوگ کھیتوں میں نکل گئے، گنے توڑ کر کھائے۔ عمر رسیدہ حضرات نے ملحقہ مزارات مثلاً حضرت خواجہ معصوم ان کے برادران اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی اور باقی اوقات تلاوت مراقبات تسبیحات میں مشغول رہے۔ سجادہ نشین صاحب نے حضرت کی دعوت بھی کی۔ ایک شام چائے پر مدعو کیا۔ درگاہ مقدسہ کے احاطہ میں ہی باغات، مطبخ، مہمان خانہ، مزار پر انوار، مسجد منتظمین و ملازمین کے مکانات، متولی صاحب کی کوٹھی، دفتر وغیرہ سب یکجا تھے۔

اکثر حضرت علیہ الرحمہ جب مزار شریف پر تشریف لے جاتے تو تقریباً سب ساتھ ہوتے۔ جب کمرہ میں رونق افروز ہوتے تو لوگ (زائرین) حضرت کی خدمت میں حاضر

۱۔ مولانا مفتی محمد آصف جاہ عرف ننھے میاں حضرت علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت مولانا مفتی مشرف احمد علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے۔

ہوجاتے اہل اللہ کا ذکرِ خیر، قرآن اور سیرت رسول ﷺ، اخلاق اور تصوف کے موضوعات پر گفتگو رہتی تھی۔ کبھی علماء و مشائخ بھی حاضر ہوجاتے تھے۔ تین روز قیام کے بعد واپسی ہوئی۔

سفر دھام پور:

بھارت کے صوبہ یو پی کے ضلع بجنور میں ایک شہر ''دھام پور'' ہے یہاں حضرت کے ایک محبوب مرید حکیم سید محمد عاقل چشتی مظہری رہتے تھے- اپنے مرشد کے شیدائی تھے اکثر بڑی محبت سے اپنے حضرت کا ذکر کرتے تھے- سننے والوں کو اشتیاق ہوتا جن کے پاس گنجائش تھی وہ دہلی چلے جاتے- حضرت علیہ الرحمہ کی زیارت کرتے اور بیعت بھی ہوجاتے۔ یوں حلقہ بڑھا تو مشتاقانِ جمال مظہری کی تعداد بھی بہت ہوگئی سب کے لیے دہلی آنا تو مشکل تھا۔ حکیم صاحب کی سربراہی میں ۴ افراد کا وفد دہلی آیا۔ سینکڑوں افراد کی آرزوؤں کی ترجمانی کی ایک جامع مسجد اور ایک دینی درسگاہ کا سنگِ بنیاد بھی رکھوانا تھا۔ اگرچہ عمر اور صحت کی اجازت نہیں تھی لیکن اتنے مسلمانوں کی دلداری کی خاطر یہ سفر قبول فرمالیا۔

وفد کے علاوہ حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ حضرت مولانا مفتی الحاج حافظ قاری حکیم محمد مشرف احمد شاہ اور حضرت علیہ الرحمہ کے لاڈلے پوتے پروفیسر ڈاکٹر علامہ مفتی محمد مکرم احمد شاہ سلمہ القوی المنان اور ۲ خادم تھے جن میں ایک راقم الحروف بھی تھا۔ خاص بات یہ کہ اس وقت شہزادہ مکرم میاں کی عمر ۲ سال تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ کو جو رخصت کرنے آئے وہ شہزادہ میاں کو گودی میں لے کر آگئے۔ ریل میں حضرت تشریف فرما ہوئے تو ننھے شہزادے نے ہاتھ بڑھایا حضرت علیہ الرحمہ نے گود میں لے لیا پیار کر کے خادم کو دینا چاہا تو میاں جی دادا جان کی گود سے اُترنے کا نام نہ لیں۔

آخر حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ان کا دل فقیر کو چھوڑنے کو نہیں چاہ رہا تو انہیں بھی لے چلتے ہیں سب پریشان تھے کہ ماں کے بغیر اتنا چھوٹا بچہ کیسے رہے گا مگر دادا اور پوتے دونوں مطمئن تھے۔ ۳ دن کے سفر میں شہزادہ مکرم میاں ایک بار بھی نہ روئے۔ دھام پور

میں حکیم صاحب کی اہلیہ اور محلّہ کی عورتیں اس حسین وجمیل بچہ کے سبھی عاشق ہو گئے تھے۔ ریل میں آتے اور جاتے ہوئے شہزادہ عالی شان اس عاجز کی گود میں رہے احقر حضرت علیہ الرحمہ کے بالکل سامنے ہی بیٹھتا یہ جناب کبھی دادا جان کی گود میں چلے جاتے کبھی احقر کی گود میں، احقر سے بہت مانوس تھے۔

دھام پور میں حضرت علیہ الرحمہ نے مسجد اور دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھا۔ صبح فجر کی نماز حضرت مولانا مفتی مشرف احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ پڑھاتے تھے۔ دور دور سے لوگ صبح ۴ بجے سے آنے شروع ہو جاتے۔ نماز کے بعد حضرت علیہ الرحمہ مراقبہ فرماتے، مریدین کو توجہ سے سرفراز فرماتے۔ دعا کے بعد ناشتہ پیش کیا جاتا۔ حضرت علیہ الرحمہ ایک پان نوش فرماتے، تمام حضرات دوزانو باادب بیٹھ جاتے۔ حکیم صاحب ایک ایک کو پیش کرتے سب اپنی اپنی گزارشات پیش کرتے، بیعت ہونے والوں کو عموماً عصر کے وقت بلایا جاتا یا سب کی گزارشات سن کر بعد میں بعض بیعت ہونے والوں کو داخل سلسلہ فرماتے تھے۔ ایک بار حاضرین کافی تھے۔ بیعت ہونے والے بھی تقریباً ۸۔ ۱۰ تھے۔ احقر سے حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''میاں مشرف سے کہو ان لوگوں کو جو بیعت کے لیے انتظار کر رہے ہیں، بیعت کر لیں۔'' احقر نے حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سرگوشی کی تو مولانا ممدوح ہچکچا رہے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے بھانپ لیا۔ احقر کی طرف دیکھا احقر قریب ہو گیا تو فرمایا حکیم صاحب سے کہہ دو کہ مرید ہونے والوں کو دوسرے کمرے میں بلا لیں وہاں جا کر میاں مشرف سب کو بیعت کر لیں گے۔ غالباً ۲ بار عورتوں کی درخواست آئی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا یہاں عورتیں نہ آئیں کسی گھر میں جہاں پردہ کا صحیح انتظام ہو جمع ہو جائیں اور حضرت صاحبزادہ صاحب وہاں جا کر بیعت کر لیں۔

پہلا کھانا دوپہر کا حکیم صاحب کے گھر پر ہوا شام تک بہت سی درخواستیں جمع ہو گئیں۔ حکیم صاحب سب کو لے کر حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے دست بستہ عرض

کیا۔ اوّل تو یہ میرا حق ہے۔ جو آپ کو لینے دہلی گئے تھے وہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں۔ دوسرے حضرات زور دے رہے ہیں کہ ان کی سفارش کروں ورنہ مجھ سے نالاں ہو جائیں گے۔ اب جو حکم ہو!

بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ ۲ یا ۳ آدمی شریک ہو کر ایک وقت کی دعوت کر لیں بعض بعض کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ تیسرے روز حضرت علیہ الرحمہ واپس تشریف لائے اسٹیشن پر بڑی تعداد میں رخصت کرنے والے آئے تھے۔

مراد آباد......دوست کا شہر

راستہ میں گاڑی ضلع مراد آباد کے اسٹیشن پر رُکی حضرت علیہ الرحمہ وہاں اُتر گئے جامع نعیمیہ تشریف لے گئے۔ حضرت علیہ الرحمہ تانگہ والے کو راستہ بتا رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بھی آتے رہے تھے۔ جامعہ میں اس وقت ظہر کے لیے چھٹی ہو گئی تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ سیدھے حضرت صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے مزار پر تشریف لے گئے، فاتحہ پڑھی، حضرت آبدیدہ ہو گئے۔ دونوں بزرگ بہت اچھے دوست تھے۔ ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ فاتحہ کے بعد حضرت واپس جا رہے تھے کہ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تشریف لائے اپنے گھر لے جا کر کھانا پیش کرنا چاہتے تھے حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا گاڑی چلی جائے گی اتنی دیر رکنا مشکل ہے تو صاحبزادہ صاحب واپس اپنے گھر گئے اور ٹفن میں کھانا لے کر اسٹیشن پہنچے اور عرض کیا کہ آپ ریل میں ہی کھانا تناول فرمالیں اور ریل چل پڑی۔ اتنی دیر گاڑی کیوں کھڑی رہی اور حضرت علیہ الرحمہ کے واپس آ کر تشریف رکھتے ہی روانہ ہو گئی!

یہ حضرت علیہ الرحمہ کی کرامت ہی تھی۔

اھلاً وسہلاً مرحبا

در مدح حضرت الحاج مفتی اعظم مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتح پوری دہلی مدظلہٗ العالی

کراچی میں ہوئی آمد ہے ایک شیخِ طریقت کی
مسرت خیز ہے جس سے فضا اہلِ شریعت کی

وہ عالم جن کے فضل کی ہے دھوم ہر جانب
بنی مرکز ہے دہلی آپ کے علم و فضیلت کی

جناب مظہر اللہ مفتی اعظم فتح پوری!
فتح پوری ہوئی جن سے ہمیشہ اہلِ سنت کی

ہمیشہ سر بکف تبلیغِ سنت میں رہتے ہیں
ہے شہرت چار جانب آپ کے رشد و ہدایت کی

تمام عالموں نے انجمن تبلیغ کے مل کر
برائے خیر مقدم حامدی[1] منزل میں دعوت کی

کھلا اہلا و سہلا مرحبا کا شور محفل میں
ہر اک عالم ہر اک شیخِ طریقت جس نے شرکت کی

سلام قادری تنہا نہیں اک مدح خواں ان کا
ہے قائل ساری دنیا معترف ان کی عظمت کی

پیش کردہ مولانا عبدالسلام باندوی مرحوم متخلص بہ سلام، ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء، کراچی

۱۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کی جانب سے حضرت علیہ الرحمہ کے اعزاز میں دیے گئے عصرانہ میں منقبت پیش کی گئی تھی۔

سفر پاکستان

پاکستان بنا۔ حضرت علیہ الرحمہ کے بعض عزیز و اقرباء مریدین، معتقدین و مخلصین بھی ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ سب کی دلی تمنا تھی کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بھی مستقل طور پر پاکستان آ جائیں۔ لیکن حضرت علیہ الرحمہ جانتے تھے کہ پاکستان کے لوگوں کی بہ نسبت ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے پاکستان میں مستقل قیام کو منظور نہ فرمایا۔ عارضی قیام کے لئے پاسپورٹ ضروری تھا اور پاسپورٹ کے لئے فوٹو...... مگر شرعاً فوٹو کی اجازت نہیں، اس لئے عارضی آنا بھی ملتوی رہا۔

کراچی سے ایک وفد بسر پرستی حضرت علامہ الحاج مفتی محمد محمود شاہ صاحب الوری نقشبندی مجددی دہلی پہنچا موصوف حضرت قبلہ کے سب سے بڑے فرزند نسبتی، سب سے محبوب داماد تھے، ان کی بات کیسے ٹلتی، پاکستان میں جو مشتاقانِ دید تھے ان کی آرزو پوری کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حضرت کی بے خبری میں کبھی کسی مرید نے فوٹو کھینچ لیا تھا۔ وہ کام آ گیا۔ پاسپورٹ بن گیا۔ سفر شروع ہو گیا۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو پہلی بار اپنے وجودِ مسعود سے پاک سرزمین کو مشرف فرمایا۔ اہلِ دل کی عید ہو گئی کراچی ایئر پورٹ پر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی آمد کا وہ منظر جنہوں نے دیکھا ان کا بیان ہے کہ ایسا والہانہ استقبال تو کسی سربراہِ مملکت کو بھی نصیب نہیں ہوتا...... ایئر پورٹ پر شیدائیوں کا جمِ غفیر تھا...... سب بے چینی سے منتظر تھے۔ جہاز کی آمد کا اعلان ہوتے ہی سب کی نگاہیں ایک طرف مرکوز ہو گئیں۔ طیارہ اترا کچھ حضرات قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت کی پہلی جھلک دیکھتے ہی کسی شیدائی نے رندانہ

انداز میں نعرہ لگایا...... نعرہ تکبیر...... اور مستانہ وار نعرہ ''اللہ اکبر'' نے پوری فضا کو مقدس کر دیا پھر نعروں کے تسلسل نے دلوں میں ایمانی حرارت تازہ کر دی۔ کسی صاحبِ دل نے طیارہ سے دور تک سرخ مخمل بچھا دی۔ خوب گلاب پاشی ہوئی تختہ گلاب بن گیا۔ اس قدر ہار ڈالے جا رہے تھے کہ بار بار چہرہ مبارک چھپ جاتا تھا۔

آنکھیں شیفتہ، دل فریفتہ سب ان کو ہی دیکھ رہے تھے مگر ہر ایک کا دیکھنا جدا جدا تھا...... جذبات کا اظہار جدا جدا تھا...... مسرت کا انداز جدا جدا تھا...... کسی کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا...... کوئی اس نورانی وجود میں گم خود کو بھی بھول گیا تھا اور مبہوت کھڑا تک رہا تھا...... کوئی دست بوسی کے لئے پروانہ وار لپک رہا تھا...... کہیں مسرت کے جذبات آنسو بن کر بہہ نکلے کوئی قدموں میں لپٹنے کے لئے بے قرار تھا۔

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو ہے دل بے قرار

روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

حضرت علیہ الرحمہ ایئرپورٹ سے باہر تشریف لے آئے الحاج شیخ سلطان احمد جاپان والا، جو بعد میں وزیرِ خزانہ بنے، اپنی کار کا دروازہ کھولے منتظر ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ اسی میں رونق افروز ہو گئے۔ سواری چلی...... جیسے بادِ بہار چلی، کاروں کا طویل جلوس ہے...... موٹر سائیکل سوار بھی شریک ہیں سب باادب تھے۔ اپنے تو اپنے غیر کو بھی over take کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اہم شخصیتیں آتی ہیں سربراہانِ مملکت آتے ہیں حفاظتی انتظامات سے سڑکیں بے رونق ہو جاتی ہیں۔ یہ کون آیا ہے؟ سڑکیں بارونق ہیں۔ دل بارونق ہیں چہرے بارونق ہیں۔

نازلی ہوٹل:

نازلی ہوٹل اپنی قسمت پر نازاں نظر آیا...... جناب شیخ سلطان احمد جاپان والے کا اخلاص ان کے کام آیا کراچی میں میزبانی کے لئے اہلِ ثروت نے پرآسائش کوٹھیاں پیش کیں- مکان والے بھی دیرینہ تعلق کا حق جتارہے تھے- کچھ غریب ارمانوں کے سہارے محبت کا دامن پھیلائے التفات کے منتظر تھے-

حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا آپ کی محبت اور خدمت کے جذبہ سے بہت متاثر ہوں-لیکن فقیر سے ملاقات کے لئے آنے والوں سے اہلِ خانہ کو پریشانی ہوجائے گی اور آنے والوں کو بھی...... اسی لئے ہوٹل میں قیام بہتر ہے- شیخ سلطان احمد جاپان والا نے اپنا نازلی ہوٹل خالی کرالیا تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ یہاں قیام فرمائیں گے-حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی زیارت کو آنے والے بیرون کراچی سے بھی روزانہ آرہے تھے- ان کے قیام کی بھی سہولت تھی، لارنس روڈ پر واقع نازلی ہوٹل پر آنے والے کو آمدورفت کی آسانی تھی- ہوٹل کا عملہ مستعد، ساری منزلوں کے کمرے خالی، میزبانی کے لئے فراخدلی سے منتظر و مستعد تھے۔ ہوٹل کے مالک جان نثار مرید سلطان احمد جاپان والا نے سارے کمروں کی چابیاں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی خدمت میں پیش کردی تھیں کہ جو مہمان آتا جائے ٹھہراتے جائیں۔

چاہئے خانہ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

ہوٹل میں ہر وقت میلے کی سی چہل پہل ہوگئی کراچی کے مقامی اور بیرونِ کراچی سے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا باجماعت نمازیں...... محافل ذکر...... عصر کے بعد مراقبہ کی مجالس...... طالبان حق کو بیعت وارشاد سے مشرف فرمانا، لوگوں کے مسائل سلجھانے، علماء کرام اور مشائخ عظام کے علاوہ دیگر اہم شخصیتوں کو بھی مشرفِ ملاقات

بخشنا۔ صبح سے رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور طرّہ یہ کہ ضیافت کرنے والوں کی طویل فہرست اور اصرار جس کے لئے سال بھر کراچی میں قیام بھی کافی نہ ہوتا۔ حضرت نے یہ شعبہ اپنے محبوب داماد حضرت الحاج مفتی شاہ محمد محمود نقشبندی مجددی (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کے سپرد کر دیا تھا جو ہر وقت حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ رہتے تھے اور وہ بہت احتیاط سے منظوری دیتے تھے پھر بھی یہ حال تھا کہ صبح کسی مخلص کے گھر ناشتہ تناول فرمایا وہاں سے قریب کسی دوسرے صاحب کے ہاں پانی ہی نوش فرمایا، دعا فرمائی پھر تیسرے صاحب کی آرزو پوری کرنی ہوتی وہاں بس پان نوش فرمالیا۔ بعض جگہ پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹا ہی دیا جا سکتا تھا، کہیں ایک دو گھنٹہ بھی دیے۔ سب لوگوں کی دلداری فرمایا کرتے تھے۔

ضیافت میں جس طرح نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لے جاتے تھے اسی طرح تمام حاضرین مجلس حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ رہتے تھے جن کی تعداد بعض اوقات سینکڑوں ہو جاتی، دعوت کرنے والوں کو ان تمام باتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ ہر شخص حسب استطاعت بہترین غذا کا انتظام کرتا لیکن اس سے حضرت علیہ الرحمہ بے نیاز تھے آپ کے لیے صرف اُبلے ہوئے چاول اور مسور کی دال پکتی بس یہی چند لقمے نوش فرماتے۔ تمام پر تکلف کھانوں سے حضرت کے طفیل دیگر حضرات مستفیض ہوتے تھے۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا ــــــ اس شکم کی قناعت پر لاکھوں سلام

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے پاس وقت کی گنجائش نہ تھی اس لیے علماء کرام نے فیصلہ کیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے اعزاز میں ایک مجلس منعقد ہو جائے جس میں تمام علماء تشریف لا کر ملاقات کا شرف حاصل کر سکیں دیگر اہل علم ادیب شاعر وغیرہ بھی اس موقعہ سے فائدہ اُٹھالیں چنانچہ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو حضرت علیہ الرحمہ کے اعزاز میں ایک عصرانہ کا اہتمام فرمایا جس میں علماء کرام، مشائخ عظام،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سپاس نامہ

بخدمت گرامی درجت، عظیم المرتبت، شیخ طریقت امام اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی

حضرت والا!

پاکستان بننے کے بعد سے اب تک کراچی کے علماء و مشائخ نیز حضرت کے متوسلین و معتقدین کی یہ تمنا و خواہش تھی کہ حضرت کراچی تشریف لا کر سب کو اپنے دیدار سے مستفید فرمائیں، چودہ سال کے بعد پہلی مرتبہ جناب مولانا مفتی محمد محمود صاحب الوری مدظلہ کی خصوصی مساعی کی بدولت حضرت نے یہ شرف بخشا کہ کراچی تشریف لائے۔

مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام کراچی حضرت کے ورود مسعود پر صمیم قلب کے ساتھ ہدیۂ عقیدت پیش کرتی ہے، یہ انجمن خالص مذہبی تبلیغی جماعت ہے جو اپنی بساط کے مطابق خدمت دین و مذہب کر رہی ہے، ہر سال تبلیغی کتابچے اور رسائل شائع کئے جاتے ہیں، وقتاً فوقتاً پاک و ہند اور عالم اسلامی میں تبلیغی وفود جاتے رہتے ہیں، گزشتہ سال حج کے بعد بھی انجمن کا ایک وفد حجاز مقدس ہوتا ہوا، بیت المقدس، لبنان، عمان، شام، بیروت، دمشق، مصر، عراق، اور ایران گیا، اور بقیع شریف اور جنت المعلیٰ کی منہدم قبور شریفہ کے تحفظ و تعمیر کی تحریک کو ان مقامات پر پیش کیا اور ایک فتویٰ پر عالم عرب کے علماء کے دستخط حاصل کیے، اور فتویٰ کی شکل میں ایک کتاب چہار اردو عربی میں شائع کیا گیا، حضرت دعائے خصوصی فرمائیں کہ اس سلسلے میں خدائے قدوس انجمن کو کامیاب فرمائے۔

مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام کراچی میں ایک ایسا معیاری تبلیغی کالج قائم کرنا چاہتی ہے جس میں دینیات، درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ دنیا کے مذاہب اور اقوام عالم کی زبانوں کی مہارت پیدا کی جائے، تبلیغی کالج کے طلباء پاک و ہند اور ممالک یورپ اور بلاد اسلامیہ میں جا کر ملک کی زبان میں اسلام مقدس کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کر سکیں، حضرت

دعا فرمائیں کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ ہمیں اس تحفیل میں کامیاب فرمائے۔

حضرت والا!

ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ آں جناب اپنی قیام گاہ پر رہتے ہوئے بھی بدنفس نفیس در پریشان حال مسلمانان ہند کی علمی روحانی گرانقدر خدمات انجام دیتے ہیں بلا شبہ آپ کا وجود گرامی ہندو پاک کے مسلمانوں کیلئے قابل فخر و ناز ہے۔ خدائے بزرگ آپ کا سایہ عاطفت تا دیر قائم رکھے۔

حضرت محترم!

ہمیں دلی مسرت ہے کہ کراچی میں آپ کے صاحبزادہ گرامیقدر مولینا مفتی مظفر احمد صاحب ماشاء اللہ فتویٰ نویسی، قضاۃ اور دیگر علمی و فقہی اہم خدمات انجام دیکر حضرت کی یاد تازہ فرماتے رہتے ہیں جزاکم خیرا لجزاء۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض، عرصۂ دراز تک جاری رہے۔

ہمارا معروضہ ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ اگر سال میں ایک بار کراچی تشریف لایا کریں تو پاکستان مسلمانوں کیلئے حضرت کا قیام ہر طرح مفید اور نتیجہ خیز ہوگا۔

ہم ہیں آپکے مخلصین

(مولانا) عبدالحامد القادری البدایونی
صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام

(حاجی) ممتاز الدین دہلوی

(مولانا) محمد شفیع اکاڑوی
ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام

آزاد بن حیدر ایم۔اے
ناظم نشرو اشاعت

و اراکین مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام پیر کالونی ۲/۱۴ کراچی

۵ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ

مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

عمائدین شہر اور صاحب قلم حضرات و شعراء نے شرکت کی۔ حضرت مولانا بدایونی علیہ الرحمہ نے سپاسنامہ پیش کیا شعراء کرام نے حضرت کی شان میں قصائد پیش کیے۔ سپاس نامہ حسب زیل ہے۔

دورانِ قیام کراچی احباب کے اصرار پر حضرت علیہ الرحمہ نے ایک بار جمعہ کی نماز جامع مسجد آرام باغ میں اور ایک بار جامع میمن مسجد بندر روڈ پر ادا فرمائی۔ آپ کی تشریف آوری کا اعلان ہوگیا تھا نماز کے بعد زیارت کرنے والوں کا ہجوم ٹھاٹیں مارتا سمندر، وزراء، سفراء اور افسران دیکھتے رہ گئے، ان کی طرف کسی کا رُخ نہ تھا۔ محراب مسجد سے صدر دروازہ تک پہنچنے میں آدھا گھنٹا لگ گیا۔ مسجد کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ سب عقیدت سے آئے۔ صبر سے انتظار کیا۔ بے صبری سے دیدار کیا۔ آرزو سے دل میں بسایا۔ مخمور ہوکر گئے۔

سفر حیدر آباد:

حضرت علیہ الرحمہ کا کراچی پہنچنا تھا کہ حیدر آباد والوں کا حق بن ہی گیا۔ جو حیدر آباد سے زیارت کے لیے آتا رہا حیدر آباد چلنے کا تقاضہ کرتا رہا۔ سب سے بڑا حق تو حضرت علیہ الرحمہ کی سب سے بڑی صاحبزادی صاحبہ کا تھا جو حیدر آباد میں تشریف فرما تھیں اور حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک سب سے محبوب شخصیت حضرت کے بڑے فرزند نسبتی حضرت علامہ الحاج مفتی شاہ محمد محمود الوریٰ مجددی نقشبندی سہروردی قادری چشتی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جن کی کوشش اور خواہش حضرت علیہ الرحمہ کے پاکستان آنے کا سبب بنی۔ ان کے ہاں قیام کا ارادہ حیدر آباد کے سفر کا محرک ہوا۔

اہل حیدر آباد محبت و خلوص میں بازی لے گئے۔ اس عظیم المرتبت شخصیت کی تشریف آوری کی خبر سارے شہر میں بذریعہ لاؤڈ اسپیکر نشر کی گئی پھر نوید مقدس کے عنوان سے بہت بڑے سائز کا اشتہار شہر کی دیواروں کی زینت بنا اشتہار کی نقل حسب ذیل ہے۔

نوید مقدس

مصدر بزرگی و عظمت مرکز رشد و ہدایت، سلطان العارفین امام السالکین شیخ طریقت راہبر شریعت حضرت علامہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مفتی ہندو پاکستان خطیب شاہی مسجد فتح پور دہلی (بھارت) کراچی سے حیدر آباد تشریف لا رہے ہیں۔

لہٰذا جمیع عقیدت مندوں اہل ذوق حضرات سے توقع ہے کہ مہمان عظیم الشان کے شایانِ شان استقبال کے لیے مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء بروز جمعرات ساڑھے چار بجے شاہین ایکسپریس کی آمد کے وقت حیدر آباد اسٹیشن پر تشریف لائیں۔

المعلن: سید صفدر علی نیو کلاتھ مارکیٹ حیدر آباد

اہل شہر نے دل کھول کر ارمان نکالنے کی ٹھانی تھی ان کا منصوبہ تھا کہ ایک کھلے ٹرک کو پھولوں سے سجایا جائے۔ اس پر ایک نہایت قیمتی کرسی پر حضرت علیہ الرحمہ رونق افروز ہوں خدام باسلیقہ ہمراہ ہوں اور یہ شاہانہ سواری شہر کے مختلف علاقوں سے گزرے وغیرہ وغیرہ۔ شاہین ایکسپریس اسٹیشن پر پہنچی...... اسٹیشن نعرۂ تکبیر، نعرہ رسالت اور اہل سنت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اُٹھا...... استقبال کے لیے آنے والوں کے ہجوم سے اسٹیشن پر تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں بچی...... زمین پر یہ عالم تھا چھتوں اور درختوں پر بھی لوگ ایک جھلک دیکھنے کو چڑھے ہوئے تھے...... سب کے ہاتھ میں پھولوں کے ہار تھے...... ایسی عقیدت...... ایسا جوش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس محبت کی قدر فرمائی لیکن جب ٹرک پر سوار ہو کر جلوس کی شکل میں شہر کی گشت کرنے کی

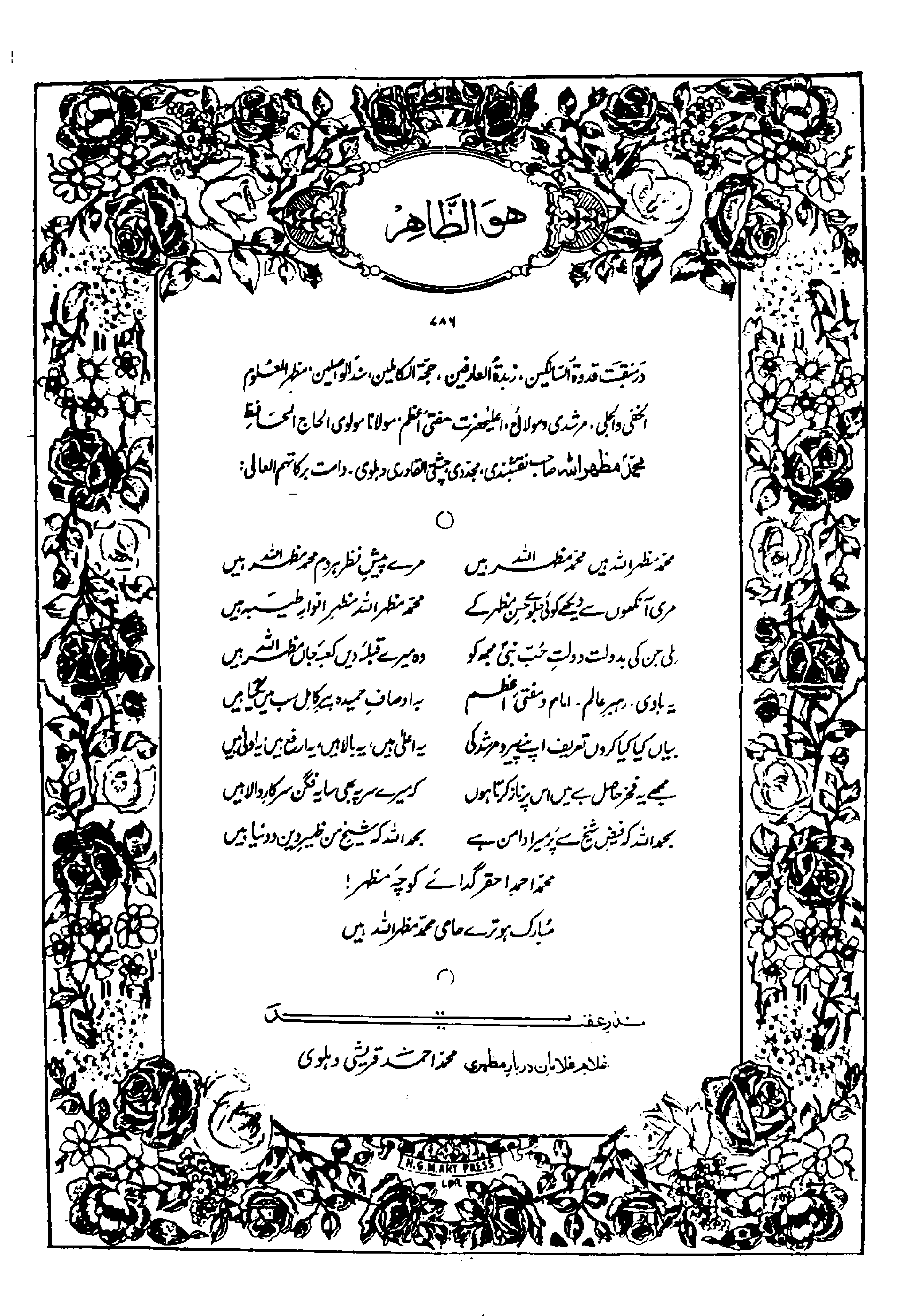
درخواست کی گئی تو سخت ناپسند فرمایا وہ جسے خود نمائی سے نفرت ہو...... جسے گوشہ نشینی کی عادت ہو...... عاجزی جس کی فطرت ہو، وہ یہ تماشا کس طرح قبول کرتا۔ ایک سادہ سی کار میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت مفتی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور اس شاندار اہتمام پر خفگی کا اظہار فرمایا۔

حیدرآباد میں دس بارہ روز قیام رہا۔ صبح سے شام تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ امیر ہو یا غریب چھوٹا ہو یا بڑا سب پر یکساں توجہ یکساں پذیرائی سب کو ہی فیضیاب کرنا ہوتا تھا۔

حیدرآباد کے قریب شہروں مثلاً ٹھٹھہ، میرپور خاص، نواب شاہ وغیرہ سے آنے والے تو آرہے تھے کراچی والوں کو بھی شغل ہاتھ آگیا تھا۔ بار بار جاتے کچھ دیر صحبت اقدس سے بہرہ ور ہوتے واپس آجاتے دوپہر سے شام تک آنے والوں کی کثرت کی وجہ سے حضرت علیہ الرحمہ ظہر تا مغرب حاجی محبوب الٰہی صاحب (مالک سندھ ٹیریز و مہر ٹیکسٹائل ملز) کے ہاں قیام فرماتے (تاکہ حاضرین کو سہولت رہے) یہاں عصر کے بعد محفل منعقد ہوتی تھی جس میں روحانی تربیت ہوتی تھی۔

لاہور کا سفر:

۵ نومبر ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد سے حضرت علیہ الرحمہ کراچی تشریف لے آئے۔ چند روز کراچی میں قیام رہا پھر آپ لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت علامہ مفتی محمد محمود علیہ الرحمہ بھی ہمراہ تھے۔ لاہور میں محبین، مخلصین و مریدین نے پرتپاک خیر مقدم کیا، کئی اہم شخصیتیں بھی استقبال کے لیے حاضر تھیں مثلاً امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلیفہ حضرت علامہ سید احمد صاحب ابوالبرکات رحمتہ اللہ علیہ، صدر المشائخ حضرت آغا فضل عثمان صاحب (صاحب زادہ ملا شور بازار رحمتہ اللہ علیہ شیخ طریقت شاہ ظاہر شاہ والی افغانستان)



ھوَ الظّاھِرُ

۷۸۶

در منقبت قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حجۃ الکاملین، سند الواصلین، مظہر العلوم الخفی والجلی، مرشدی ومولائی، اعلیحضرت مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی، مجددی چشتی القادری دہلوی۔ دامت برکاتہم العالی:

○

محمد مظہر اللہ ہیں محمد مظہر اللہ ہیں ۔۔۔ مرے پیشِ نظر ہر دم محمد مظہر اللہ ہیں

مری آنکھوں سے دیکھے کوئی جلوہ حسنِ مظہر کے ۔۔۔ محمد مظہر اللہ مظہرِ انوارِ طیبہ ہیں

ملی جن کی بدولت دولتِ حُبِّ نبیؐ مجھ کو ۔۔۔ وہ میرے قبلۂ دیں کعبۂ جاں مظہر اللہ ہیں

یہ ہادی، رہبرِ عالم، امام و مفتیِ اعظم ۔۔۔ یہ اوصافِ حمیدہ پیرِ کامل سب میں یکجا ہیں

بیاں کیا کیا کروں تعریف اپنے پیر و مرشد کی ۔۔۔ یہ اعلیٰ ہیں، یہ بالا ہیں، یہ ارفع ہیں، یہ اولیٰ ہیں

مجھے یہ فخر حاصل ہے میں اس پر ناز کرتا ہوں ۔۔۔ کہ میرے سر پہ بھی سایہ فگن سرکار والا ہیں

بحمد اللہ کہ فیضِ شیخ سے پُر میرا دامن ہے ۔۔۔ بحمد اللہ کہ شیخ من ظہیرِ دین و دنیا ہیں

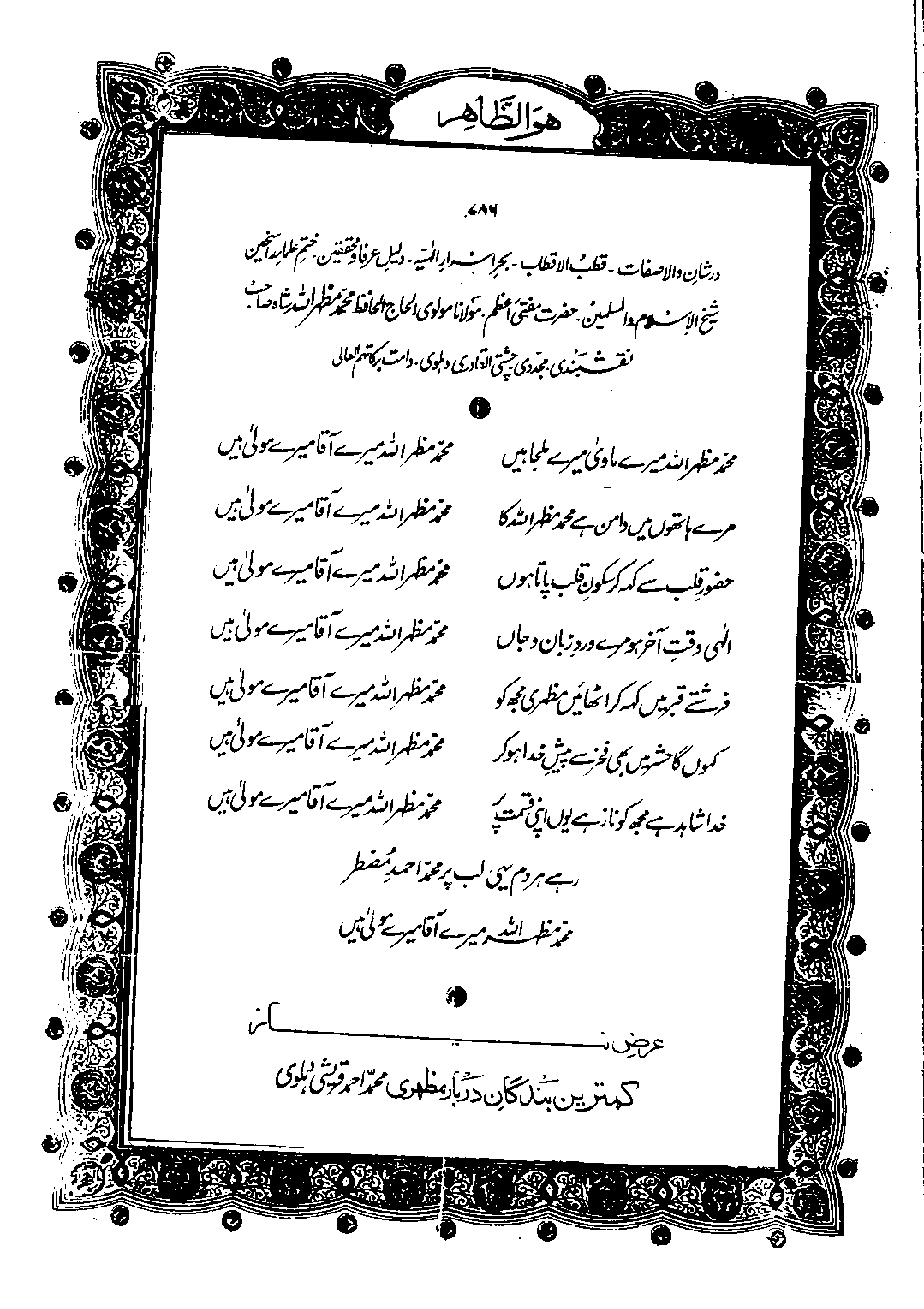
محمد احمد احقر گدائے کوچۂ مظہر!

مبارک ہو ترے حامی محمد مظہر اللہ ہیں

○

نذرِ عقیدت

غلام غلامانِ دربارِ مظہری محمد احمد قریشی دہلوی



هوالظاهر

۶۸۶

درشانِ والاصفات۔ قطبُ الاقطاب۔ بحرِ اسرارِ الٰہیہ۔ دلیلِ عرفا و محققین۔ ختمِ علمائے راسخین
شیخ الاسلام والمسلمین۔ حضرت مفتیٔ اعظم۔ مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب۔
نقشبندی، مجددی، چشتی القادری دہلوی۔ دامت برکاتہم العالی

محمد مظہر اللہ میرے ماوٰی میرے ملجا ہیں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

مرے ہاتھوں میں دامن ہے محمد مظہر اللہ کا
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

حضورِ قلب سے کہہ کر سکونِ قلب پاتا ہوں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

الٰہی وقتِ آخر ہو مرے وردِ زبان و جاں
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

فرشتے قبر میں کہہ کر اٹھائیں مظہری مجھ کو
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

کہوں گا حشر میں بھی فخر سے پیشِ خدا ہو کر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

خدا شاہد ہے مجھ کو ناز ہے یوں اپنی قسمت پر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

رہے ہر دم یہی لب پر محمد احمدِ مضطر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

عرض ــ ساز
کمترین بندگانِ دربارِ مظہری محمد احمد قریشی دہلوی

اور دیگر علماء کرام و دیگر مشائخ بھی خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مرید خاص شیخ محمد احسان صاحب مرحوم کے صاحبزادے شیخ محمد عرفان صاحب کی میزبانی قبول فرمالی۔ انہوں نے اپنے والد مرحوم کی طرح خلوص اور جذبہ خدمت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ اپنے عظیم مہمان کے اکرام میں حضرت علیہ الرحمہ کے ہمراہ دہلی تک گئے۔

فضا نوری

زہے مسعود قسمت آج لمحے کیا سعید آئے   محمد مظہر اللہ شاہ تشریف اس طرف لائے

تمنا دید کی نکلی، کہ اب حاصل حضوری ہے   خدا رکھے جدھر دیکھو فضا نوری ہی نوری ہے

عمرؔ یہ آج کا دن کیا ہے، روزِ عید ہے مجھ کو

بہ ہر صورت نگاہِ خاص کی امید ہے مجھ کو

پیش کردہ

عاجز و ناچیز محمد عمر قریشی مظہری نقشبندی، لاہور، ۱۹۶۱ء

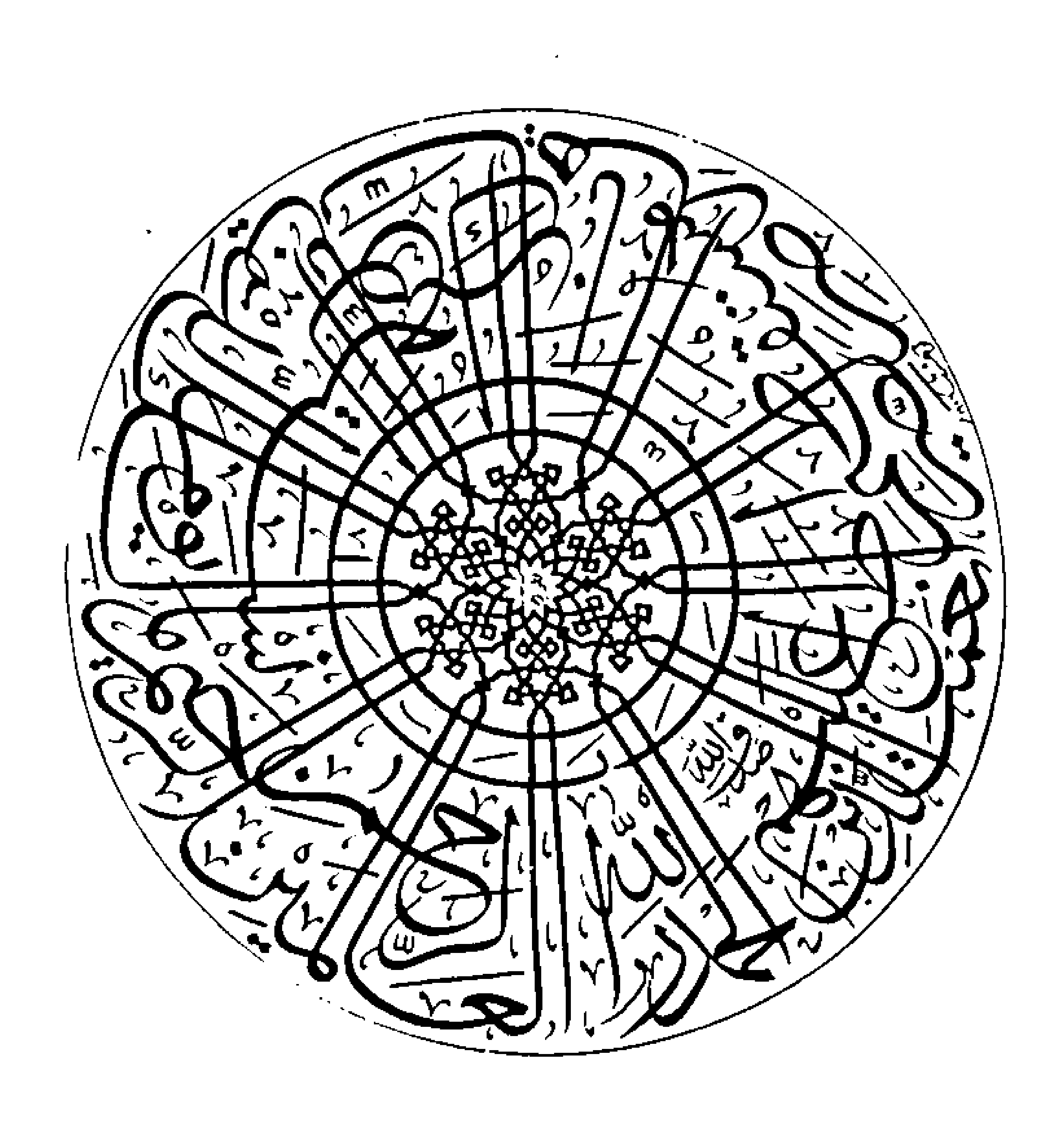
دوسری بار پاکستان آمد:

۳۰ جولائی ۱۹۶۴ء کو حضرت علیہ الرحمہ دوسری اور آخری بار اپنے نور نظر صاحبزادہ عالی گہر حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کی شادی خانہ آبادی میں شرکت کے لیے پاکستان تشریف لائے۔ حسب سابق فقید المثال، شاندار استقبال ہوا۔ پہلی بار سے زیادہ جوش دیکھنے میں آیا۔ اس بار چند دن اپنے خاص مرید و محبّ جناب شیخ محمد سعید صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ لیکن بیرون کراچی سے آنے والوں کے لیے قیام وغیرہ کے مسائل بڑھ گئے اس لیے پھر نازلی ہوٹل میں منتقل ہو گئے۔ حسب سابق چند روز بعد حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک روز کے لیے میرپور خاص تشریف لے گئے اور صاحبزادہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت پیر محمد اسحاق جان سرہندی مجددی کے ہاں بھی تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ پھر حیدرآباد تشریف لائے اور چند دن بعد کراچی میں رونق افروز ہوئے۔

کراچی سے ملتان پھر بھاولپور (دوسری صاحبزادی صاحبہ اہلیہ حضرت الحاج قاری حفیظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں پھر صاحب زادہ صلاح الدین احمد صاحب (برادر خورد نواب آف لوہارو) کے ہاں تشریف لے گئے۔ بھاولپور سے خانیوال اور وہاں سے ساہیوال تشریف لے گئے کہ یہاں مرشد کریم حضرت سید صادق علی شاہ قدس سرہ العزیز کے خاندان کی ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ شریفہ امامیہ سے ملنے تشریف لے گئے جو حضرت علیہ الرحمہ سے ملاقات کے مشاق و منتظر تھے، ساہیوال سے لاہور تشریف لائے۔ یہاں پنجاب کے دیگر شہروں سے بے شمار لوگ حضرت علیہ الرحمہ کی زیارت کے لیے آتے رہے۔ اس بار لاہور میں حضرت علیہ الرحمہ کی مہمان نوازی کا شرف حضرت کے ایک مرید خاص جناب رفیق الدین صاحب کے نصیب میں تھا۔ ماشاء اللہ بڑی فراخ دلی سے انہوں نے آنے والوں کے قیام و طعام کا انتظام فرمایا۔ حضرت علیہ الرحمہ راولپنڈی بھی تشریف لے گئے۔ لاہور کے

قیام کے دوران ایک دو روز کے لیے شرق پور بھی تشریف لے جانا ہوا۔ راولپنڈی میں حافظ رفیق الدین صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرمایا اور شرق پور شریف میں حضرت صاحبزادہ اور میاں جمیل احمد شرقپوری کے ہاں رونق افروز ہوئے۔

حضرت علیہ الرحمہ جہاں جہاں تشریف لے گئے عصر یا مغرب کے بعد محفل ذکر قائم ہوتی تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے تلقین فرمائی۔ روحانی طور پر فیضیاب کیا، طالبان حق کو بیعت سے مشرف فرمایا لوگوں کو راہِ حق پر لگایا۔ ان کے قلوب میں حبِ رسول ﷺ کی شمع روشن کی۔ سالکان راہِ طریقت کو نئی منازل سے روشناس کرایا گویا یہ تمام سفر تبلیغ و تربیت میں جدوجہد ثابت ہوئے اگرچہ بظاہر ملاقاتیں نظر آتی ہیں۔



نُوْرُ حَدِيْقَةِ الشَّرِيْعَةِ، نُوْرُ حَدِيْقَةِ الطَّرِيْقَةِ لَا زَالَتْ شُمُوْسُ إِفَاضَتِهٖ سَاطِعَةً وَّأَنْهَارُ إِفَادَتِهٖ زَاخِرَةً

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً

چہ لطف بود کہ ناگہ رشحۂ قلمت — حقوقِ خدمتِ ما عرضہ کرد بر کرمت

بنوکِ خامہ رقم کردۂ سلامِ مرا — کہ کارخانۂ دوراں مباد بے رقمت

نگویم از منِ بیدل بسہو کردی یاد — کہ در حسابِ خرد نیست سہو بر قلمت

زحالِ ما دلت آگہ شود مگر وقتے

کہ لالہ بر دمد از خاکِ کشتگانِ غمت

اپنے جلّار اور سقوطِ مکان شریف کو چودہ برس بیت گئے۔ مگر اس جنت در آغوش فضا کا تصور ـــــ ویرانہ دل میں آج بھی کعبۂ شوق تعمیر کر رہا ہے ایک ایسی فضا جو دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور تھی

آں زمینے کہ درو منزلِ جاناں بودست — مطرحِ نورِ رخِ آں مہِ تاباں بودست

آں زمینے کہ ہر نشیب و فرازے کہ دروست — جائے آمد شدِ آں سروِ خراماں بودست

آں زمینے کہ ہر خاشاک و خارے بینی

پیش ازیں رستہ بجائش گل و ریحاں بودست

اس مدت میں شاذ ہی کوئی لمحہ گزرا ہو کہ یادِ مکان شریف نے بغیر آپ کی یاد کے قلبِ ناشاد کو شاد کیا ہو

اے صبا ساکنانِ شہرِ یزد از ما بگو — کای سرِ ناحق شناساں گوئے چوگانِ شما

گرچہ دوریم از بساطِ قرب ہمت دور نیست — بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما

نواحِ دل سے جب کوئی اِدھر آتا ہے تو آرزو ——— سماع مجسّم بن جاتی ہے ۔

بجستجوی خبر جانم از دریچۂ گوش
زماں زماں بسرِ راہِ کارواں آید

محمد عمر صاحب کے آنے سے پہلے مولنا صاحبزادہ مظفر احمد صاحب سے کراچی میں دو دفعہ ملاقات ہوئی ۔ جنوری ۱۹۵۲ء اور جون ۱۹۵۸ء میں جنوری ۱۹۵۲ء میں تو آپ اور صاحب بھی ساتھ تھے ۔ بیٹے ، گھر لے گئے ، اور مہر و وفا کی ساری بے تکلفیوں کے ساتھ خوانِ نعمت سجا سجا کر قسما قسم کے پُر تکلف کھانے کھلائے ۔ پھر مائدہ نضارت فزا کی زیارت کرائی جواں ہی دنوں اُن کے نام ترف آمدہ ہوا تھا ۔

دواں گرفتم دلِ بر سیم و خود ہم باز

نام یاد نہیں کام مقرر اسفے کا کر رہے تھے ۔ ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش ۔ پھر اگست ۱۹۵۹ء میں مولنا حضرت محمود صاحب یہاں تشریف لائے ، اچانک آئے ۔ صرف ایک رات ٹھیرے اور چلے گئے

چنداں نہ نشستی کہ شود غنچۂ دل وا
چوں بُوئے گُل و بادِ صبا آمدہ رفتی

مانا کہ اِس آنے جانے میں بُوئے گُل و بادِ صبا کی سی کیفیت تھی مگر مشامِ جاں کو عطا ہونے والی نکہتیں تو رَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِيمٍ کی کیفیت لئے ہوئے تھیں

قَلِيلٌ مِنْكَ يَكْفِينِي وَ لَكِنْ
قَلِيلُكَ لَا يُقَالُ لَهُ قَلِيلٌ ۔

بوئے گل سی تو گل ہی کا لطفِ عام ہے اِس لئے کہ صفات اور افعالِ صفات ——— ذات ہی کے مظاہر ہیں

تِرا ہی عکس ہے اِن اجنبی بہاروں میں
جو تیرے لب تیرے بازو تیرے کنار نہیں

بلکہ اِن گلوں کی رنگ برنگی خوش طراز نبائیں اور ان سیمیں بدن غنچوں میں رچی بسی خوشبوئیں سب اُسی سدا بہار گلِ خندہ ان کے حسن کی زکوٰۃ ہیں

ندانم آں گلِ خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوے او دارد

ایسا حُسن جو توصیف کی جولانی، اور تعبیرات سے ماوراء ہے۔

بوصفش ماندہ حیراں عقل و فرہنگ | بیاباں در بیاباں آہوے لنگ

جس طرح مکان کے اندر داخل ہونے والی ایک ہی روشنی ــــــ دروازوں، کھڑکیوں اور روشن دانوں کے تعدد و تکثر سے متعدد و متکثر نظر آتی ہے۔ آفتابِ وجود کی ضیاء جو عدم متقابل کے آئینوں میں مصروف جلوہ ریزی ہے اپنی صرافتِ احدیت پر لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے عرش مُعلّیٰ پر ہے۔

مُنْفَرِق شد آفتابِ جانہا | در درون روزن ابدانہا
چون نظر در قرص داری خود یکیست | وانکہ شد محجوب ابداں در شکیست

درمیاں ناید جمالِ حالِ او
ہر دو عالم ہست عکسِ خالِ او

ایسا عرش جہاں وجوب و وجود کا اطلاق بھی مجرد اعتبار اور فرض محض ہے۔ امام مجدد فرماتے ہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاِمْکَانَ مِرْاٰۃً لِّلْوُجُوْبِ، وَصَیَّرَ الْعَدَمَ مَظْھَرًا لِّلْوُجُوْدِ ــــــ وَالْوُجُوْبُ وَالْوُجُوْدُ وَاِنْ کَانَا صِفَتَیْ کَمَالٍ لَّہٗ فَھُوَ سُبْحَانَہٗ وَرَاءَھُمَا

آفتابِ وجود ــــ عبارت ہے ذاتِ حق سے جو بیچون و بیچگون ہے۔

اور عدم متقابل ــــ مراد ہے تمام عالم امکان سے جو صفاتِ حق کے افعال سے مرتبۂ خلق وارض پر موجود ہوا۔

ہر چند کہ امکان ــــ آئینۂ وجوب اور عدم ــــ مظہر وجود ہے۔ مگر آئینے کو چہرہ، مظہر کو عین جمال، اور ظہور کو ذاتِ ظاہر کب قرار دیا جا سکتا ہے فَھُوَ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ۔

برتر از عالم ست و بیروں از جہاں | ذاتش اندر ہستیٔ خود بے نشاں

زو نشاں جز بے نشانی کس نیافت — چارہ جز جاں فشانی کس نیافت

گر عیاں جوئی نہاں آنگہ بود — ور نہاں جوئی عیاں آنگہ بود

صد ہزاراں طور از جاں برترست — ہر چہ خواہم گفت او زاں برترست

عجز ازاں ہمراہ شد با معرفت

کو نہ در شرح آید و نے در صفت

خواجۂ بزرگ حضرت نقشبند فرماتے ہیں:[4] —

"ہر چہ دیدہ شد و شنیدہ شد، ہمہ غیر اوست۔ بحقیقت کلمۂ لا نفی باید کرد"

امام ربانی مجدد الف ثانی[4] اس کی توضیح یوں فرماتے ہیں: —

"پس شہود وحدت در کثرت نیز شایانِ نفی گشت۔ و ہر چہ شایانِ نفی است ازاں جناب منتفی است۔ ایں کلام حضرت خواجہ مرا ازیں شہود برآوردہ است و از گرفتاریہائے مشاہدہ و معاینہ نجات بخشیدہ۔ من بایں یک سخن مریدِ حضرت خواجہ ام و حلقہ بگوشِ ایشاں۔ والحق از اولیاء کم کسی مثلِ ایں عبارت تکلم نمودہ است و جمیع مشاہدات و معاینات را بریں نہج نفی ساختہ"

امام مجدد[5] ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں: —

"بدانند کہ از صوفیۂ علیہ ہر کہ بوحدتِ وجود قائل است و اشیاء را عینِ حق می بیند تعالیٰ و حکم ہمہ اوست می کند مرادش آں نیست کہ اشیاء با حق جل و علا متحد اند و تنزیہ تنزل نمودہ تشبیہ گشتہ است و واجب ممکن شدہ و بیچون بچون آمدہ کہ ایں ہمہ کفر و الحاد است و ضلالت و زندقہ۔ آنجا نہ اتحاد است

نہ عینیت نہ تنزل ست نہ تشبیہ ...... بلکہ معنی ہمہ اوست آنست کہ اشیا نیستند و موجود اوست تعالٰی و تقدس۔ منصور کہ انا الحق گفت مرادش آں نیست کہ من حقم و با حق متحدم کہ آں کفر ست و موجب قتل او۔ بلکہ معنی قول او آنست کہ من نیستم، موجود حق ست سبحانہٗ ——— غایۃ ما فی الباب صوفیہ اشیاء را ظہورات حق میدانند۔ تعالٰی و تقدس و مجالی اسماء و صفات او سبحانہٗ انگارند۔ بے شائبہ تنزل و بے مظنۂ تغیر و تبدل در رنگ آں کہ ظل از شخص ممتد شود، نمی تواں گفت کہ آں ظل باں شخص متحد است و نسبت عینیت دارد یا آں شخص تنزل نمودہ بصورت ظل ظاہر شدہ است۔ بلکہ آں شخص بر صرافت اصالت خود ست و ظل از وے بوجود آمدہ ست بے شائبہ تنزل و تغیر۔ ہر چند بعضے اوقات جمعے را بواسطۂ کمال محبت کہ بوجود آں شخص پیدا کردہ اند ——— وجود سایہ از نظر شاں مختفی گردد و غیر از شخص ہیچ چیز مشہود ایشاں نباشد

شاید کہ بگویند کہ ظل ——— عین شخص ست یعنی ظل معدوم ست و موجود ہماں شخص ست و بس

پس ازیں تحقیق لازم آمد کہ اشیاء ——— ظہورات حق اند تعالٰی نہ عین حق جل سلطانہٗ۔ پس اشیاء از حق باشند تعالٰی نہ حق۔ جل شانہٗ۔ پس معنی کلام ایشاں کہ ہمہ اوست ہمہ از وست باشد کہ مختار علماء کرام ست و نزاع درمیان علماء کرام و صوفیہ عظام کثرھم اللّٰہ سبحانہٗ الی یوم القیامۃ ثابت نباشد ——— و مآل تو کین یکے بود۔ ایں قدر فرق ہست کہ صوفیہ ——— اشیاء را ظہورات حق می گویند تعالٰی و علماء ازیں لفظ نیز تحاشی نمایند از جہت تحرز نمودن از توہم حلول و اتحاد ۱۲

دیکھئے شوق جنوں مزاج کی دل فریبیوں نے بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا

چلی ہی آتی ہیں شوق میں یاں زباں پہ بے اختیار باتیں ——— سکوت نخوت بھی مسکرا دے سنے جو دیوانہ وار باتیں

ذکر تو مولانا محمود صاحب کی آمد کا تھا۔ مولانا کے ہمراہ و ہم نشیں چند ایسے مردانِ خدا تھے جو اذا رُءُوْا ذُکِرَ اللہ کے مصداق اور اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ اَدَبٌ کے پیکر۔ سبحان اللہ کیوں نہ ہوں حضرت مولانا رکن الدین سے نسبت رکھتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

آں قدوۂ زمانہ و آں زبدہ جہاں | آں شبلیٔ زمان و جنیدِ زمانیاں
آں صدرِ چار بالشِ ایوانِ اصفیا | واں شمعِ جاں فروزِ شبستانِ اتقیا

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم :۔

مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السَّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْکِ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ، لَا یَعْدَمُکَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْکِ اِمَّا اَنْ تَشْتَرِیَہٗ اَوْ تَجِدُ رِیْحَہٗ، وَکِیْرُ الْحَدَّادِ یُحْرِقُ بَدَنَکَ اَوْ ثَوْبَکَ اَوْ تَجِدُ مِنْہُ رِیْحًا خَبِیْثَۃً

خواجہ اجمیر کا ارشاد ہے :۔

صحبتِ نیکاں بہ از کارِ نیک و صحبتِ بداں بدتر از کارِ بد

ان میں سے بعض ۱۳ شوال کو عرس پر بھی یہاں آئے تھے۔ عرس اب بھی ہوتا ہے اہلِ نسبت شرکت کرتے ہیں اور علی قدرِ مراتب بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ مگر ان انوار و برکاتِ خاصہ کو جو روضۂ مطہرہ کی خاکِ پاک میں ودیعت ہیں کہاں سے لائیں

واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب | آسودگی کی جان اُسی انجمن میں تھی
غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی | جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی

آپ نے تحریر فرمایا کہ عرس مکان شریف میں ہو تو بہتر ہے دائمی بہتر ہے مگر بظاہر ابھی کوئی صورت نہیں

پایم بگل ز حسرتِ گشتِ کنارِ جُو | خارم بدل ز یادِ ہم آہنگیٔ ہزار
از خونِ دیدہ بر مژہ ام شاخِ ارغواں | وز سوزِ سینہ در نفسم تابِ لالہ زار

نارووال سے شکرگڑھ جاتے ہوئے ریل گاڑی جب جسڑ اسٹیشن پر رکتی ہے تو دریائے راوی کے اُس پار روضۂ مطہرہ کا رفیع الشان گنبد مسجد کے اونچے اونچے مینار اور سوختہ پیکر محل کے اُداس اُداس سقف و بام ہم میں سے ہر ایک کو بلاتے ہیں لیکن ہم اپنی محرومیوں کا مداوا کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں

بچے بلبل بے پر و بالِ شوقم — کہ محرومی از طوفِ گلزار دارم
مرا یں خستہ آبادِ بے جائے ماندن — نہ نیروے رفتارِ یک گام دارم

ذکرِ مبارک جزو دوم جس کی طباعت کی آپ کو فکر ہے وہ اب ہے کہاں ۔ اصل مسودہ ہی اگست ۱۹۴۷ء کی زد و خورد میں تلف ہو گیا تھا : رف وہی ـــــ آیاتُ القیّومیّہ بھی جو معارف و حقائق کا خزینہ ، تاریخ محان شریف کی اصل اور ذکر مبارک کا ماخذ تھی دونوں مخطوطے ـــــ ذکرِ مبارک کے مصنف قاضی قائم الدین کے پاس امرت سر میں تھے وہ ترکِ وطن کے وقت شب خوابی کے لباس میں تھے انہیں اتنی فرصت نہ ملی کہ اس عزیز از جان سرمایہ کو حرزِ جان بنا لیتے سر و پا برہنہ چل کھڑے ہوئے يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۔ لاہور پہنچنے پر کسی کو لکھا کہ گھر جا کر دونوں کتابیں تلاش کر کے بھیج دو۔ اُس نے مدت کے بعد لکھا کہ اس قسم کی تمام چیزیں اگلی دیوی کی بھینٹ چڑھا دی گئی تھیں

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں — مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ذکرِ مبارک کی دوسری جلد کا آغاز حضرت قیوم العالم سیدنا امام علی قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ سے ہوا تھا جو دو صد صفحات پر مشتمل تھا پھر حضرت اقدس سیدنا صادق علی رحمۃ اللہ علیہ کے عصرِ پر انوار کا تذکرہ تھا جو مزید ڈیڑھ سو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ قاضی صاحب نے یہ حصۂ کتاب بڑی کاوش سے تالیف کیا۔ پہلی جلد کی طباعت پر جب انہیں بعض فروگزاشتوں کی نشان دہی کرائی گئی تو وہ محتاط ہو گئے، اور جلد ثانی کی تدوین کے وقت یکسو ہو کر اس کام میں لگ گئے وہ امرت سر سے ہر ہفتے محان شریف پہنچتے تین چار روز ٹھہرتے اور درویش دل ریش کے پاس بیٹھ کر آیات القیومیہ اور دوسری ثقہ تحریری

شہادتوں کی روشنی میں مسودہ تیار کرتے ۔ یہ کام عین زمانۂ آشوبِ چشم میں مسلسل کئے اور انہوں نے سرانجام دیا تھا ۔ جب کتاب مکمل ہو گئی تو آخر جولائی ۱۹۷۱ء کو رمضان سے چند روز پہلے آخری مرتبہ ——— آیاتُ القبوبیہ کا نسخہ بھی ساتھ لے گئے کہ نظرِ ثانی پوری احتیاط کے ساتھ ہو سکے

آیاتُ القبوبیہ (جیسا کہ جناب کو علم ہے) حضرتِ قیومِ العالم کے سلسلۂ طریقت ، طریقِ ارشاد ، حالاتِ خلفاء اور مسترشدین کی کیفیاتِ خاصہ کا پُرمغز تاریخی اور عرفانی جائزہ ہے جسے حضرتِ پیرورد کے خلیفۂ اکمل و فاضلِ اجل سید احمد علی شہیدی مرحوم کوٹلی نے شستہ و رفتہ فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا ۔ سید صاحب ——— حضرتِ اقدس کی خدمت میں کم و بیش تیس برس ملازمِ استفادہ رہے ۔ یہاں تک کہ بعد از وفات بھی روضہ کے باہر جنوب رویہ آپ کے قدموں میں ہی آسودۂ خواب ہیں

یہی آرزو ہے کہ جانِ جاں جو مروں تو تیرا ہی نام لوں

ترے کوچے میں نہ سہی مگر تری رہگزر میں مزار ہو

قاضی قیام الدین امرتسر سے لاہور پہنچ کر صرف اکتوبر ۱۹۷۱ء تک جیئے اور تادمِ آخر اس لٹی ہوئی دولت کی بازیابی میں ساعی رہے اور جب ملتے یہی کہتے کہ جونہی سر چھپانے کو جگہ مل گئی کسی طرح قلم لے کر بیٹھ جاؤں گا تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ

اے ہم نفسانِ محفلِ ما　　　رفتید ولے نہ از دلِ ما

ناسازیٔ مزاج کی خبر موجبِ اضطراب ہے خدا کرے اب رُو باعتدال ہو

بَقِيتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ　　　وَهٰذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ

دیدہ و دل نہ صرف دوران بلکہ ہمہ ہستی بہت نامساعد ہر جزو اپنی اپنی آرزومندی ——— بزبانِ قلم عرض خدمت کر رہے ہیں

لَيْسَ الْفُؤَادُ مَحَلَّ شَوْقِكَ وَحْدَهُ

كُلُّ الْجَوَارِحِ فِي هَوَاكَ فُؤَادُ

ادبی کا یہ جذبۂ گستاخ ہرچند کہ مستوجبِ لن ترانی ہے اس لئے کہ

دیدنِ روئے ترا دیدۂ جاں می باید ویں کجا مرتبۂ چشمِ جہاں بینِ من ست

مگر بعض تبرکات کی زیارت کا داعیہ اگر باعثۂ عزمِ سفر بن جائے تو حامیوں کی جنت نگہی کا سامان از خود ہو جائے گا ؎

تسخیرِ چشمِ شوق انہیں ڈھونڈتی رہی
وہ عمر بھر جو دل میں مرے میہماں رہے

فقیر حقیر منظور احمد کہ بندۂ درویشاں ست وار [illegible] دیدہ خاکِ قدم ایشاں

۹ صفر ۱۴۰۱ھ

۱۲۰ سول لائنز منٹگمری ۔

آٹھواں باب



مینار ہدایت

بحضور مجمع النور آفتاب شریعت ماہتاب طریقت مشعل رشد و ہدایت چراغ دین و ملت
سیدی و سندی حضرت استاذ الاساتذہ علامہ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قدس سرہ
مفتی اعظم (جامع مسجد فتح پوری دہلی)

پرچم حق و صداقت مظہر اللہ شاہ ہیں سربلندی کی علامت مظہر اللہ شاہ ہیں
ماہ تاباں شریعت مظہر اللہ شاہ ہیں آفتاب دین و ملت مظہر اللہ شاہ ہیں

ایک مینارِ ہدایت مظہر اللہ شاہ ہیں
رہنمائے اہلسنت مظہر اللہ شاہ ہیں

مجھ کو وہ بیتے ہوئے دن وہ زمانہ یاد ہے ہر برس اجمیر سے دہلی وہ جانا یاد ہے
مظہر اللہ شاہ کا وہ آستانہ یاد ہے ان کے قدموں پر ادب سے سر جھکانا یاد ہے

رو برو بن کر حقیقت مظہر اللہ شاہ ہیں
وا کیے آغوش شفقت مظہر اللہ شاہ ہیں

آہ دہلی! آسمانِ مرکزِ علمی نجوم کائنات علم میں ہے جن کی ضو پاشی کی دھوم
آہ وہ ''مسجد فتح پوری'' وہ اک دارالعلوم تشنگانِ علم کا، اللہ اکبر، وہ ہجوم

مسند آرائے خطابت مظہر اللہ شاہ ہیں
سب ہیں تارے، مہر طلعت مظہر اللہ شاہ ہیں

پیش کردہ:- اختر الحامدی- حیدر آباد- سندھ



سیاست

حب الوطنی شعائرِ اسلام میں سے ہے ---- حضرت علیہ الرحمہ اس کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل برصغیر پاک و ہند حکومت برطانیہ کے زیرِ اقتدار تھا۔ بعض راہنمایان قوم کی کوشش سے عوام میں آزادی کا شعور بیدار ہونے لگا۔ مختلف تحریکیں وجود میں آنے لگیں، مسلمان تحریک خلافت کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔ مسلم لیگ کی قیادت ابھری اور مسلمانوں کی دیگر تنظیموں پر چھا گئی۔ تمام سیاسی جماعتوں کا مقصود و مطلوب تو ایک ہی تھا ---- آزادی ---- غیر ملکی تسلط سے آزادی حاصل کرنا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے اجداد کرام آزادی کے ان متوالوں میں سے تھے جنہوں نے غیروں کے اقتدار کو روزِ اوّل سے ٹھکرا دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ کیا تو حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ خاں علیہ الرحمہ شاہی امام مسجد فتح پوری نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد جاری فرمادیا، یہ فتویٰ دہلی کے تمام مطابع میں چھپا تھا۔ مولانا ممدوح حضرت علیہ الرحمہ کے والدِ ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ماموں تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کو سیاسی بصیرت ورثہ میں ملی تھی۔ مختلف سیاسی تحریکوں کے وجود میں آنے سے بیشتر حضرت میں سیاسی شعور پختہ ہو چکا تھا۔ اپنی جوانی میں ہی حضرت علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کی فلاح کے لئے کمر کس لی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں جنگِ بلقان کے موقع پر جو پیغام دیا وہ حضرت علیہ الرحمہ کے قلب کی مضطربانہ کیفیت کا آئینہ دار ہے آپ نے فرمایا:۔

''جو آفت جنگِ بلقان کی وجہ سے مسلمانوں پر آرہی ہے طاعون وغیرہ سے کہیں بڑھ کر ہے اور چونکہ جنگ کا تعلق حرمین شریفین سے ہے اور اس سے متعلق ہے گویا دنیا

کے ہر مسلمان سے وابستہ ہے- ہر ایک مسلمان کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اسلامی بھائیوں کی فتح یابی کے لئے دعائیں مانگیں اور ہمہ تن ان کو مال سے بھی مدد دیتے رہیں اور (مدد) دلوانے میں مستغرق رہیں کہ روزمرہ کے فرائض کے بعد اس سے بہتر کوئی عمل نہیں''-

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت وجود میں آئی- ایسی شخصیت کی تلاش ہوئی جس کے دل میں قوم کا درد ہو---- جس کی آواز پر قوم لبیک کہتی ہو---- جس میں قائدانہ صلاحیت موجود ہو---- جو مخلص اور دیانتدار ہو---- یہ اوصاف حضرت علیہ الرحمہ میں بدرجہ احسن نظر آ گئے آپ کو تحریک میں شمولیت کی دعوت دی گئی اور تحریک کے جنرل سیکریٹری کی ذمہ داری بھی سونپی گئی جو حضرت علیہ الرحمہ نے قبول کر لی-

سیاست میں بعض حضرات فرزانگی و ہوش کے قائل تھے مگر مذہب میں دیوانگی اور جوش کے حضرت علیہ الرحمہ کا فیصلہ تھا کہ ہر عمل کی برائی یا بھلائی جانچنے کا ایک معیار ہوتا ہے- وہ معیار شریعت ہے- وہی سیاست کامیاب ہے جو شریعت کے مطابق ہو- اسی لئے یہ بات مشہور ہوگئی کہ حضرت مفتی صاحب اسلامی سیاست کے قائل ہیں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے تقریباً ۶ -۵ ماہ بعد تحریک سے استعفیٰ دیدیا-

ایک اہم واقعہ تو یہ ہوا کہ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کے اجلاس میں عدم تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا پھر ۲۰ جون ۱۹۲۰ء کو---- اجلاس میں ہندو اور مسلمان شریک ہوئے- گاندھی جی کی ایماء پر تحریک ترکِ موالات کا اعلان ہو گیا- اور طریقہ کار گاندھی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا- گاندھی جی نے ہدایت کی کہ سب کھدر پہنیں اور غیر ملکی کپڑا پہننا چھوڑ دیں- سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت چند ہندوؤں نے اپنے معمولی کپڑے اور ٹوٹا پھوٹا غیر ملکی سامان گھر سے نکالا اور سڑک پر جلا دیا- مسلمانوں کو بھی جوش آیا وہ کیوں ہندوؤں سے پیچھے رہتے انہوں نے گھر کا تمام غیر ملکی

قیمتی سامان اور بہترین لباس وغیرہ سب جلا دیئے اس کو حضرت علیہ الرحمہ نے قومی نقصان قرار دیا۔ حضرت علیہ الرحمہ اجلاس میں شریک ہوئے تو حسبِ معمول ململ کا کرتہ اور لٹھے کی شلوار زیب تن تھی باقی سب کھدر کے کپڑے پہنے ہوئے تھے مفتی کفایت اللہ نے ٹوکا۔ ''حضرت یہ کیا غضب کر دیا آپ نے کھدر کے کپڑے نہ پہنے'' تو حضرت نے فرمایا ''شرعاً کھدر کا پہننا مباح ہے ایسے ہی ململ اور لٹھا بھی مباح ہے اب ایک کپڑا ایسا لازم قرار دینا گویا فرض ہو اور دوسرا اس طرح چھوڑنا جیسے حرام ہو اور گھر کے سامان کو آگ لگانا اپنی معاشی حالت تباہ کرنا ناشکری کے مترادف ہے، اس میں شرعی قباحتیں ہیں میں ایسی سیاست سے استعفیٰ دیتا ہوں'' حضرت کے اس برحق اعلان نے سب کو حیرت میں ڈال دیا اور تمام شہر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی، جن کی سمجھ میں بات آگئی وہ تحریک کے لیڈروں سے نالاں ہو گئے ہر زبان پر حضرت کی حق پرستی کا چرچا تھا۔

حضرت علیہ الرحمہ نے تحریک خلافت سے استعفیٰ دیدیا لیکن جنگِ آزادی لڑتے رہے بلکہ زیادہ مؤثر انداز میں کام کیا عوام کے بجائے خواص پر توجہ فرمائی ---- اور یوں جلسے جلوسوں کی بھی ضرورت پیش نہ آئی۔ حضرت علیہ الرحمہ کی اسلامی سیاست کا شہرہ ہوگیا تو بڑے بڑے رہنماؤں، عمائدین، علماء مشائخ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں آنے لگے اور اسلامی سیاست کا درس لینے لگے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح، قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں، علی برادران (محمد علی جوہر اور شوکت علی) ان حضرات کا بلکہ اکثر سیاست دانوں اور علماء دیوبند، کا جمعیۃ العلماء ہند، کانگریس کے علماء اور دیگر پارٹیوں کا کہنا تھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملایا جائے اور حضرت اس کو ماننے پر تیار نہ تھے۔ اوّل الذکر قائدین (قائدِ اعظم اور قائدِ ملت) نے کچھ عرصہ بعد حضرت کی بات مان لی لیکن حکیم اجمل خاں اور علی برادران اگرچہ حضرت علیہ الرحمہ کا بہت احترام کرتے تھے مگر سیاسی اعتبار سے متفق نہ ہو سکے۔ حضرت علیہ الرحمہ سے تبادلہ خیال کے

بعد انہوں نے اخباری نمائندوں کو کہا "مفتی صاحب اس لئے تھے وہ مشرکوں کے ساتھ اتحاد کو جائز نہیں سمجھتے تھے" ادھر علماء دیوبند دوقومی نظریہ کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے، اور ہندو مسلم اتحاد پر زور دے رہے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کا اوّل موقف یہ ہی تھا کہ "یہود اور ہنود سے مسلمانوں کا اتحاد غیر فطری ہے اور غیر فطری عمل میں خسارہ یقینی ہے" جب آپ نے قرآن، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث طیبہ کے واضح احکامات سنائے اور شرعی

دکھائے اور عقلی و نقلی دلیلوں سے ثابت کیا کہ یہ اتحاد "محالات عقلیہ" میں سے ہے اور ایک منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح مسلمانوں کو خبردار کیا کہ جس طرح ہندو چاہتے ہیں مشترکہ طور پر آزادی ملی تو اس اعتبار سے اکثریت اور اقتدار کے بل پر مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی اور مسلمانوں نے کچھ دن میں دیکھ لیا کہ ہندوؤں کے ارادے کیا ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ اور علمائے ربانیین اہلسنت و جماعت اس بات پر متفق تھے کہ شریعت اسلامیہ میں اصل چیز نظریاتی حدود ہیں جغرافیائی حدود نہیں ہیں۔ جغرافیائی حدود کی حفاظت نظریاتی حدود کے لئے کی جاتی ہے۔

علماء اہلسنت نے آزادی سے مراد یہی لی کہ ایک خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں بلا روک ٹوک اسلامی قوانین نافذ کئے جاسکیں اور اسلامی شعائر وعبادات اور اسلامی معاشرہ قائم ہوسکے تاکہ اکثریت اور اقلیت دونوں اسلام کے آغوش میں امن سے رہیں۔

چنانچہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں طے پایا "یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء اہلسنت

اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے لئے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"۔ اس کے برعکس دوسرے علماء نے صرف انگریز حکومت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اگر ہندو کہیں کہ گائے کی قربانی نہ کرو تو ہم تالیف قلوب کے لئے شعائر اللہ کو ترک کر دیں گے۔ آزادی ملنے سے پہلے ہندوؤں نے یہ منظور کرا لیا۔

گاندھی نے مسلمانوں کے جوش ایمانی اور قوت افرادی اور تمام صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کر لی اس پر مسلمان گاندھی پر فریفتہ ہو گئے اور افسوس کہ بزرگ علماء دیوبند پر بھی گاندھی کا سحر چل گیا۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا حسین احمد دیوبندی نے نظریہ قومیت کا اظہار اس طرح کیا، "قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں"۔ ہندو بتوں کی پوجا کریں مسلمان بت شکن نہ بنیں یہ کیسے ممکن ہے، بت پرستی اسلام میں حرام قرار پائے اور ہم ان کے ساتھ ہو جائیں عقل قبول نہیں کر سکتی۔

اس پر حضرت علامہ اقبال نے سخت گرفت فرمائی:۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی است

سرود بر سر ممبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

ابوالکلام آزاد، گاندھی پر ایسے فریفتہ تھے کہ ۱۹۲۱ء میں ناگپور میں جمعہ کے خطبہ

اولیٰ میں گاندھی کی تعریف وتوصیف فرمادی (صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کا ذکر کہاں ایک مشرک کی توصیف کجا) ۱

مولانا شوکت علی نے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

''اے اللہ ہم سے ایک نیک کام بھی ہوگیا ہے، یعنی میں اور مہاتما گاندھی بھائی بھائی ہوگئے ہیں اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے'' ۲

رفاہ عام (لکھنؤ) کے جلسے میں مولوی ظفر الملک اسحاق علی نے کہا:-

''اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے'' ۳

مولوی عبدالماجد بدایونی جمعیۃ العلماء ہند کے جلسے میں اعلان کرتے ہیں:-

''خدا نے ان کو (گاندھی کو) تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا ہے قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مذکر کر کے بھیجا ہے''۔

مولوی شوکت علی مرحوم نے دہلی کی جامع مسجد میں فرمایا:-

''زبانی 'جے' پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ تم اگر ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے''۔

اور علماء کے ان کلمات کا عوام پر جو اثر ہونا تھا وہی ہوا جب گاندھی بریلی گئے تو ان کا کیسا استقبال ہوا ہوگا؟ اشتہار کی شہ سرخی تھی ''مہاتما گاندھی کی آمد'' خدا کا شکر ہے کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہمارے ملک کے لیڈر ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے آرہے ہیں----

---

۱۔ اخبار مشرق گورکھپور مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۱ء بہ حوالہ ''تحریک آزادی'' اور اسواد الاعظم، ص ۱۰۶ تا ص ۱۱۱

۲۔ اخبار فتح دہلی مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء

۳۔ اخبار اتفاق دہلی ۱۲۷ کتوبر ۱۹۲۰ء

ایک قصیدہ جو کشور پریس دہلی میں طبع ہوا تھا طویل قصیدہ ہے ایک دو اشعار سے اس کا رنگ معلوم ہو جائے گا۔

اک دھوم مچ گئی کہ مسیحا وہ آ گئے　　کرتے ہیں جو درد کا مداوا وہ آ گئے

تعریف کوئی کر سکے ان کی یہ نادرست　　خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

تخت ربوبیت پر گاندھی کو بٹھانے کی جرأت کی گئی ہے اللہ جل شانہٗ کی ثناء سے عاجز ہو کر اعتراف کیا گیا تھا سبحانك اللھم لا احصی ثناء علیك۔

اور (دوارکا پرشاد نے) علماء کرام کی موجودگی میں جب گاندھی کے بارے میں یہ شعر پڑھا گیا تو سب خاموش سنتے رہے تھے:

جن کو دیکھ کر مہر و مہ ششدر رہ آئے ہیں　　جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر وہ آئے ہیں

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپنے مکتوب بنام خواجہ حسن نظامی میں تحریر فرمایا:

''فقیر نان کوآپریشن کے مسئلے میں بالکل پس رو گاندھی صاحب کا ہے---- ان کو اپنا راہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال سردست اس شعر کے موافق ہے:

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت　　رفتی! و نثار بت پرستی کردی

افسوس کہ ان علماء نے 'راہبرانِ ملت' نے کانگریسی لیڈروں اور مسلمانوں نے جمیعۃ العلماء ہند کے پیروکاروں نے (جو علماء دیوبند کے زیرِ اثر تھے) آنکھ بند کر کے گاندھی کو اپنا رفیق، نجات دہندہ، راہنما، اور عقل کل مان لیا تھا جبکہ ان کے دل میں گاندھی کے لئے ایسی عقیدت بھی جھلک رہی تھی جو روحانی شخصیتوں اور مقدس ہستیوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے مثلاً:

''گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین، امرتسر میں لا کر ممبرِ رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ تو گاندھی کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما''۔

ادھر گاندھی جی کی دل کی آواز کئی بار سنی گئی ۱۹۱۸ء میں گئو رکھشا (گائے کی حفاظت) کے سلسلے میں کہا: ''مگر ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول و عرض میں نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤکشی سے آزاد کرانے کی اہلیت اور امید نہ رکھتا ہو، ہندومت ---- عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤکشی بند کردیں۔[۱]

وہی شردھانند جس کو جامع مسجد دہلی میں ممبر پر بٹھایا گیا۔ جو ہندو مسلم اتحاد کے گیت گا رہا تھا ابھی تو آزادی کا اعلان نہ ہوا تھا۔ ابھی اکثریت کے ہاتھ میں اقتدار بھی نہ آیا تھا کہ اپنے خبث باطن کا اظہار کر بیٹھا۔ ''شدھی سنگھٹن'' تحریک کا آغاز کر دیتا ہے اس کی نگاہ میں مسلمان ناپاک ہیں (شدھی، سنگھٹن کے یہی معنی ہیں) انہیں شدھ یعنی پاک کرنا ہے وہ ہندو بن جائیں۔ تمام غیر ہندو، ہندو ہو جائیں تو یہ پاک لوگوں کا جوڑ ہو جائے گا۔ پوری قوم کا ذہن ایک ہے۔ ایسے ناپاک ارادوں پر اُسے ''سوامی'' کا خطاب بھی دیا جاتا ہے وہی شردھانند ایسا گستاخ نکلتا ہے کہ بارگاہ عزت و عظمت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دریدہ دہنی کی جرأت بھی کر بیٹھتا ہے اور پیکر غیرت و جرأت عاشق رسول ﷺ غازی عبدالرشید کے ہاتھوں جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ مگر وائے افسوس مفتی کفایت اللہ مسلک دیوبند کے ممتاز عالم دین اپنے فتوے میں اس غازی کو جنت سے محروم فرما دیتے ہیں غیر مسلموں کی محبت نے یہاں تک پہنچا دیا۔

۱۔ اخبار ملاپ لاہور ۱۹۳۰ء

جمیعۃ افاغنہ جے پور (راجستھان، بھارت) کا ایک خط حضرت علیہ الرحمہ کو موصول ہوا کہ ہندو اکثریت کہتی ہے کہ اب تم کلمہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھ سکتے کہ اس میں لا الہ سے ہمارے معبودوں کی نفی ہوتی ہے۔

ہندوؤں کے ایک سرکردہ لیڈر لالہ ہردیال ایم اے نے ہندو ذہن کی ترجمانی اس طرح کھل کر کی کہ ہنود کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہوسکتا اس لئے تمام مسلمانوں کو ہر جائز و ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر ہنود کے کسی نہ کسی فرقے میں داخل کرلو اور اس طرح سوراجیہ حاصل کرلو اور بھارت ورش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کرلو---- اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پہلے سوراجیہ حاصل کرلو---- اور ہندو ریاست قائم کر کے پھر سلطنت کے رعب جاہ وحشم کی تخویف اور زر کے لالچ سے تمام مسلمانوں کو گمراہ کر کے ہندو بنالو[1]

نہ معلوم وہ کون سا جادو تھا، کون سا افسوں تھا، کون سا منتر تھا جس نے کانگریسی ملاؤں کی سوچنے سمجھنے کی قوت کو سلب کرلیا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد ایک سراب تھا جس کے پیچھے وہ دوڑ رہے تھے اپنے اور مسلمانوں کے مستقبل کو ناسمجھی یا کسی ذاتی منفعت کے خاطر بھینٹ چڑھا رہے تھے۔

۱۹۴۷ء میں ابھی آزادی ملے دو چار دن ہوئے تھے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جانے لگے سڑک پر مسلمانوں کی لاشوں کے ڈھیر مسلمان عورتوں کی آبروریزی، معصوم بچوں کو زندہ آگ میں ڈال دینا، مال و دولت لوٹ لینا، گھروں کو آگ لگا دینا، وہ ظلم وہ بربریت کہ جانور بھی شرمندہ ہوجائیں۔ یہ منطقی نتائج تھے جن کا حضرت علیہ الرحمہ جیسے دوربین اور ماہر سیاستداں ہی اندازہ لگا سکتے تھے۔

۱۔ اخبار زمیندار لاہور ۱۹۳۸ء

یہی سبب تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے کسی غیر مسلم کو مسجد فتح پوری کے ممبر تک پہنچنے نہیں دیا ورنہ وہی حشر ہوتا جو جامع مسجد شاہجہانی میں ممبر پر بیٹھ کر نعرہ تکبیر کے بجائے ''مہاتما گاندھی کی جے''، ''بھارت ماتا کی جے'' اور ''بندے ماترم'' کے نعرے لگے اور اپنوں کے ہاتھوں غیرت اسلامی کا جنازہ نکالا۔

ایک غیور مسلمان نے جب فتویٰ لیا تو مولانا کفایت اللہ نے ایسے نعروں کو جائز قرار دیا جبکہ حضرت علیہ الرحمہ نے ناجائز فرمایا۔[1]

اسی طرح جب ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان غیرتِ ملی سے بے نیاز ہوتے جارہے ہیں اپنے ممبر و مسجد کے تقدس کو ہماری خوشنودی کے بھینٹ چڑھادیا ہے تو انہوں نے گائے کی قربانی بند کرنے کے لئے مسلمان رہنماؤں پر دباؤ ڈالا اور کانگریسی مسلمان، جمعیت العلماء ہند کے مولوی اور لیڈر ہندوؤں کی تالیف قلوب کے خاطر گائے کی قربانی بند کرنے پر رضامند ہوگئے، قرآنی آیتوں کی تاویلیں کی گئیں اور عام مسلمانوں کو ہموار کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا سخت نوٹس لیا۔ آپ کا موقف تھا کہ غیر مسلموں کی تالیف قلوب کی خاطر اسلامی شعائر کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی قبول کرنا اور عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

۱۹۱۸ء کے اجلاس میں صدر کانگریس پنڈت مدن موہن مالویہ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی دل آزاری سے منع کرتے ہوئے گائے کی قربانی ترک کرنے کو کہا۔ جب کانگریسی علماء اور بعض لیڈروں نے ہندوؤں کی خاطر (گائے کی قربانی بند کرنے پر) رضامندی ظاہر کی تو گاندھی جی نے نیا شگوفہ چھوڑا کہ باقی جانوروں کی قربانی بھی نہ کی جائے۔ Humanitarian conference کے صدر کی حیثیت سے اہلِ ہند کو ترک حیوانات کی سخت تاکید کی گویا بکری، بھیڑ وغیرہ بلکہ مرغی بھی بند اس طرح قدم بقدم ہندو مذہب کی طرف رخ ہوجائے۔

۱۔ فتاویٰ مظہری

حضرت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ جب ہم کسی کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے تو انصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ کوئی ہمیں اپنی اسلامی قدریں چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔ یہی حق ہے اور یہی اسلامی سیاست ہے۔ اگر ہم کہیں کہ تم فلاں کام چھوڑ دو تو ہرگز نہیں چھوڑو گے جیسا کہ علامہ اقبال کو بھی شکایت ہے:

نگاہ دارد برہمن کار خود را　　نمی گوید بکس اسرار خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگزر　　بدوش خود برد زنار خود را

گویا وہ مسلمانوں کو ابھی سے دبانا چاہتا ہے جب اکثریت اور اقتدار میسر آجائے گا تو کیا درگت بنائے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک اسلامی سیاست کے بنیادی کام دو ہیں.

۱ - اسلام کی سربلندی

۲ - مسلمانوں کی فلاح

پاکستان کی حمایت کا فیصلہ کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیہ الرحمہ نے فرمادیا کہ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی صورت پیدا ہوئی تو پاکستان کی حمایت جاری نہیں رہ سکے گی۔ اسلام کے منافی کوئی تجویز، لائحہ عمل، کوئی پالیسی قابل قبول نہ ہوگی۔

حضرت علیہ الرحمہ کے افکار سے متاثر ہو کر کئی حضرات تن من دھن سے میدان عمل میں اتر پڑے تھے۔ سیٹھ احمد میمن بڑے سرگرم رکن تھے حضرت علیہ الرحمہ سے فتاویٰ لیتے کبھی چھپواتے کبھی اپنے ہاتھ سے نقل کر کے چسپاں کیا کرتے۔ حضرت کے فیض نے انہیں بڑا مخلص بنادیا سیٹھ تو بس دل کے تھے ویسے غریب تھے قایدِ اعظم انہیں چچا

کہہ کر مخاطب کرتے تھے ان کا دل سے احترام کرتے تھے حضرت کی صحبت نے انہیں پاکستان کا شیدائی بنادیا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر پر Pakistan Cottage لکھ رکھا تھا۔

ایک شخصیت سیف الاسلام مولانا منور حسین کی تھی۔ ممتاز عالم دین مبلغ اسلام اور جوشیلے سیاستدان تھے قائدِ اعظم کے قریبی احباب میں تھے اکثر لیڈروں سے ملتے تھے علماء اور عمائدین سے بھی اچھا ربط ضبط تھا۔

دہلی میں کانگریس کا بڑا اجتماع ہو رہا تھا---- دریا گنج میں بیرسٹر آصف علی کی کوٹھی پر ابوالکلام آزاد عطا اللہ بخاری، حسین احمد مدنی اور ان کے ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری کے ہاں پنڈت جواہر لال نہرو اور قائدِ اعظم تھے مولانا ممدوح نے پہلے قائدِ اعظم سے پوچھا کہ آپ نے علماء کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ تو قائدِ اعظم نے وہ فائل دکھائی کہ انہوں نے بھرپور کوشش کی لیکن مولویوں نے ساتھ نہیں دیا۔ اس پر مولانا بکھر گئے۔ ابوالکلام آزاد سے ملے دوسرے علماء سے ملے اور انہیں کفار اور مشرکین کے ساتھ دینے پر شرمندہ کرنے کی جرأت کی۔ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں---- ''الحمد للہ یہ حضرت کی پیشوائی کا فیض تھا چونکہ میری تمام جدوجہد کا منبع وہی تھے۔ حضرت کے ارشاد پر میں نے نہایت مدلل کتاب بھی لکھ کر تقسیم کر دی۔ جس کا نام تھا ''درۃ الغافلین'' یہ تمام کانگریسیوں تک پہنچا دی۔ (مکتوب محررہ ۲۶ مئی ۱۹۶۷ء)'' قائدِ اعظم نے جب یہ روئیداد سنی تو فرمایا آپ تو میرے بہترین مبلغ ہیں۔ حکومت پاکستان نے قائدِ اعظم کے مشن کو تقویت پہنچانے کے اعتراف کے طور پر مولانا کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ لیکن مولانا کو یہاں تک پہنچانے میں تو حضرت علیہ الرحمہ کی سیاسی تربیت تھی جس کا مولانا نے خود اعتراف کیا ہے۔

۱۹۱۲ء جنگِ بلقان کے الم ناک حادثے نے ۱۹۱۳ء کے واقعہ کانپور نے مسلم امت کو آزاد حکومت کے قیام کی طرف متوجہ کر دیا۔ علماء دیوبند اور علماء اہلِ سنت کا ایک بڑا اختلاف یہ بھی تھا کہ حسین احمد دیوبندی نے ۱۹۳۸ء میں اپنے نظریہ قومیت کا اظہار اس طرح کیا ''قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں'' اس پر علماء ربانیین حیران تھے کہ کون سا جادو ہے جو یہ علماء، ہندوؤں کو نجات دہندہ اور گاندھی کو کارساز مانتے ہیں اور نتائج سے بے پرواہ ہو گئے، ابوالکلام آزاد اور بہت سے علماء کا یہی خیال تھا چنانچہ اخبار Statesman مؤرخہ 19-02-1940 میں ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں ''مسٹر جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے، میں اس سے متفق نہیں۔'' ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابلِ تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔''

تحریک پاکستان اور حضرت علیہ الرحمہ:

پاکستان میں پاکستان کی حمایت کی بات کرنا ایک اعزاز ہے۔ ہندوستان میں پاکستان کی حمایت کی بات کرنا ایک الزام ہے۔ اس لیے جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سیاسی نقطہ نظر کی بات کرتے ہیں تو تمہیداً کچھ عرض کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں نے عدل و انصاف کے ساتھ ایک ہزار سال حکومت کی۔ ایک ہندو مؤرخ نے لکھا ہے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کے دارالسلطنت میں ہمیشہ ہندو اکثریت میں رہے۔ مگر اقتدار پر انگریزوں کے قبضہ (۱۸۵۷ء) کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں سے بے وفائی کی، انگریزوں کا ساتھ دیا پھر برطانوی دور میں مسلمانوں سے ہندوؤں کی نفرت اس حد تک

بڑھی کہ دہلی میں کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرنے والا کوئی دکاندار مسلمان کو ہاتھ لگانے نہ دیتا۔ مسلمان کی دکان سے کبھی نہ خریدتا، مگر مسلمان اس کی دکان سے ضرور خریدتے۔ جب یہ بات ایک ہندو فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال کو بتائی (جو امریکہ سے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے صاحب زادے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود کے پاس تحقیق کے سلسلے میں مہمان تھی) تو حیران بھی ہوئیں اور شرمندہ بھی۔ ۱۹۲۱ء میں ترک موالات کے زمانے میں بھی مفاہمت کے بہانے ہندو لیڈروں نے بے وفائی کی، کانگریس کا طرز عمل بھی مسلمانوں سے فراخدلانہ نہ تھا، ان حقائق نے ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح کو جو کٹر قوم پرست تھے، دوقومی نظریہ کا حامی بنا دیا۔ دونوں نے اسلامی مملکت کے لیے جدوجہد کی۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سامنے یہ تاریخی حقائق تھے اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے لیے اس اسلامی اصول کو بہتر جانا لکم دینکم ولی دین (تمہارے لیے تمہارا دین ہمارے لیے ہمارا دین) ایک طرف وہ تھے جن کی بے وفائیاں تاریخ میں ثبت تھیں اور دوسری طرف مسلمان۔ عقلمندی اور تدبر کا تقاضا یہی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت کی جائے۔ پھر یہ حمایت اصولی تھی، ہندوؤں سے نفرت کی بنا پر نہ تھی، اگر ایسا ہوتا تو اہل حاجت ہندو آپ کے در پر نہ آتے، آپ کے فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پاکستان میں ایک ہندو فاضلہ کی پذیرائی نہ کرتے، تھر کے ریگستان میں ہندو بستی مِٹھی میں جہاں نوے فیصد ہندو ہیں کالج نہ بناتے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے صاحب زادگان اور پوتے ہندو اہل حاجت کی حاجت روائی نہ کرتے۔ اب بھی دہلی میں بیسیوں ہندو عورتیں اور مرد اُن کے در پر حاجت روائی کے لیے آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نفرتیں بڑھتی ہیں تو تقسیم کی بات ہوتی ہے، محبت میں تو انسان اپنا گھر بھی لٹا دیتا ہے۔ برصغیر کی ترقیاں امن و آشتی ہی میں پوشیدہ ہیں، اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جنگ کے لیے پہل نہ کی، تاریخ شاہد ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح حضرت کی شخصیت سے متاثر ہوئے۔ غور وفکر

کیا، مشاہدہ و تجربہ نے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن ضروری ہے۔ یوں تحریک پاکستان کا آغاز ہو گیا۔ مسلم لیگ کا پودا پروان چڑھنے لگا۔

قائدِ اعظم، حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں فتح پوری حاضر ہوئے۔ ''پاکستان'' کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ پاکستان میں اسلام کی حکومت ہوگی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''آپ میں تو اسلام نظر نہیں آتا'' یعنی نہ شکل وصورت اسلامی ہے اور نہ لباس پوشاک۔ قائداعظم لاجواب ہو گئے مگر دعا کی درخواست کی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے دعا فرمادی لیکن مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوئے کیونکہ کسی تحریک میں شمولیت کے بعد قائدِ تحریک کی ہر بات ماننی پڑتی ہے خواہ وہ شریعت کے خلاف ہو۔ اگر شریعت کو فوقیت دی تو قائد کی نافرمانی ہوگی جو تحریک کے لئے مضر ثابت ہوگی۔ بصورت دیگر شریعت کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوگی جو دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ کا باعث ہے۔ خلافت تحریک میں اس لئے شرکت کی تھی کہ بکثرت علماء اس میں شامل ہورہے تھے۔ خیال تھا کہ ان کی سوچیں اسلام کی فلاح کے لئے ہونگی، شریعت مطہرہ کا پاس رہے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔

بہرحال حضرت علیہ الرحمہ نے پاکستان کے لیے بھی دعا فرمائی الحمدللہ حضرت علیہ الرحمہ کی دعا مستجاب ہوئی۔ پاکستان بن گیا۔ غیر مسلموں کے لیے امن کا گہوارہ۔

سیف الاسلام مولانا منور حسین قائدِ اعظم کے بہت قریبی رفیق تھے دوسرے دن جب مولانا، قائدِ اعظم کی کوٹھی پر پہنچے تو قائدِ اعظم نے حضرت علیہ الرحمہ سے اپنی ملاقات کا حال سنایا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے جب مشرک نوازی کے نقصانات بتائے تو لوگ بکثرت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور کانگریس سے تعلق توڑ لیا۔ تمام جلیل القدر سنی علماء اور مشائخ کرام حضرت علیہ الرحمہ کی قدر فرماتے تھے۔ حصول پاکستان کے موقف پر سب قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے، ان میں حضرت صدر الفاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا خان صاحب، امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی

پوری، حضرت ملا شور بازار کابلی، مدیر الامان مولانا مظہر الدین شہید، مبلغ اسلام حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی، حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد لاہوری، سیف الاسلام حضرت مولانا منور حسین صاحب، حضرت علیہ الرحمہ کے خاص احباب تھے ان کے مریدین، محبین، مخلصین، شاگردوں اور معتقدوں کی تعداد فوج در فوج مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

قایدِ اعظم کے رفیق خاص سیف الاسلام مولانا منور حسین نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۱۹۶۵ء تحریر فرمایا کہ قایدِ اعظم نے ایک بار بڑے فخر سے ان کے سامنے فرمایا تھا کہ ''خدا تعالیٰ نے مسلم لیگ میں تازہ روح پھونکنے کیلئے ایک ولی (مفتی صاحب) کو آمادہ کر دیا''۔

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ عظیم مدبر تھے۔ آپ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ اختیار فرمایا اور خواص کی تربیت فرمائی۔ مسلمانوں کی عظمت دیرینہ کو یاد دلایا اور فرمایا مسلمان قوت ایمانی اور زور بازو کے بل پر فاتحانہ ہندوستان میں آئے وہ انگریزوں کی طرح چور دروازے سے اور دھوکہ دے کر نہیں آئے اور نہ انگریزوں کی طرح غیر مسلموں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے بلکہ مسلمان حکمرانوں نے مومنانہ فراخدلی سے غیر مسلم رعیت پر انعامات کی بارش کی۔ ایسا نوازا کہ کوئی ہندو راجہ اب بھی اپنی ہندو رعیت کو نواز نہ سکا۔

ہندو اکثریت کے دل صاف نہ ہوئے، دھوکہ اور مکر کی راہ اپنائی، جودھا بائی کو اکبر کی زوجیت میں دے کر ایک اور نرم گوشہ بنایا پھر بادشاہت کی سلامتی کا بہانہ بنا کر ملک میں ایک قوم، ایک مذہب، ایک سماج کا سبق پڑھایا۔ بادشاہ اکبر نبوت اور الوھیت کے خواب دیکھنے لگا۔ دین الٰہی کا آغاز ہو گیا، لیکن اس دین کے لئے اسلام ہی رکاوٹ تھا تو اکبر بادشاہ حکومت کے نشہ میں اور ہندوؤں کے اشاروں پر اسلام کو

مٹانے کے درپے ہوگیا۔ سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے گائے کی قربانی بند کرنے کا حکم دیا۔ خود زنار پہنی، تِلک لگایا، سوریہ دیوتا (سورج) کے نام بطور وظیفہ جپتا، تمام اسلامی رسوم کی جگہ ہندوانی رسوم نے لے لی اور وہ علماء اسلام کے قتل کا درپے ہوگیا، مساجد کو منہدم کرایا، اصطبل بنایا اور نہ معلوم کیا کیا حرکتیں کرتا رہا لیکن کیا آپ غور نہیں کرتے کہ وہ مغلِ اعظم وہ شہنشاہ اکبر ہندوؤں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا جو اس نے مٹایا وہ شعائر اسلام میں سے تھا جو اس نے جاری کیا جبراً منوانے کی کوشش کی تقریباً سب ہندوانی تھا غور کرو پسِ پشت کون کارفرما تھا۔

۱۹۲۱ء میں نئے شکاری وہی پرانا جال بچھا رہے تھے۔ انگریزوں کو نکال نہیں سکتے قربانی کے لئے مسلمانوں کو آگے بڑھا رہے تھے۔ انگریزوں سے عدم تعاون کے لئے مسلمان سرکاری ملازمتوں سے استعفیٰ دیتے ہیں تو ان کی جگھوں پر ہندو ملازم ہو جاتے ہیں، یہ کیسا اتحاد ہے، مسلمان جو ایثار کرتا ہے ہندو اس کی جگہ قبضہ کرلیتا ہے مسلمان معاشی طور پر بھی کمزور ہو رہا ہے اور ہندو مستحکم ہو رہا ہے جو مسلمانوں کو ہر طرح برباد کرنے کوشش کرے اس پر اعتماد کیوں؟

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ہندوستان کی آزادی سے پہلے بڑے بڑے مسلمان سیاستدان، علماء کرام، مفکرین اور مدبرین میں سے کوئی ہندوؤں کی اس چال کو نہ سمجھ سکا کہ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے لئے تباہی کا منصوبہ بنایا جارہا ہے تاکہ آزادی حاصل کر کے اکثریت کے بل پر مسلمانوں کا قتل عام کیا جاسکے گا اور ایسا ہی ہوا۔ مذہبی تشخص ختم کرنے کے لئے ''شدھی، سنگھٹن'' تحریک کے ذریعہ ایسی ہی کوشش کی گئی مسلمانوں کو ہندو بنانا چاہتے تھے۔ ہندو مسجد کے ممبر پر بیٹھ کر مشرکانہ نعرے لگائیں مسلمان مندر کی دہلیز پر قدم نہ رکھ پائیں کہ ان کے نزدیک مسلمان ملیچھ ہوتا ہے، ناپاک ہوتا ہے۔ اسلامی غیرت کہاں چلی گئی تھی۔ گائے کی قربانی بند کر کے ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے کو تیار کون ہوگیا تھا کیا یہ

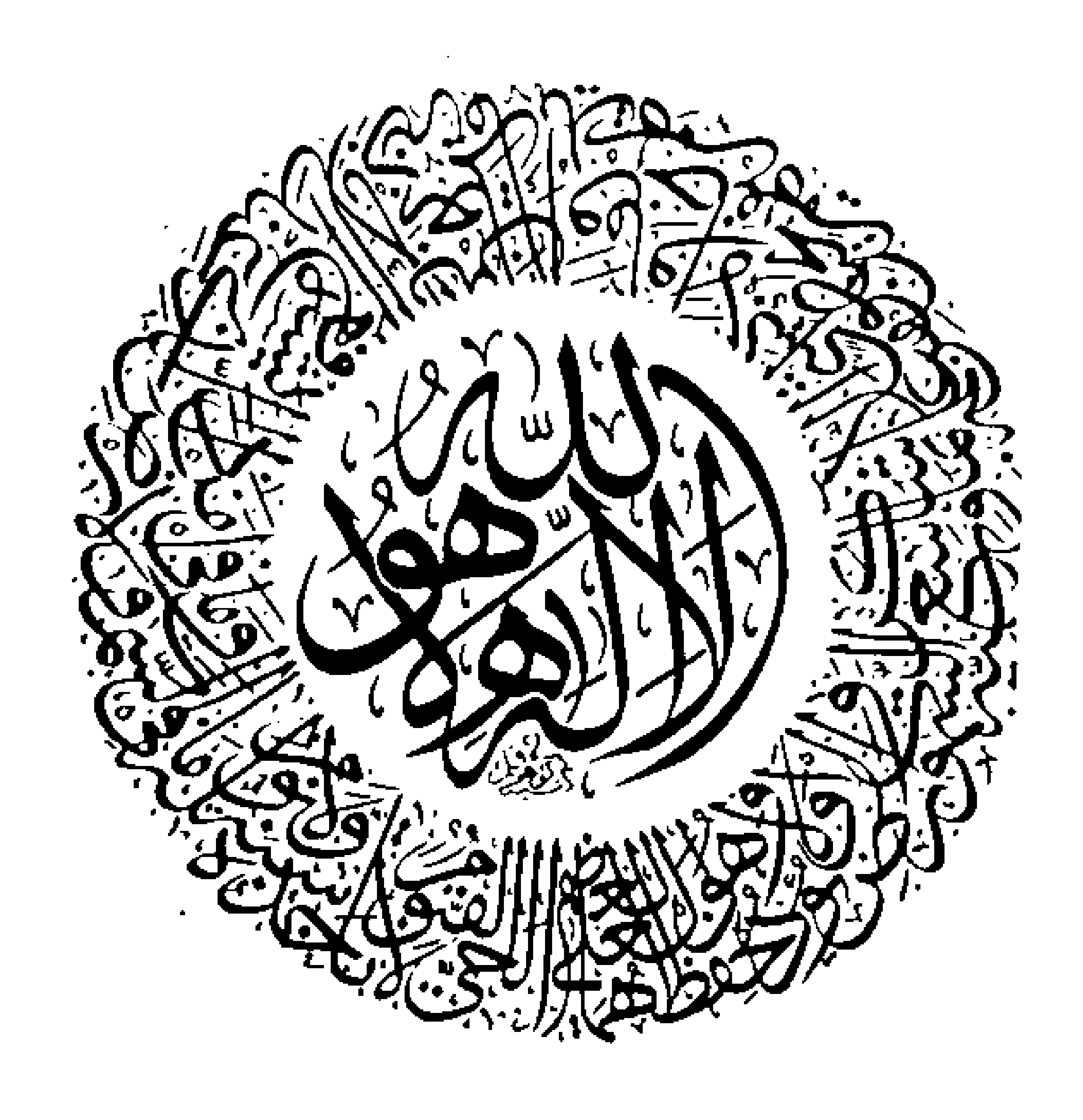
سیاست دان تھے یا حضرت علیہ الرحمہ ---- جنہوں نے غیروں کی شاطرانہ چالیں سمجھ لیں اور بروقت خبردار کردیا۔ جو مان گئے مان گئے جو نہ مانے انہوں نے مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچایا۔

نہ حضرت علیہ الرحمہ کی سیاست عامیانہ تھی نہ انہوں نے عام طریقے اپنائے وہ عظیم مدبر تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے کبھی سیاسی جلسے کیے نہ جلوس نکالے نہ دھواں دھار تقریریں کیں نہ ذرائع ابلاغ کو شہرت کا ذریعہ بنایا بظاہر گوشہ نشین تھے۔ جن سیاست دانوں کا دعویٰ تھا کہ ہندو اکثریت سے اتحاد کے بغیر حصول آزادی ممکن نہیں انہوں نے دیکھا مسلم اقلیت نے مملکت پاکستان حاصل کرلی۔ یہی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ ہم مشرکین سے اتحاد کے بغیر کامیاب ہوں گے۔ دعا فرمائی تھی وہی ہوا۔ عظیم مدبر کی نگاہ دوررس ہوتی ہے۔ تدبر کے لیئے فراست، دیانت، اخلاص، جرات وتحمل بھی چاہیئے یہ تمام اوصاف حضرت علیہ الرحمہ میں بدرجہ اتم موجود تھے اور اپنے پرائے سب کو اعتراف تھا---- پندرہ روزہ ''غریب نواز'' دہلی کے اداریہ مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء سے اہم اقتباس پیش ہے۔ ''یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے ہر اس موقعہ پر جبکہ مسلمانوں پر یا ان کے دینِ پاک پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو اوقاف کی آڑ میں یا مسلم پرسنل لاء کے بہانے سے یا کسی بھی چور دروازے سے جب بھی اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش ملاّ بھی میدان میں نکلے تو خدا کے اس شیر نے نتائج سے بے پروا ہوکر ان کو للکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا---- حضرت کی یہی ایک صفت تھی جس کی بناء پر بڑے بڑے فرعون صفت لوگوں کو بھی حضرت کے مقابلہ میں ناکامی کا شرمناک منہ دیکھنا پڑا اور یہی وجہ تھی کہ ہندو پاکستان میں جب بھی شریعت اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کے تقدس کا لوہا منوانے کا نازک مسئلہ کھڑا ہوا تو اس

وقت بڑے بڑے علمائے کرام حضرت کی ظاہری و باطنی خدمات لینے پر مجبور ہوئے۔''

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ ایک جلیل القدر عالمِ دین اور ایک عظیم المرتبہ روحانی پیشوا تھے۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایک عظیم سیاست دان بھی تھے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے وقت کے عظیم ترین مدبر تھے تو غلط نہ ہوگا۔

سب لیڈروں نے سیاسی جلسے کیے، جلوس نکالے، دھواں دھوار تقریریں کیں، ذرائع ابلاغ کو شہرت کا ذریعہ بنایا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ ساری عمر بظاہر گوشہ نشین تھے۔ مگر ملکی سیاست کی نبض پر ہاتھ تھا اسباب و علل پر نگاہ تھی غلامی کے مرض کے لئے نسخۂ کیمیا تجویز کرلیا تھا وہ راہنماؤں کے راہنما تھے وہی سب سے زیادہ کامیاب رہے۔



نواں باب



جلالت علمی

آئینہ اسلاف کا پاکیزہ صورت آپ کی ''بو حنیفہ'' کی جھلک علمی جلالت آپ کی
یادگار سیرتِ اصحاب سیرت آپ کی زندگی گویا ہے ''معیارِ شریعت'' آپ کی
پیکر خلق رسالت مظہر اللہ شاہ ہیں
مظہر قرآن و سنت مظہر اللہ شاہ ہیں

زندگی کی یوں بنا ڈالی نبی کے ذکر سے کوئی بھی لمحہ نہیں خالی نبی کے ذکر سے
بزمِ حساں میں جگہ پالی نبی کے ذکر سے ہے منور سیرتِ عالی نبی کے ذکر سے
رونقِ بُستانِ مدحت مظہر اللہ شاہ ہیں
بلبلِ باغ رسالت مظہر اللہ شاہ ہیں

اللہ اللہ کیا مقام و منصبِ محکم ملا عہدۂ تبلیغِ دینِ سرورِ عالم ملا
اہلِ دانش سے بڑے اعزاز کا پرچم ملا آپ کو یعنی خطاب ''مفتیِ اعظم'' ملا
تاجدارِ علم و حکمت مظہر اللہ شاہ ہیں
خسرو ملک فضیلت مظہر اللہ شاہ ہیں

ایک جانب مسندِ افتاء پہ ہیں جلوہ فروز اک طرف بدرِ طریقت، مثلِ ''مہر نیمروز''
انجمن میں ساز، خلوت گاہ میں سرتا پا سوز آپ کی ہستی ''حجابِ ظاہر و باطن'' ہنوز
راز فطرت، سر قدرت مظہر اللہ شاہ ہیں
خود مجازِ و خود حقیقت مظہراللہ شاہ ہیں

ذاتِ والا آپ کی شمعِ منیر نقشبند ہے مجدد الف ثانی کا نشان سربلند
کام ان کے مفتخر ہیں نام ان کا ارجمند آپ نے ڈالی ہے اے اختر ستاروں پر کمند
باعثِ احیائے سنت مظہر اللہ شاہ ہیں
دورِ حاضر کی ضرورت مظہراللہ شاہ ہیں

پیش کردہ: اختر الحامدی تلمیذ رشید حضرت ضیاء القادری بدایونی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم دوست

حضرت علیہ الرحمہ ایک علمی اور روحانی خانوادہ کے روشن چراغ تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے دادا فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود احمد رحمہ اللہ علیہ محدث تھے۔ مفتی تھے، مدرس تھے، آپ صاحب قلم بھی تھے اور شاہی امام بھی۔ طریقت میں قیوم زماں امام الاولیاء حضور سید امام علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کے نامور خلیفہ اور خانقاہ مسعودیہ کے بانی تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے آنکھ کھولی تو ہر سو قال اللہ (عزوجل) و قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دلنواز صدائیں آ رہی تھیں تحصیل علم کا آغاز ہوا۔ شوق پروان چڑھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے علم کی عظمت دل میں بیٹھتی گئی۔ جب پتہ چلا کہ علم اللہ کا نور ہے۔ علم انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔ علم انسانیت کا شرف ہے تو دل میں علم کی قدر بڑھتی گئی۔ اور علم سے محبت ہوگئی پھر اس قلم کی لاج رکھنے کی ٹھان لی جس کے لئے فرمایا گیا تھا ''ہم نے انسان کو قلم سے وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا'' جس نے حضرت علیہ الرحمہ کو دیکھا لکھتے پڑھتے ہی دیکھا۔ تبلیغ و ارشاد میں مصروف دیکھا۔ حصول علم کی ترغیب دیتے دیکھا۔ علم کے لئے ایثار کرتے دیکھا۔ جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے وہ پڑھنے لگے۔ جو پڑھتے تھے آگے بڑھنے لگے۔ جو پڑھ چکے تھے پھر پڑھنے لگے۔

خود ۱۷ سال کی عمر میں حافظ ہو گئے، قاری ہو گئے درس نظامی سے فارغ التحصیل ہو گئے دارالافتاء سنبھال لیا فتاویٰ لکھنے لگے۔ بڑے بڑے علماء حضرت علیہ الرحمہ کے محققانہ اور فاضلانہ جوابات دیکھ کر حضرت کا احترام کرنے لگے اور جید علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا، امام احمد رضا محدث بریلوی کے فنون پر آپ کے دستخط موجود ہیں۔

درسی تعلیم سے فارغ ہوئے تو درس دنیا شروع کر دیا بیرونی طلبہ کے لئے مدرسہ قائم فرمادیا گھر میں اپنے بیٹے بیٹیوں کو پڑھایا وہ بچے والے ہو گئے تو ان کے بچوں یعنی پوتوں اور پوتیوں کو پڑھایا۔ ان کے لئے جدید طریقے ایجاد کئے اور حصول علم کو آسان بنادیا۔ مثلاً دو گول پلیٹیں ٹین کی بنائیں جیسے گھنٹے کا ڈائل ایک چھوٹی پلیٹ بڑی پلیٹ پر اسکرو سے فٹ کر دی دونوں پلیٹوں پر کاغذ چپکائے اور خانہ بنا کر حروف کے حصے لکھ دئے مثلاً ''ع'' کی تینوں شکلیں شروع میں ''ء'' مثل ہمزہ۔ درمیان میں ''سع'' اور آخر میں ''ع'' اب ان میں سے چھوٹی پلیٹ کو ذرا گھمایا تمام شکلیں بدل گئیں اور دوسرے حروف کا سیٹ بن گیا۔

اسی طرح صاحبزادگان اور پوتوں کو ابتدائی تعلیم دی۔ بمشکل ایک سال پڑھایا اور مدرسہ میں امتحان دلوا کر داخل کیا تو براہ راست تیسری چوتھی جماعت میں شامل ہو گئے اور یوں دو تین سال بچ گئے پھر نگرانی فرماتے رہے اور صاحبزادگان ہمیشہ کلاس میں اول آتے تھے۔ جب یہ حضرات پڑھ چکے پھر بھی ان کے لئے اچھی کتابیں تجویز فرماتے رہتے۔ اور ذوق دلاتے رہے۔ صاحبزادیوں کو بھی دینی علوم سے آراستہ فرمادیا قرآن وحدیث کی فہم سب کو ہو گئی۔

مریدین میں جو بھی مدرسہ میں نہیں پڑھ سکتے تھے مگر ان میں ذوق اور استعداد دیکھتے تو خود پڑھا دیتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی عمر شریف کے آخری ایام میں مولوی فیض احمد میواتی اور اس عاصی کو قرآن کریم کی تفسیر پڑھائی تھی۔ ہم دونوں کو چند دن قواعد پڑھائے اور وہ ایک نظم جس میں عربی گرامر کو مثل ''کوزے میں دریا'' بند کر دیا ہے اور اپنے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کو پڑھایا تھا وہی نظم ہم دونوں نے پڑھی اور ترجمہ قرآن شروع کر دیا۔ وہ پڑھنا ایسا تھا کہ ۴۵ سال سے زائد گزر چکے الحمد للہ قرآن مجید پڑھنا اور سمجھنا روز بروز آسان تر ہو رہا ہے جبکہ دوسرے علوم اب ذہن سے محو ہوتے جا رہے ہیں۔

جو مریدان پڑھ ہوتے انہیں ہدایت فرماتے کہ اپنے قریب میں کسی پڑھے لکھے سے کچھ پڑھ لیا کرو۔ ایک ایک دو دو حروف مسجد میں کسی نمازی سے امام صاحب سے یا موذن سے ہی پوچھ لیا کرو حرفوں کی پہچان ہوگئی تو جوڑنا اور پڑھنا بھی آ جائے گا۔ دور والوں کو بھی ہدایت دی جاتی تھی اس ہدایت کے نتیجہ میں جب ایک مرید نے لکھا کہ انہوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے تو حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

دوسرے حضرات کو ہدایت فرماتے تھے کہ فرصت کے اوقات حصول علم میں صرف کریں۔

پاکستان میں اکثر حضرات کو مطالعہ کے لئے کتابیں تجویز فرماتے رہتے۔

مثلاً: حافظ عبدالسمیع صاحب (لاہور) کو مشورہ دیا، فقہہ میں "بہار شریعت" اچھی کتاب ہے اور اخلاق میں "اکسیر سعادت یا مذاق العارفین" لاہور میں یہ کتابیں مل جائیں گی۔

خصوصاً صاحبزادہ مولانا مفتی مظفر احمد صاحب کو بعض اہم کی کتابیں ارسال فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"ایک صاحب کے ہاتھ شرح مثنوی اور نافع الخلائق اور خلاصۃ الفتاویٰ جس کے حاشیہ پر مجموع الفتاویٰ ہے، ارسال کی جا چکی ہے۔"

علم دوستی کمال کو پہنچی تو ہر مشکل علمی مسئلہ با آسانی حل ہونے لگا۔ اس کا اعتراف اہل علم اور اہل نظر بھی کرتے تھے۔ پروفیسر علامہ اخلاق حسین لکھتے ہیں۔ "آپ علم و فضل و کمال کے اتھا سمندر ہیں کیسا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو آپ ادنیٰ توجہ سے حل فرما دیتے ہیں۔ اسلوب بیان ایسا پاکیزہ اور شائستہ ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے اور ذرا بھی بار خاطر نہیں ہوتی۔"

عربی زبان کے قواعد سمجھنا اور یاد کرنا طالب علموں کے لئے خاصا دشوار مسئلہ ہے درس نظامی کے طالب علم ایک دو سال تو لگا دیتے ہیں حضرت علیہ الرحمہ کو عربی گرامر میں ید طولیٰ حاصل تھی آپ نے بہت مختصر اور سہل کر کے ایک نظم اردو میں لکھ دی اور اشارات کو ذہن نشین کروادیا ایک ماہ میں طالب علم قرآن مجید کا ترجمہ شروع کر دیتا ہے یہ نظم خاص طور پر گھر کے بچوں، صاحبزادیوں کو پڑھائی جاتی تھی اس کا نتیجہ حضرت علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ ہو۔

بڑے صاحبزادہ عالی جناب مفتی محمد مظفر احمد کو ایک مکتوب میں تحریر کیا،

''چونکہ اس نظم سے عزیزہ امینہ چل نکلیں اور اب نصف قرآن ہو چکا ہے خود ترجمہ کرتی ہیں بہت بتلانے کی ضرورت نہیں ہوتی - اس نظم میں اشاروں سے کام لیا ہے۔ خیال تھا اس کی شرح ہو جائے تو پھر تمہیں بھیجوں۔ مولوی مشرف سلمہم لے گئے ہوئے ہیں ان کو بھی فرصت نہیں ملتی۔''

''ننھے میاں سلمہم بعد حفظ قرآن میرے پاس آ گئے ہیں اور اس نظم کو پڑھ لیا ہے چنانچہ اس کے زور پر اب وہ شرح ''مائۃ عامل'' پڑھ رہے ہیں دو پارے قرآن کریم کے بھی ہو گئے۔''

ایک اور مکتوب میں فرمایا:- (تمہارے) بچوں کے واسطے فرصت میں نظم لکھ کر بھیجوں گا- بشرطیکہ تم یقین دلاؤ کہ میں پڑھاؤں گا- وہ ان کو یاد کرانے کے بعد سمجھادیں اور پھر ترجمہ قران کریم شروع کرادیں چنانچہ اسی طرح نسیمہ بیگم ترجمہ قران پڑھ رہی ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کا علمی فیض مختلف انداز میں پھیلتا رہا مثلاً آپ کے نام سے کئی دینی مدارس کھل چکے ''مدرسہ مظہر العلوم'' فراشخانہ دہلی میں قائم ہوا۔

"مدرسہ مظہر العلوم نوریہ" دھام پور ضلع بجنور میں قائم ہوا۔ اس کا سنگ بنیاد حضرت علیہ الرحمہ نے خود رکھا تھا۔

دار العلوم مظہریہ ۱۹۵۸ء میں مسجد آرام باغ کراچی میں حاجی منظور احمد صاحب مظہریؒ مہتمم مسجد آرام باغ کی تحریک پر مدرسہ اسلامیہ مظہریہ سٹی ریلوے ہسپتال کراچی۔

مفتی مظہر اللہ رننگ ٹرافی:

طلبا کے درمیان تقریری مقابلوں کا سلسلہ مسلم ہائی اسکول فتح پوری دہلی میں با اہتمام حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر مفتی محمد مکرم احمد صاحب نقشبندی مجددی امام وخطیب شاہی مسجد فتحپوری جاری ہے۔

ایک سچے علم دوست کی طرح حضرت علیہ الرحمہ لوگوں کو فراخدلی سے کتابیں عنایت فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت الحاج علامہ مفتی محمد محمود رحمۃ علیہ اللہ کو تحریر فرمایا۔

"میں آپ کو بار بار لکھتا ہوں کہ یہ کتابیں سب تمہاری ہیں جو کتابیں چاہیں شوق سے منگالیں لیکن آپ اس میں تامل کرتے ہیں۔ تمہارے پاس ان کتابوں کا ہونا میرے لئے خوشی کا باعث ہے۔ بالکل یقین کریں یہاں تک کہ اگر کسی کتاب کا میرے پاس ایک ہی نسخہ ہو تب بھی طلب کرلیں۔ میں نے تو پہلے بھی روانہ کی تھیں لیکن افسوس دوسو روپے خرچ کرنے کے باوجود واپس ہوئیں۔" ایک اور جگہ تحریر فرمایا۔ "کتابیں لے جانے والا کوئی میسر نہیں ہوتا۔"

حضرت الحاج مفتی محمد مظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ۲۶ جولائی ۱۹۵۱ء کو تحریر فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تمہارا قرآن کریم پورا کرادیا- ایک صاحب کے ہاتھ شرح مثنوی اور نافع الخلائق اور خلاصۃ الفتاویٰ جس کے حاشیہ پر مجموع الفتاویٰ ہے ارسال کر چکا ہوں جس کی رسید نہیں آئی-

۳ جنوری ۱۹۵۳ء کے مکتوب میں ہے کہ بستان معرفت کی چھ جلدیں بھیجی جا چکی ہیں صرف پہلی جلد میرے پاس ہے انشاللہ المولیٰ کسی کے ہاتھ بھیج دی جائے گی تواریخ میں ایک بہتر تاریخ بھیجی جا چکی ہے جو تاریخ فرشتہ سے بہتر ہے- تاریخ الخلفاعربی مجھے ملی نہیں ورنہ وہ یاد تھی ضرور بھیجی جاتی اگر ضرورت ہو تو خرید کر بھیج دوں؟ تحفۂ اثناعشریہ بھی بھیج دی جائے گی خدا کرے یاد رہے لطائف المعارف نہیں ہے۔اس سے قبل غایۃ الاوطار کی ۴ جلدیں ارسال کی گئی ہیں پہنچی ہوں گی-

حضرت الحاج مولانا قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا کتابیں اسی لئے دی گئی ہیں کہ اپنے مطالعہ میں رکھو تاکہ علم میں ترقی ہو ہوا گر اس طرف توجہ نہ دی تو رنج ہوگا- ان کتابوں کے علاوہ جن کتابوں کی ضرورت ہو وہ بھی منگا سکتے ہو- منشا تو یہ ہے کہ علم کے اندر یدطولیٰ حاصل ہو جائے۔

احقر نے جب ایم اے میں داخلہ کی اجازت چاہی تو فرمایا "خیال تھا اب تم دینی علوم کی طرف توجہ کرو گے مگر تمہارا ابھی گٹ پٹ سے دل نہیں بھرا- اچھا ایم اے بھی کرلو بشرطیکہ دینی مطالعہ جاری رکھنے کا وعدہ کرو-" احقر نے وعدہ کیا تو حضرت علیہ الرحمہ ایک کتاب "قانون شریعت" عطا فرمائی پھر طریقت میں مطالعہ کا شوق دلایا اور کچھ عرصہ بعد ایک کتاب طریقت کی موسوم "حالات ومقامات امام ربانی" عنایت فرمائی-

کتابیں ہی حضرت علیہ الرحمہ کا اثاثہ تھیں اس کے علاوہ کوئی اثاثہ نہ چھوڑا- ساری زندگی میں کبھی ایک انچ زمین نہ خریدی- نہ کوئی مکان بنایا نہ بینک بیلنس تھا- بے شک

زمینوں پر مکان بنتے ہیں اور مکانوں میں انسان بستے ہیں- لیکن کتابوں سے انسان بنتے ہیں- یقیناً اچھی کتابوں سے اچھے انسان بنتے ہیں اور اچھے انسان نہ ہوں تو یہ دنیا جینے کی جگہ نہ رہے-- اچھی کتاب روح کی غذا ہے- اچھی کتاب بہترین دوست ہوتی ہے اچھی کتابیں اپنے اور بیگانے سب کو فیض پہنچاتی ہیں- اس سے انسان نسل در نسل فیض پاتے رہتے ہیں اس لئے حضرت علیہ الرحمہ نے اچھی کتابوں سے دل لگایا انہیں دوست بنایا-

حضرت علیہ الرحمہ کے حجرہ مبارکہ جس میں دارالافتاء تھا اس میں تین طرف الماریوں میں کتابیں سجی ہوئی تھیں ایک کمرہ اس سے ملحق تھا اس میں سب طرف کتابوں کی الماریاں تھیں ان میں موضوع کی ترتیب کے ساتھ نہایت سلیقے سے کتابیں لگی ہوئی تھیں-

حضرت کا کتب خانہ نوادرات کا خزانہ تھا- نادر و نایاب کتابیں قلمی نسخے غیر ملکی مطبوعہ کتابیں ضخیم و قیمتی مجلدات بیشتر عربی فارسی زبان میں کچھ اردو میں اور بعض انگریزی میں تھیں عربی کتابیں زیادہ تھیں-

ان کی حفاظت کیڑا لگنے سے بچانے کا انتظام صفائی ایسی کہ کسی کتاب پر گرد کا نشان نہ ہوتا شاید حضرت روزانہ صفائی فرماتے ہوں گے خود ہی کتابوں کی مرمت اور درمیانہ قسم کی جلدیں بنالیتے تھے غرض وہ کتابیں حضرت علیہ الرحمہ کی علم دوستی کا اعلان کرتی تھیں حضرت علیہ الرحمہ نے آخری تحریر میں کتابوں کو نہ بھلایا یعنی وصیت فرمائی کہ طالب علموں کے لئے وقف کی جاتی ہیں- زندگی کے آخری لمحات میں بھی کتابوں کا بہترین مصرف بتادیا-

یہ کتابیں تقریباً دس ہزار تھیں۔ بیشتر ضخیم مجلدات تھیں- یہ تمام کتابیں حضرت علیہ الرحمہ کے مطالعہ سے گذر چکی تھیں بعض کتابیں بار بار مطالعہ میں آ چکی تھیں کوئی Catalogue وغیرہ موجود نہ تھا پھر بھی حضرت علیہ الرحمہ کے حافظہ میں رہتا تھا کہ کون سی کتاب الماری کے کس خانہ میں اور کس جگہ رکھی ہے اتنی مہارت تھی کہ بغیر روشنی کے مطلوبہ کتاب نکال لیتے تھے- احقر کو چند بار اس کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا اکثر حضرت علیہ الرحمہ خود ہی کتابیں نکالتے اور خود ہی الماریوں میں لگاتے تھے-

کتابوں کی فہرست سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کتنے علوم وفنون میں حضرت علیہ الرحمہ کو عبور حاصل تھا؟ کس معیار کی کتابیں مطالعہ فرماتے تھے؟ لیکن آپ نے اس پر کبھی فخر نہ کیا بلکہ ذکر بھی نہ فرماتے تھے وہ ذاتی لائبریری تھی ظاہراً تو لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ اس قدر کتابیں یہاں موجود ہوں گی بظاہر دارالافتاء کی تین الماریاں نظر آتی تھیں۔ نصف صدی سے زائد جمع کرتے رہے۔ واقعی اچھی کتابیں انسان کی بہترین مربی ہیں یہ قلب کی راحت اور روح کے لئے روشنی ہیں مشہور قول ہے اَلْعِلْمُ حَيٰوةُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَ نُوْرُ الْعَيْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ حضرت علیہ الرحمہ جو چھوڑ گئے وہ فیض جاری ہے-

مسجد امراؤ والی (بازار فراشخانہ دہلی) حضرت کی تولیت میں تھی حضرت علیہ الرحمہ نے اس کی چھت پر اپنے خرچ سے ایک کمرہ تعمیر کرایا غالباً مطالعہ یا عبادت کے لئے مخصوص تھا ۱۹۴۷ء میں لٹنے کے بعد احقر کو ایک مختصر رہائش گاہ میں مطالعہ کی تکلیف ہوئی تو حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا حضرت علیہ الرحمہ نے وہ کمرہ احقر کو عنایت فرمادیا جس میں بی- اے کی امتحان کی تیاری کرتا تھا- طالب علم کوئی بھی ہو حضرت علیہ الرحمہ بروقت اس کو سہولت پہنچانے کی کوشش فرماتے-

حضرت علیہ الرحمہ کے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ دیکھا حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اسی قرآن کریم میں حضرت علیہ الرحمہ نے ناظرہ پڑھا اسی میں حفظ کیا اور آج تک اسی میں پڑھتے ہیں (احقر کی نیت یہ مانگنے کی تھی) یہ معلوم ہوا تقریباً ۸۰ سال میں یہ آنکھوں میں بس گیا ہے اور اس میں مطالعہ میں بڑی آسانی محسوس ہوتی ہے اور اس کی جلد حضرت علیہ الرحمہ نے خود بنائی تھی بوسیدگی کے آثار نظر نہیں آئے کس قدر سلیقہ سے تلاوت فرماتے رہے- دوست دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے علم دوست کتابوں کا بھی دوست ہوتا ہے اور اس کی کتابیں اس کی محبت کی گواہ ہوتی ہیں-



فقیہ العصر

من یرد اللہ بہ خیر الیفقھہ فی الدین (الحدیث)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے)

اس حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''فقیہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کی فہم، زیرکی ودانائی عطا فرماتا ہے اور اس کے دیدہ بصیرت کو کھول دیتا ہے کہ قرآن مجید وحدیث شریف کے معانی کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقی مراد تک پہنچ جاتا ہے۔''

فقہ وہ فضیلت والا علم ہے جس کو اللہ سبحانہ نے حکمت سے تعبیر کیا ہے اور جسے یہ حکیمانہ علم عطا فرمایا جاتا ہے اسے ''خیر کثیر'' یعنی ''بہت بھلائی'' مرحمت فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے، ''ومن یوتی الحکمتہ فقد اوتی خیراً کثیرا'' گویا سرنامہ پر جو حدیث مبارکہ مذکور ہے وہ اسی آیۂ کریمہ کی تفسیر ہے۔ علماء اور مفسرین کرام کا اس پر اتفاق ہے۔ صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''قد فسرالحکمتہ زمرۃ ارباب التفسیر بعلم الفروع الذی ھو علم الفقہ'' (ترجمہ: یعنی مفسرین کی ایک جماعت نے حکمۃ کی تفسیر کی ہے ان فروع کا جاننا جو علم فقہ ہے۔) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''علم دین فقہ و حدیث ہے...... جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے وہ اور حضرت صدرالافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ''فقہ افضل ترین علوم ہے۔''

حافظ و مفتی، فقیہ و خطیب

راستی پیر و رہنما توئی

رفیع القدر فقیہ العصر، شیخ الاسلام، مفتی اعظم، حضرت شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کی پہلی پہچان علم وعرفان کے حوالے سے تھی۔ عوام ان کے نام سے اس قدر واقف نہ تھے جس قدر ''مفتی اعظم'' یا ''حضرت مفتی صاحب'' کے لقب سے ان کو پہچانتے تھے۔ خواص تو ان کی فضیلت نسبی، اوصاف ذاتی، کمالات علمی اور عظمت روحانی کے ثنا خواں تھے اور سب ہی اہل علم و اہل نظر خصوصاً اکابر علماء عصر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی علم فقہ میں مہارت اور علوم قرآن و حدیث میں رقت نظر، قوانین شریعت مطہرہ پر کمال دسترس اور وسیع مطالعہ اور نتائج اخذ کرنے میں ذہانت کا کمال اور فن فتویٰ نویسی میں مہارت کا لوہا مانتے تھے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ سے یقین آ جاتا ہے کہ آپ نے علم کو عبادت سمجھ کر حاصل کیا اور فقہ کے شعبہ کو اللہ کی رضا کے لیے دین متین کی خدمت کے لیے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا...... اس خلوص نیت کی تصدیق اس بات سے ہو جاتی ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے تمام عمر اس سے کوئی مادی فائدہ حاصل نہ کیا۔ نہ اس کو روزی کا حیلہ بنایا اور نہ ہی دربار یا امراء کے ہاں رسائی کا وسیلہ بنایا نہ شہرت کی تمنا کی نہ عہدے یا امتیاز کی آرزو کی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور مسلمانوں کی بہبود یہی ان کی کوشش تھی۔ انہیں علم دین کی عظمت کا احساس تھا۔ اس کی عزت میں اضافہ کیا اس کو رُسوا نہ کیا۔ دنیا کے لیے کچھ جمع نہ کیا۔ کبھی نہ اہلِ ثروت کی تعریف کی نہ اہل اقتدار کو منہ لگایا۔

به عمر خویش مدح کس نہ گفتم
دری ز بہر دنیا نہ سفتم

اپنی زندگی میں کسی کی تعریف (خوشامد) نہیں کی اور دنیاوی دولت نہ سمیٹی۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ صحیح معنوں میں فقیہ النفس تھے۔ ان کا ہر قول حکیمانہ اور ہر فعل فقیہانہ تھا۔ ان کی سوچ، ان کا انداز ان کی بود و باش بعینہ اس معیار کا نمونہ تھی جو سرکار ابد قرار علیہ افضل والصلوٰۃ واکمل السلام نے ایک بہترین فقیہ کے لیے پسند فرمایا تھا۔

"نعم الررجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع و ان استغنی عنه اغنی نفسه"

دین کا وہ فقیہ کیا ہی بہتر آدمی ہے اگر اس کی ضرورت پڑے تو فائدہ پہنچا دے اور اگر اس سے لاپرواہی کی جائے تو وہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔ صاحب اشعۃ اللمعات نے اس حدیث مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "عالم دین کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ تو لوگوں سے ملنے جلنے کا خواہش مند نہ ہو اور لوگوں سے ایسی علیحدگی بھی اختیار نہ کرے کہ اپنے علم سے فائدہ نہ پہنچائے اگر لوگوں کو اس کی حاجت نہ ہو تو وہ اللہ کی عبادت، اپنی کتب کے مطالعہ، تصنیف و تالیف، اور علم دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ اشعۃ اللمعات ج ا، ص ۱۷۵

اس تشریح کا بہترین عملی مظاہرہ حضرت قبلہ کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس محبوب بندے کو بہ حیثیت ایک فقیہ، ایک مفتی، ایک عالم دین خیر کثیر سے نوازا خوب نوازا...... عظیم الشان امتیازات سے ممتاز اور نمایاں کیا۔

علمی وفقہی وراثت:

لغوی اعتبار سے مفتی وہ دانا عالم ہوتا ہے کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کیے جاتے ہیں تو ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ چنانچہ المنجد میں ہے: المفتی: الفقیه الذی یعطی الفتوی و یجیب عما القی علیه مسائل امتعلقه الشرعیة۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ مفتی ابن مفتی ابن مفتی آپ کے جدامجد اپنے دور کے ''مفتی اعظم'' تھے آں موصوف نے ۱۷ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوکر مفتی کا منصب سنبھالا تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے بھی ۱۷ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر دارالافتا مسعودی کو ازسرنو ترتیب دیا اور مفتی کا منصب سنبھال لیا اور پھر اپنے جد امجد کی طرح اپنے دور کے مفتی اعظم تسلیم کیے گئے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے دادا حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی فقاہت کا پورا ہندوستان میں شہرہ تھا اور آپ فقیہہ الہند کے لقب سے پہچانے جاتے تھے- آپ ہی نے مسجد جامع فتح پوری میں ایک باقاعدہ دارالافتاء قائم کیا تھا۔ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے خسر مولانا مفتی حیدر شاہ خاں رحمتہ علیہ اوران کے صاحب زادے (حضرت شاہ محمد مسعود رحمتہ اللہ علیہ کے برادر نسبتی) مولانا مفتی غلام مصطفیٰ خان رحمتہ اللہ علیہ شاہی امام مسجد فتح پوری کے فتاویٰ کا تذکرہ بھی تاریخ میں ملتا ہے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے والد گرامی مفتی محمد سعید رحمہ اللہ علیہ عارف کامل اور مفتی تھے آپ کے بڑے چچا حضرت مولانا احمد سعید علیہ الرحمہ بھی مفتی تھے- آپ کے دوسرے چچا مولانا عبدالمجید محدث دہلوی بھی مفتی تھے اور تیسرے چچا مولانا عبدالرشید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ بھی مفتی تھے اور ان کا ایک فتویٰ تذکرہ مظہر مسعود ص ۶۷ پر منقول ہے باقی دو چچا بھی عالم وفاضل تھے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نجد کے واسطے دعا کی ہے جواب نجد تک ثابت ہو جب صلی اس مسئلہ کی حدیث شریف سے حوالہ دیکر جواب عطا فرمائیں تاکہ مسلمانوں کو اسکا یقین کرنا ثابت ہو علی الظہر از شیدر

الجواب

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجد کے واسطے دعا نہیں فرمائی صحابہ نے وہاں کیلئے دعا کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ وہاں تو زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا قال فی الثالثۃ هناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان

رواہ البخاری فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج حافظ قاری، مفتی، حکیم محمد مظفر احمد رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں بطور نائب مفتی اعظم رہے۔ کراچی میں وہ اپنے دور کے مفتی اعظم شمار ہوتے تھے اور دوسرے صاحبزادے الحاج حافظ قاری مفتی حکیم محمد مشرف احمد رحمتہ اللہ علیہ بلند پایہ مفتی تھے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی نیابت میں یعنی بطور نائب مفتی اعظم فرائض انجام دیے۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی مشرف احمد رحمتہ علیہ بحیثیت مفتی اعظم دین متین کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد شاہ رحمتہ اللہ بھی فتویٰ دے دیتے تھے لیکن باقاعدہ دارالافتاء کی ذمہ داری قبول نہیں فرمائی تھی۔ حضرت کے باقی چاروں صاحبزادے عالم دین بنے۔ ان میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ اپنے علم وفضل میں یکتائے زمانہ اور عالمی شہرت اور عزت کے مالک ہیں۔ عظیم محقق اور کثیر التصانیف بلند مرتبہ ادیب ماہر تعلیم رہبر ورہنما و فاضل جلیل ہیں اور عظیم روحانی پیشوا ہیں۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرت العلامہ الحاج مفتی شاہ محمد محمود احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ جید عالم دین۔ مشہور مفتی عظیم مدرس اور صاحب قلم بزرگ[1] تھے جب کہ دوسرے فرزند نسبتی حضرت علامہ قاری محمد حفیظ الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ بہترین عالم۔ مبلغ اور مدرس اور مرشد تھے۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے پوتوں اور نواسوں میں بھی یہ امتیاز جاری ہے۔ حضرت قبلہ کے بڑے پوتے حضرت قاری حافظ محمد ظفر احمد مدظلہ جید عالم نامی گرامی قاری اور بافیض روحانی شخصیت ہیں۔ بڑے منکسر المزاج اور متقی ہیں۔ آپ کے ایک پوتے

---

[1] آپ حضرت علامہ شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ اور مقبول دینی اور روحانی رہبر تھے۔ مظہری

مولانا حافظ قاری مفتی محمد آصف جاہ مدظلہ دہلی میں فتاویٰ و دیگر علمی و دینی خدمت میں مصروف ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر علامہ مفتی حاجی حافظ قاری محمد مکرم احمد صاحب مدظلہ اپنے آبائی دارالافتاء مسعودیہ مظہریہ کی مسند پر رونق افروز ہیں اور ان کے برادران گرامی قدر بھی ممتاز علماء باصفا ہیں۔ حضرت قبلہ کے محبوب نواسے حضرت شیخ الحدیث الحاج علامہ مفتی ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر مدظلہ، علماء وفقہائے پاکستان کی صف اوّل میں شمار ہوتے ہیں گویا۔

ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

تعداد:

دوسری امتیازی شان حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی حیرت انگیز تعداد ہے جو حضرت کی عظیم الشان دینی کارکردگی۔ ان کی غیر معمولی علمی استعداد، ان کی انتھک محنت ...... خدمت دین کی لگن اور ان کی فنی مہارت پر شاہد ہے۔ صدہا تحسین! اس شخص کی اعلیٰ ظرفی پر جس نے زندگی میں کبھی ان کمالات پر فخر نہ کیا۔ فتاویٰ کی تعداد کا ریکارڈ ہی نہ رکھا...... فخر کی راہ پر نفس کو چلنے کی اجازت نہ دی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے جو کام کیا خالصاً للّٰلہ کیا تھا۔ واقعی فتاویٰ کا شمار کرتے تو کسی کو دکھانے کے لیے اور اس سے سوائے فخر و مباہات کے کیا ہاتھ آتا بلکہ آخرت کا اجر بھی ضائع ہوجاتا۔ انہوں نے سب کچھ جس کے لیے کیا تھا وہ علیم وخبیر تو ہر جنبش قلم سے ہی باخبر تھا پھر انہیں کیا فکر تھا جو اعداد و شمار کے تکلف میں وقت خرچ کرتے وہ وقت جو دین کی امانت تھا۔ جو اللہ کی امانت تھا اسی کی راہ میں صرف کرتے رہے۔ نعمت کا شکر کرتے رہے اور حق تعالیٰ کے احسان کا حق ادا کرتے رہے۔

بہرحال قرائن موجود ہیں بڑی احتیاط سے بھی کام لیا جاسکتا ہے اور وثوق سے کہا

جا سکتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں دو لاکھ سے زائد دینی سوالوں کا جواب دیا تھا یہ تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے اس کا تجزیہ بھی مشکل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو طویل عمر دی اور ان سے بھرپور کام لیا وہ ۱۵ رجب ۱۳۰۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۴ شعبان ۱۳۸۶ھ کو وصال فرمایا کل مدت عمر ۸۳ سال ایک ماہ ہوئی ۱۷ سال کی عمر میں مفتی کا منصب سنبھالا۔ سفر حج اور سفر پاکستان و دیگر بعض مختصر اسفار (جن کا دورانیہ ۳۔۴ دن تھا) مجموعی طور پر (۱۰ ماہ ہوتے ہیں) ان کو ایک سال شمار کرلیں یوں ۱۸ سال کم کرکے ۶۵ سال فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

جس شخص کا یہ حال ہو کہ علالت میں جب کہ بیٹھنے کی سکت نہیں تکیوں کے سہارے نیم دراز حالت میں بھی فتویٰ لکھیں۔ عصر کی نماز کے بعد دنیا سے رخصت ہونا ہی اسی روز عصر کی نماز سے پہلے بھی فتویٰ تحریر فرمایا ایسے حضرات ناغا نہیں کرتے۔ پھر بھی تہوار تقریبات واتفاقات کے لیے گنجائش رکھیں تقریباً ۴ سال کم کرلیں تو اکسٹھ سال مان لینے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا اور یوں تقریباً بیس ہزار ایام ہوئے اگر روزانہ ۱۰ سوالوں کا جواب دیا تو دولاکھ ہوگئے۔[1]

اب یہ پہلو کہ دس سوال یومیہ کیوں مانے جائیں؟ پہلی عینی شہادت گھر کے ایک فرد کی جو متقی اور انتہائی قابلِ اعتماد شخصیت یعنی حضرت قبلہ کے فرزند ارجمند مسعود ملت

---

[1] گھٹا گھٹا کر ہی لکھنا ہو مخالفت ہی موقود ہو تو دو لاکھ کہے جاسکتے ہیں ورنہ وہ ایسی ذات نہ تھے جو چار سال بغیر فتاویٰ لکھے گزار دیتے اور لوگ انہیں خالی بیٹھنے دیتے دہلی والوں نے دارالافتاء بھی دیکھا تھا اور حضرت کا مکان شریف بھی تحریری فتاویٰ صبح شام گھر پر بھی وصول کرلیے جاتے تھے۔ پھر ڈاک پر کیا پابندی پورے ہندوستان، پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی حضرت علیہ الرحمتہ ہی کی شہرت تھی۔ ڈاک بڑھتی ہی جاتی تھی۔ مظہری

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ" دن کا تقریباً نصف حصہ فتویٰ نویسی میں صرف ہوتا تھا۔[1]" تو نصف یوم میں اوسطاً دس فتویٰ یہ بات ذہن قبول کرتا ہے دس سے زیادہ بھی ممکن ہیں کہ اکثر فتاویٰ کا جواب ایک دو سطروں میں پورا ہو جاتا ہے البتہ تقسیم ورثہ کے معاملہ میں حساب لگانے میں متنازعہ مسائل میں کتابوں کے حوالے اور مدلل بحث میں خاصہ وقت لگتا ہے لیکن ایسے فتاویٰ کی تعداد کم ہوتی ہے۔

دوسری عینی شہادت:

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی عمر شریف کے آخری پندرہ سالوں میں راقم الحروف اکثر دارالافتاء میں حاضر رہتا تھا بلکہ جن دنوں میں حضرت سے عربی اور قرآن کریم کا ترجمہ پڑھتا تھا تو بلاناغہ حاضر ہوتا احقر نے دیکھا کہ ظہر کی نماز کے بعد دارالافتاء کھلتا تھا اور عصر تک کھلا رہتا تھا۔ بعض لوگ مسائل معلوم کرنے آتے زبانی جواب حاصل کر کے چلے جاتے تھے بعض تحریری سوالات لاتے اور جواب لکھوا کر لے جاتے تھے جو بات تفصیل طلب ہوتی اور ان میں کتابوں کے حوالے مطلوب ہوتے ان کو جواب کے لیے دوسرے دن بلایا جاتا تھا۔ ایسے فتویٰ حضرت قبلہ گھر لے جاتے تھے اور وہاں صبح کو یکسوئی سے ان کا مفصل جواب لکھتے تھے۔ عموماً عورتیں مسائل پوچھنے کے لیے صبح گھر پر آتی تھیں۔ بعض انجان دارالافتاء کے علاوہ اوقات میں آتے چونکہ مسجد کے قریب ہی حضرت قبلہ کا مکان شریف تھا وہاں کسی بھی وقت فتاویٰ دے دیے جاتے تھے اسی وقت جواب دے دیا جاتا یا دارالافتاء کھلنے پر وہاں سے جواب ملتا تھا۔

ظہر تا عصر کے اوقات میں بعض حضرات دعا یا تعویزات کے لیے بھی آ جاتے لیکن حضرت کے نزدیک فتاویٰ کی اہمیت زیادہ تھی اس لیے ایک گھنٹہ کے بعد حجرہ اندر سے بند کر دیا جاتا (اور باہر ایک صوفی صاحب کو بعض تعویزات کی اجازت دے کر بٹھا دیا کہ دکھی لوگوں کی خدمت جاری رہے۔) ایک بار فرمایا کہ تعویز کوئی اور بھی دے سکتا

---

[1] ا۔ تذکرۂ مظہر مسعود

ہے۔فتویٰ بڑی ذمے داری کا کام ہے اسے ہر ایک کے سپرد نہیں کیا جا سکتا اس لیے جج
بند کرنا پڑتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ فتوے لکھے جا سکیں۔

رجوعیت:

مخلوق خدا کی رجوعیت حضرت علیہ الرحمہ کا تیسرا امتیاز ہے۔
دہلی میں مسلمانوں کی اکثریت حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی معتقد تھی اور وہ صرف حضرت قبلہ سے ہی رجوع کرتے تھے جو دوسرے مسلک کے تھے انہیں بھی بلکہ ان کے بڑے بڑے علماء کو یہ اعتراف تھا کہ صحیح فتویٰ تو فتح پوری سے ہی مل سکتا ہے۔ احقر نے دیکھا جن لوگوں نے اپنے علماء سے فتاوے لے لیے پھر بھی تصدیق کے لیے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ یہی حال پورے ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کا تھا صحیح ترین جواب کے لیے ہندوستان ہی نہیں بیرون ملک میں بھی حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی شہرت تھی۔ بعض فتویٰ علماء کی طرف سے ہوتے تھے۔ بعض علماء عربی میں سوال لکھتے بعض فارسی میں ان کو اسی زبان میں جواب تحریر فرمادیتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو اردو پر جتنا عبور تھا عربی اور فارسی پر بھی اس قدر قدرت حاصل تھی عدالتوں کے لیے قانونی باریکیاں۔ دفاتر کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق وضاحت ہوتی علماء عصر بھی حضرت کی اس فضیلت کے معترف تھے چنانچہ پروفیسر علامہ اخلاق حسن دہلوی ماہنامہ عقیدت میں رقم طراز ہیں۔ ''آپ امامت خطابت اور فتویٰ نویسی کی خدمت بہ احسن وجوہ آج تک انجام دے رہے ہیں اور ہند و پاک عرب وعجم میں آپ کا فتویٰ مانا جاتا ہے۔''
۱۹۴۷ء سے قبل ہندوستان میں آزادی کی تحریک زور پر تھی نئی نئی سیاسی پارٹیاں جنم لے رہی تھیں ان میں غیر مسلم جماعتیں بھی تھیں ان کی آپس کی رسہ کشی میں فتوے کی بھی نوبت آتی تھی جس جماعت کے کسی موقف کو حضرت جائز فرمادیتے تھے وہی جماعت مقبول و فاتح ہوتی۔ خوب اشتہارات چھپتے بڑے بڑے بینر لگتے ''مفتی اعظم ہند کا

فیصلہ'' عنوان ہوتا سرکاری دفاتر میں بعض معاملات الجھ جاتے تو بھی حضرت کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا۔ مسلمانوں کے درمیان مقدمات خصوصاً ورثہ یا طلاق وغیرہ کے معاملات میں دینی فتاویٰ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

تمام عدالتوں میں حضرت قبلہ کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا۔ خصوصاً قتل و پھانسی کے مقدمات میں خدا ترس جج پوشیدہ طور پر مشورہ لیتے تھے۔ پوری فائل بیانات واقعات وکیلوں کی جرح سب کا حضرت قبلہ علیہ الرحمہ مطالعہ فرماتے تھے۔

یہ بھی امتیاز قابل ستائش ہے کہ اس سیاسی دور میں بھی حضرت قبلہ علیہ الرحمہ پر سیاسی رنگ نہ چڑھا۔

حضرت قبلہ نے جس دارالافتاء کو از سرنو ترتیب دیا وہ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی کا قائم کردہ ہے بلکہ ان سے پہلے کے آثار بھی ملتے ہیں۔ گویا دہلی میں سب سے پرانا دارالافتاء وہی ہے۔ حضرت قبلہ کی علمی صلاحیت پاکیزہ اور غیر جانبدارانہ کردار اخلاقی معیار، جرأت وایثار نے دارالافتاء کو بام عروج پر پہنچایا۔ سیاسی و دینی جماعتیں اپنے اپنے موقف کی تائید میں اخبارات ورسائل میں حضرت کے فتاویٰ چھپواتے۔ مسجد کے پشتہ کے مشہور مقدمہ، سنی مجلس اوقات کمیٹی کی بددیانتی اور حکومت کی دینی معاملات میں مداخلت پر فتاویٰ بہ صورت اشتہارات دیواروں پر چسپاں ہوتے۔ حضرت مفتی اعظم کی شہرت روز بروز پھیلتی جارہی تھی اور لوگوں کے رجوع ہونے کی رفتار بڑھ رہی تھی۔ ایسے میں دس سوال یومیہ کم از کم تعداد ہے بلکہ اس سے دگنی بھی ہونا بعید نہیں۔

اگر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام ہوتا تو وہ حجم کے اعتبار سے اس قدر ہو جاتا کہ کسی لائبریری میں ایک علیحدہ شعبہ ''فتاویٰ مظہریات'' قائم ہوسکتا تھا اور اس پر محنت کرنے والے صرف ان فتاویٰ سے مختلف شعبوں پر مکمل کتابیں تالیف کر سکتے تھے مثلاً ایمانیات، عبادات، عقائد، معاملات، حقوق، قانون وراثت،

فَسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل : ۴۳



فتاویٰ مظہریہ

جلد اوّل و دوم و سوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵ ۔ ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء

قانون شریعت، اخلاق وغیرہ نیز یہ مستند ذخیرہ علمی، دینی، ثقافتی، تاریخ اور سیاسی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے بے مثال قیمتی سرمایہ ہوتا۔ اگر سنجیدہ جستجو کی جائے تو کافی نوادرات میسر آ سکتے ہیں۔ راقم الحروف کو اندازہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم نے تین لاکھ سے زائد سوالات کے جواب تحریر فرمائے۔ تمام احتیاطیں اختیار کی گئیں اور کم از کم تعداد ۲ لاکھ فتاویٰ مقرر کی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے عظیم صاحبزادے مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود اور دامت برکاتہم العالیہ نے بڑی کاوش سے فتاویٰ مظہری اوّل و دوم شائع فرما دی تھی اور اب جلد سوم بھی شائع ہو چکی ہے اور یوں اہلِ علم افادات مظہری سے محروم نہ رہے۔ مولا کریم اس خدمت دین کو قبول فرمائے اور موصوف کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت شیخ الاسلام قبلہ مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی کے تقدس اور اہمیت کو واضح طور سے سمجھتے تھے اور بحیثیت فن اس کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر تھی۔ آپ مفتی کے دائرہ کار، اس کی ذمے داریوں کے علاوہ اس کے اخلاق، نظریات و کردار کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ کسی فتوے کا جواب لکھتے ہوئے حضرت نے اس موضوع پر اتفاقاً روشنی ڈال دی اس فن شریف کے بعض پہلو اُجاگر ہو گئے۔

''فتویٰ دینا حقیقتاً مجتہد کا کام ہے اور وہ اس زمانہ میں مفقود ہے۔ اب علما کا کام صرف مجتہدین کے اقوال کو نقل کر دینا ہے تو حقیقتاً فتویٰ دینا نہ ہوا۔ اب مفتی ناقل کے لیے ضروری ہے کہ معتبر کتاب سے اخذ کر کے بغیر اپنی رائے کے دخل کے نقل کرے لیکن اب دیکھا یہ جا رہا ہے کہ عام علماء بغیر اپنی رائے کو دخل دیے ہرگز نقل نہیں کرتے تو ایسے علماء کا فتویٰ (ہرگز) قابلِ اعتبار نہیں ہوتا عام لوگوں کو چاہیے کہ ایسے علماء (کی طرف) کان نہ دھریں محتاط علماء کے فتویٰ پر عمل کریں ہر عالم فتویٰ دے سکتا ہے جبکہ قواعد فقہ پر عمل کرے اور اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ شہر کا مفتی وہ ہو سکتا ہے جس کو اہل شہر اتفاق

کر کے مفتی قرار دے دیں ورنہ جو جس کا معتقد ہو وہی اس کا مفتی ہے۔ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ فاسق نہ ہو فاسق سے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں کہ علم شریعت ایک نور ہے جو تقویٰ والوں پر جائز ہوتا ہے اور بیدار مغز ہونا چاہیے کہ سوال کو اچھی طرح جانچ کر فتویٰ دے اور واقعہ کی تحقیق کرے پس جو فتویٰ دینے کا اہل ہے وہ فتویٰ دے سکتا ہی، بشرطیکہ مسائل کے باب میں رہے، مقصود کی رعایت نہ کرے۔''

درحقیقت کسی مفتی اعظم پر عالم دین کی خصوصیات گنوانا اور اس سے بہت خوب صورت توقعات وابستہ کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے البتہ اس پر عمل کر کے اور اعلیٰ معیار قائم کر کے دکھانا یہ بڑی کٹھن گھاٹی ہے۔ حضرت قبلہ نے بڑے عزم کے ساتھ ہر مشکل راہ کو طے کیا اور ایک بہترین مفتی کے تمام خصائص کا اعلیٰ معیار پیش کیا۔

فتاویٰ مظہری حصہ اول و دوم وسوم حجم کے اعتبار سے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی عظیم الشان تعداد کے مقابل ''مشتے نمونہ از خروارے'' کہا جا سکتا ہے۔ یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں ہر عنوان پر فتاویٰ شامل ہیں لیکن جو کچھ میسر آ سکا وہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کا دینی وعلمی سرمایہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے بھی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے بعض خصائص نظر آتے ہیں مثلاً:

حضرت علیہ الرحمہ کی فقاہت:

۱۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وکیل کی تحریر نہیں معلوم ہوتے جج کے فیصلے معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ سوال کسی ڈھنگ سے کیا جائے تاکہ مسائل کا خلافِ شرع لیکن حسب دل خواہ جو اب مل جائے یا بیان میں اس قدر الجھاؤ ہو کہ معاملے کی تہہ تک پہنچنا دشوار ہو جائے لیکن حضرت علیہ الرحمہ کی خداداد ذہانت وفطانت بیدار مغزی اور فراست کے لیے یہ دشواریاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

۳۔ اکثر ابتدائی دور کے فتاویٰ قرآن و حدیث کے حوالوں ائمہ اور مجتہدین کے اقوال سے مزین ہوتے تھے لیکن وہ بھی حسب ضرورت۔

۴۔ سوال کی وسعت، اہمیت اور مسائل کی استعداد کے مطابق جواب تحریر فرماتے۔ عالم کے لیے اس کی ضرورت اور صلاحیت کے پیش نظر انداز اختیار فرماتے اور عام آدمی کو اس کی صلاحیت کے اعتبار سے مطمئن کر دیتے۔

۵۔ آخری دور میں فقاہت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ مختصر جواب ہی کافی ہوتا اور حوالوں کی کمی محسوس نہ ہوتی۔ اس میں ضعیفی اور نقاہت کا بھی اثر تھا لیکن سائل کی خواہش ہوتو یہ تکلیف بھی گوارا فرماتے عام رجحان یہ تھا کہ حضرت نے لکھا ہے بس اب کوئی حجت باقی نہیں۔ کسی عالم نے جواب لکھا ہے...... اس پر فتح پوری کی تصدیق ہے یا نہیں؟

۶۔ ایجاز و اختصار ایسا کہ ایک دو جملوں میں یا ایک دو سطروں میں مسئلہ سلجھا دیتے ہیں اور تفصیل ایسی بھی جو کہ جواب کتاب کی صورت میں شائع ہو جاتا مثلاً قصد السبیل ۱۶ صفحات پر شائع ہوا اور فتویٰ کا انتقاء المحال فی رویۃ الہلال ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

۷۔ جب مدلل بحث کی ضرورت ہوتو عالمانہ شان سے مسئلہ کے جزئیات کو احسن ترتیب سے پیش کرتے ہوئے مقصود کی جانب پیش قدمی فرماتے ذہن قبول کرتا جاتا ہے۔ شکوک رفع ہوتے جاتے ہیں اور مخالف بھی قائل ہوجاتے ہیں۔

۸۔ حضرت کے فتاویٰ سے اس دور کے تاریخی، سیاسی اور دینی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت کے اپنے افکار عقائد اور کردار کی جھلک بھی نظر آجاتی مثلاً حضرت قبلہ حق گو۔ غیر جانبدار اور بے خوف تھے۔ عشق رسول ﷺ حب اہل بیت اطہار، عظمت صحابہ کرام، اہل اللہ سے دلی لگاؤ بھی جھلکتا ہے۔ دینی حمیت و غیرت کے جذبات بھی نظر آتے ہیں ایسے مواقع پر حکومت وقت، بااثر شخصیات کی سختی سے گرفت فرماتے ایسی بے شمار مثالیں ہیں یہاں چند حوالے پیش ہیں: آزادی کی

تحریکوں کے بڑے بڑے علماء نے مصلحت پسندی اختیار کی اور اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کو پس پشت ڈال کر ایسے فتویٰ بھی دے دیے جو دینی اور اسلامی غیرت کے منافی تھے۔

مومنانہ فراخدلی:

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا یہ جذبہ بڑا قابل ستائش ہے کہ اگر آپ کے فتویٰ سے کسی کو اختلاف ہوا اور وہ حضرت کی رائے کے خلاف معقول دلائل پیش کر دے تو حضرت اپنے فتویٰ سے رجوع کرنے کے لیے فراخدلی سے تیار رہتے تھے۔ اپنی رائے کو ''انا'' کا مسئلہ نہیں بنایا بے جا تاویلیں پیش کرنا ان کی عادت نہ تھی حضرت علیہ الرحمہ نے بارہا فرمایا، بارہا لکھا اور شائع بھی کر دیا مثلاً ''انتقال المحال فی رویۃ الہلال'' کے آخری صفحے پر ''علماء کرام کی خدمت میں التماس'' بعنوان اعتذار کیا گیا۔

> ''چونکہ عیدالاضحیٰ قریب تھی جن میں اختلافات کا اندیشہ تھا اس لیے بہ عجلت یہ جواب تحریر میں آیا حضرات اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ اگر کسی مقام پر سقم پائیں تو بعد اصلاح فقیر کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں محمد مظہر اللہ عفی عنہ۔
>
> نوٹ: ریڈیو وغیرہ آلات سے رویت ہلال کے ثبوت میں جن وجوہ سے لوگوں کو خدشات لاحق ہوتے ہیں ان کا جواب اس مختصر تحریر میں دیا گیا ہے۔ علما کرام سے امید ہے کہ وہ اپنی ذمے داری کے پیش نظر اس پر اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں گے۔
>
> مجوزین کے دلائل اگر فقیر کے بطلان میں کافی پائے (گئے) تو فقیر کو ان کے قبول کرنے میں ہرگز پس و پیش نہ ہوگا۔''

یہ بات اس قدر مشہور تھی کہ حضرت کی اس خصوصیت کا ماہنامہ ''منادی'' نئی دلی کے اداریہ میں بطورِ خاص یوں ذکر کیا گیا ''فتاویٰ کے سلسلے میں ان کی دیانت کا یہ عالم تھا کہ اگر انہیں یہ احساس ہو جاتا کہ فتویٰ کسی غلط فہمی کی بنا پر دے دیا گیا ہے تو فوراً اس

سے رجوع کر لیتے اور نیا فتویٰ دے دیتے تھے شریعت کی پابندی کرنے میں وہ بے حد محتاط تھے' لیکن دوسرے علماء اور مفتیوں کی طرح تقریریں کرنے اور زبردستی اپنی بات منوانے کے قائل نہ تھے۔''

اسلوب بیان:

فتویٰ نویسی قانونی ادب کے زمرے میں آتی ہے اور اس کا ایک انداز رائج ہے لیکن حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے اس میں انفرادیت پیدا کی آپ کا طرزِ تحریر پروقار ہوتا ہے زبان بامحاورہ سلیس اردو بے جا ثقیل الفاظ کے استعمال سے گریز فرماتے تھے۔ علمیت کا رعب جمانا مقصود نہ ہوتا تھا کوشش یہ تھی کہ سائل دین کی بات اچھی طرح سمجھ لے۔

آپ کے بعض فتاویٰ معمولی ترمیم سے ادبی وتحقیقاتی مقالات میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ بعض اوقات حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفید مشورہ بھی دیتے ہیں۔ کبھی یوں لگتا ہے سائل سے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ کشش یہ کمال بڑے ایثار سے ملتا ہے حضرت عموماً خطوط کے مقابلے میں پہلے فتویٰ لکھتے تھے فتویٰ پوچھنے والوں پر کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ بیرون شہر سے آنے والے فتاویٰ کا ڈاک خرچ بھی اپنی جیب سے ادا فرماتے اس بارے میں کبھی گرانی محسوس نہ کی۔ ایک دو دن کی بات نہیں ۶۵ سال سے مسلسل بلا معاوضہ خدمت دین کرنا بلکہ مسلسل خرچ کرنا بہت بڑی فضیلت ہے بہت بڑا ایثار ہے۔ آخر میں اپنے اس مقالہ کا عنوان مستعار لیتا ہوں جو روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء کو بعنوان مفتی اعظم محمد مظہر اللہ شاہ جس میں ایک عنوان یوں بھی تھا ''فتاویٰ نویسی کے ہنر میں امام تھے'' شائع ہوا تھا۔[1]

جدوجہد آزادی کے دور میں بہت سے علماء اور مسلمان لیڈر ہندوؤں کے ساتھ ہو گئے۔ ان سے وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے غیرتِ ملی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ شعائر کفر

۱۔ یہ مقالہ راقم الحروف کا ہی تحریر کردہ تھا۔ مظہری

کو جائز قرار دینے اور شعائرِ اسلام کو مٹانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے جس بے خوفی اور حق گوئی کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ تحسین ہے۔

کانگریسی علماء گائے کی قربانی بند کرانے پر متفق ہو گئے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے ایک مفصل اور مدلل فتویٰ تحریر فرمایا اور ثابت کر دیا کہ یہ شعائرِ اسلام میں ہے اور اس کا مٹانا عتابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے، کسی سے اس کا جواب نہ بن پڑا اور بحمدہ ہندو نواز علماء کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔

یوں ہی جب جمعیت العلما ہند نے کفریہ نعروں مثلاً ''مہاتما گاندھی کی جے''، ''بندے ماترم'' کے نعروں کو اختیار کرنا جائز قرار دیا اور مفتی کفایت اللہ مرحوم نے فتویٰ دیا کہ ''اس میں کوئی جرم نہیں۔'' تو حضرت قبلہ نے اس کو جرم اور ناجائز قرار دیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے عزائم سے خبردار بھی کر دیا جس میں ایک خط کا حوالہ بھی تھا جو ''جے پور، راجھستان، بھارت سے کلمہ کمیٹیاں بنانے اور ہندوؤں کے اس مطالبے کے بارے میں تھا کہ اب مسلمان ہندوستان میں کلمہ نہیں پڑھیں گے کہ اس سے ان کے معبودوں کی نفی ہوتی ہے۔ ایک طرف تو ہندوؤں کو ہمارے کلمہ پڑھنے پر اعتراض ہے اور ہم مسلمان ان کے نعروں کو اپنائیں۔ اس بے غیرتی پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے، اسی فتویٰ میں رسالہ 'شدھی سماچار'' مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۰ء کا مضمون نقل کیا ہے جو ''بھارت شدھی سبھا'' (دہلی) کے جنرل سیکریٹری نے ''شدھی اور سوراج'' کے عنوان سے لکھا تھا اس متعصب تنظیم نے جو سب کو ہندو بنانے کا منصوبہ بنایا تھا اس سے آگاہ فرمایا۔

آزادی کے بعد ۱۹۶۰ء میں جب وزیرِ اعظم ہند نے ایک مسلمان عالم کے تلک لگایا اور اس کے متعلق علماء سے استفسار کیا گیا تو حضرت قبلہ کا جواب یہ تھا۔ ''مسلمانوں کے لیے تلک لگوانا حرام ہے شعائرِ کفر ہے جس عالم نے کہا ہے جائز ہے وہ گناہ گار ہوئے انہیں توبہ لازم ہے۔'' نہ حکومت سے نہ وزیر اعظم کے نورِ نظر سے خطرہ جو تلک لگوا کر فخر محسوس کر رہا تھا۔

اپنے پرائے سب حضرت قبلہ کی حق گوئی کے معترف تھے۔ چنانچہ مبلغ اسلام حضرت مولانا منور حسین سیف الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

اس زمانے میں مدرسہ (عالیہ فتح پوری) کے صدر مدرس مولانا سلطان محمود صاحب تھے جو دیوبندی تھے میں نے ان سے مل کر بھی حضرت مفتی اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق معلومات کیں تو انہوں نے فرمایا۔ ''شریعت کی برہنہ تلوار ہیں ان کے ہاں کوئی مصلحت اور کسی قسم کی ردو رعایت ہی نہیں مدلل حکم صادر فرماتے ہیں کہ لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔''

تدبر اور تحمل حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے اوصاف حمیدہ میں نمایاں تھے فتویٰ نویسی میں ان اوصاف نے حضرت کو غایت درجہ محتاط بنا دیا تھا۔ مثلاً قدیم دور سے فتح پوری مسجد میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی قائم تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ اس کے صدر تھے تمام ہندوستان، پاکستان میں آپ کا فیصلہ مانا جاتا تھا۔ مخالفین کو یہ گوارا نہ تھا بالآخر بعض علماء نے جامع مسجد شاہ جہانی میں ایک اور رویت ہلال کمیٹی قائم کردی اور اپنا فیصلہ شائع کیا اور حضرت علیہ الرحمہ پر بہت سی تہمتیں لگائیں۔ حضرت نے صبر فرمایا لیکن جب پوچھا گیا تو محتاط طریقہ سے جواب دیا: سوال کے ۴ حصے ہیں۔ تفصیلی جواب بھی ہیں بعض اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔

سوال نمبر ۱: اس سال جو فتح پوری کے قدیمی جلسہ رویت ہلال کے علاوہ رمضان کے چاند کی تحقیق کے لیے جامع مسجد میں جلسہ کیا گیا ہے کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہوئی؟

جواب: (۱) اس کی اصل وجہ جو میرے نزدیک ہے وہ تو نہیں بتلا سکتا کہ ایک عالم کی بدنامی کا باعث ہوگی الخ

(۲) فقیر کے نزدیک جو اس فیصلے کا مطلب لیا جارہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس فیصلے کے الفاظ یہ ہیں......

فیصلہ کے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے اس میں شرعی اعتبار سے خامیوں کی نشاندہی فرمائی حضرت علیہ الرحمہ مختلف ملکی اور غیر ملکی علماء دین کے مطبوعہ فیصلوں کا حوالہ دیا اور ہندوستان کے جلیل القدر علماء کے طرزِ عمل کا بتادیا ان علماء کے ناموں کی مختصر فہرست دی جن کے خلاف لب کشائی کی جرات کسی کو نہیں ہوتی تھی اور عالمانہ شان کے مطابق اس بارے میں ایک مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جو''انتقاء المحال فی رویت ھلال'' کے نام سے بہ صورت کتاب شائع ہوگیا سوال مذکورہ کا تیسرا حصہ یہ ہے (۳) دوسرے روز کے اخبار الجمیعتہ کو ملاحظہ کریں جس میں ایک آپ کے متعلق فتویٰ شائع ہوا ہے اور اس میں بتلایا ہے کہ آپ نے لوگوں کو بدھ کے روز روزہ توڑنے پر مجبور کیا ہے کیا یہ صحیح ہے تو حضرت نے فرمایا۔

''یہ بالکل غلط اور مجھ پر اتہام ہے کہ میں نے کسی کو روزہ توڑنے پر مجبور کیا ہو۔ لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کے لیے اکثر بہتان باندھے اور افواہیں اڑائی جاتی رہی ہیں اور وہ اپنا کام بھی کررہی ہیں الخ۔ اعلان تو جامع مسجد سے ہوا۔ فتح پوری سے چاند کا اعلان نہیں ہوا یہاں چاند کا ہونا تسلیم نہیں کیا تو روزہ نہ رکھنے اور روزہ تڑوانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

یہ ایک طویل فتویٰ ہے جو فتاویٰ مظہری میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے طوالت کے خیال سے یہاں نقل نہیں کیا۔ البتہ جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ جو حضرات کھلی دشمنی کررہے ہیں حضرت مفتی اعظم ان کا نام بھی نہیں بتارہے کہ ایک عالم کی بدنامی ہوجائے گی غلط فیصلہ کا عالمانہ تجزیہ فرمایا کوئی ناشائستہ بات کسی مخالف کے لیے نہ فرمائی کس شان کا تحمل ہے اللہ! اللہ! شریعت مطہرہ میں حساس ترین مسئلہ تکفیر کا ہے۔ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ اس بارے میں بہت محتاط تھے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کی کوشش کی جائے حضور اکرم ﷺ کے اس قول پر بھی نظر تھی اور یہ کہ سرکار علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی یہ کوشش کہ لوگوں کو مسلمان بنایا جائے۔ ہمارا مقصود بھی یہی ہونا چاہیے، اکابرین کی

یہی روش رہی چنانچہ شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ایک فقیہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

''ایک ہزار کافر کو اسلام کے شبہ کی بنا پر اسلام میں داخل کرنا غلط نہیں ہے البتہ ایک مومن کو شبہ کی بنا پر اسلام سے خارج کرنا ضرور غلط ہے۔[1]'' حضرت مفتی اعظم کو جب تک یقین نہ ہو جائے تکفیر نہ فرماتے تھے ذرا بھی شبہ ہو تو سکوت اختیار فرماتے۔ اگرچہ بعض علماء حضرت علیہ الرحمہ کے اس انداز پر غیر مطمئن بھی تھے۔ بعض اکابر علماء دیوبند کی تحریریں جب علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کی گئیں تو انہوں نے تکفیر کا حکم دیا جب یہی فتویٰ مختصر کر کے حضرت کو پیش کیا گیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے حضرت علماء حرمین شریفین کی تائید فرمائی بلکہ ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ آج بھی کوئی ان عبارات کو یا کفریہ جملوں کو درست قرار دے اور لکھنے والوں کو حق پر بتائے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ مظہری، کراچی)

لیکن ان کے انتقال کے ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان اصحاب کے بارے میں نہوں نے یہ عبارتیں لکھی تھیں دریافت کیا گیا تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لیے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے البتہ جو شخص ان عبارات کا قائل ہو یقیناً کافر ہے۔ (فتاویٰ مظہری، کراچی)

ایسے بے شمار واقعات گزرے ہیں کہ لوگ آخر وقت میں تائب ہو گئے یا بعض معاملات سے مائل بہ توبہ نظر آئے یہ بھی ممکن ہے انہوں نے اپنی توبہ کا اعلان نہ کیا ہو یا ہم تک اطلاع نہ پہنچی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انہیں توبہ کرنے کی توفیق میسر آئی ہو مثلاً مولوی احمد سعید مشہور و معروف دیوبندی عالم جو جمعیۃ العلماء ہند کے جنرل سیکریٹری بھی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف، ترجمہ اردو، قلمی، ص ۱۹

رہ چکے آخر وقت میں مولوی ایاز صاحب سے کہا میری نماز جنازہ مفتی مظہر اللہ صاحب سے پڑھوانا پھر کہا۔ "لوگ ہنگامہ کھڑا کر دیں گے اچھا مولوی یوسف سے پڑھوا دینا (تبلیغی جماعت کے سربراہ) پھر کہا مولوی یوسف دہلی سے باہر گئے ہوں تو تم مفتی مظہر اللہ سے ہی پڑھوا دینا دل کی آرزو تو یہ تھی کہ حضرت علیہ الرحمہ نماز پڑھائیں لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے حکیم محمد حسن صاحب نے سنایا۔ مسعود ملت حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے بتایا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک مخلص مرید کے سامنے مولوی احمد سعید نے فرمایا۔ "سچی بات یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ہر دیوبندی کو بریلوی ہونا ہی پڑتا ہے۔"

فتح پوری میں فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے قائم کردہ جامعہ پر دیوبندیوں نے قبضہ کرلیا اس مدرسہ کی طرف سے دیوبندی مفتی مولانا ولایت احمد مقرر تھے۔ اصل میں تو مخالفت کے لیے رکھا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ حضرت شیخ الاسلام کے تبحر علمی اور روحانی فضیلت کے قائل ہو گئے اور اکثر فتاویٰ کے سلسلے میں خدمتِ شریفہ میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی صحبت مبارکہ کا فیض تھا کہ صحیح العقیدہ ہو گئے بلکہ اہلِ دیوبند کے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ جب بستر مرگ پر تھے تو مولانا مفتی ولایت احمد نے ان کو عقائد باطلہ سے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی، مفتی کفایت اللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ مفتی کفایت اللہ نے وصیت کی میری نماز جنازہ حضرت شاہ محمد مظہر اللہ سے پڑھوائی جائے یہ وصیت ان کے عزیزوں نے کسی سبب سے پوری نہ کی اور ایک وصیت فرمائی کہ مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ[1] کی درگاہ کے زائرین جہاں جوتیاں اُتارتے ہیں وہاں دفن کیا جائے، سارے قبرستان کو چھوڑ کر گھر سے تقریباً ۱۲ میل "مہرولی شہر" میں میّت کو لے جایا گیا اور حسبِ ہدایت زائرین کی جوتیاں اُتارنے کی جگہ دفنایا گیا جب کہ ان کو درگاہ شریف کے اچھے حصے میں بھی جگہ مل جاتی یہ وہی تو تھے جن کا وجود اور ان کا دار العلوم دیوبندیت کی پناہ گاہ تھے۔

۱۔ جو کہ خلیفہ برحق حضور سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رضی اللہ عنہ کے تھے۔ مظہری

اور مولوی حسین احمد عمر کے آخری حصے میں حج کرنے گئے تو پانی کے جہاز میں تقریر کی اور معتقدین کو ہدایت کی کہ پہلے مدینہ منورہ جائیں روضہ رسول پر حاضری دیں اپنے گناہوں کی معافی چاہیں حضور اکرم ﷺ کی شفاعت طلب کریں یہ آیت کریمہ تلاوت کی ولوانھم اذظلموا الآیہ۔

ان حضرات عالیہ کے دل صاف تھے، کسی کی دشمنی کی وجہ سے اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے بلکہ محض اللہ کے لیے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جب اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی علی کو دکھائی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو اس میں کفر نظر نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک مثال دی پھر بھی انہوں نے نہ مانا۔ اعلیٰ حضرت خاموش ہو گئے اور دوستی و محبت کو برقرار رکھا۔ اس وقعہ سے ان حضرات کی شخصیت کا پتا چلتا ہے۔ قطعاً بدگمان نہ ہوئے حالانکہ گستاخانہ عبارت میں کھلی گستاخی ہے۔ وہ علماء اہل سنت کی قدر کرتے تھے اور حتی الوسع بدگمانیوں سے دور رہتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی دلی آرزو یہ تھی کہ ہر شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ وہ توبہ کے امکان کو مسترد نہیں فرماتے تھے اس لیے اُن گستاخان رسول کے لیے جن کی توبہ یا عدم توبہ کا یقینی علم نہ ہو سکوت کو بہتر خیال فرماتے تھے لیکن ان کی تکفیر کو منع نہیں فرماتے تھے اور ان گستاخانہ عبارات کا جو دل سے قائل ہوتا اس کو کافر قرار دیتے۔ (فتاویٰ مظہری، کراچی)

اِنَّهُ مِنْ سُلَیْمَانَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سربراہان مملکت کو خط ارسال فرمائے تھے یوں مراسلت بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کو خط بھیجا جس کا ذکر قرآن میں ہے جلیل القدر علماء کرام اور مشائخ عظام نے بھی یہ سنت انبیاء ادا کی ہر ملک اور ہر معاشرہ میں مراسلت نے رواج پایا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی اس کو اختیار کیا اور بحسن وخوبی نبھایا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مریدین، محبین، معتقدین ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خطوط کے ذریعے ان سے رابطہ تھا۔ ہر طرف سے خطوط آتے رہے جواب جاتے رہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کو اتنی فرصت تو کہاں تھی کہ آنے والے خطوط محفوظ رکھتے یا جانے والے جوابات کی نقول کا اہتمام فرماتے یا پتوں کا ریکارڈ رکھتے۔ آخر کیوں لاکھوں خطوط سنبھال کر رکھتے؟ دنیا کو دکھانا نہ تھا۔ کسی سے فائدہ اٹھانا نہ تھا۔ تعداد کو جتانا نہ تھا نہ فخر کرنا تھا۔ ان کے ہر عمل میں اخلاص تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی لئے بندوں کی فلاح ہمیشہ پیش نظر رہتی تھی۔ اس کسوٹی پر ان کا ہر عمل پورا اترتا تھا۔ حقیقت میں حضرت علیہ الرحمہ کی پوری سیرت اخلاق اور للّٰہیت سے جگمگا رہی ہے۔

مکاتیب شریفہ ایک عظیم خزانہ تھا۔ اگر تلاش نہ کیا جاتا تو بڑا خسارہ ہوتا۔ محترم المقام مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مدظلہ کی ہمت مردانہ اور سعی مجاہدانہ کو سلام پیش ہے جنہوں نے ان تھک جدوجہد کی حتیٰ کہ بقول خود گھر گھر جا کر بھی خطوط حاصل کئے یوں دو ہزار خطوط جمع ہو گئے۔ قابل ستائش ہیں وہ مکتوب الیہم جنہوں نے بڑی محبت سے اس نعمت کو سینے سے لگائے رکھا اور اللہ کے بندوں کی بھلائی کے خیال سے اصل یا فوٹو عنایت فرما دیے۔ حضرت مؤلف ممدوح نے ان مکتوبات کو محققانہ تدبر سے منتخب

فرمایا اور کمال مہارت سے ترتیب دے کر پہلی جلد مکاتیب مظہری کے نام سے شائع فرمادی تھی پہلی جلد بازار میں ناپید ہو چکی تھی اس لئے دوسری جلد کے ساتھ یعنی جلد اول جلد دوئم ایک ساتھ شائع کر دی گئی آپ نے مکتوب نگاری پر سیر حاصل مقدمہ اور تجلیات مظہری کے عنوان سے مکاتیب شریفہ کی روشنی میں شخصیت کے محاسن پر بصیرت افروز مقالات شامل فرما کر اس مجموعہ کو چار چاند لگا دیئے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریفہ کی تعداد بہت نمایاں امتیاز ہے۔ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ۶۰ سال خطوط کے جوابات تحریر کرتے رہے (لاکھوں فتاویٰ اور دوسری ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے) پاکستان بننے کے بعد یقیناً خطوط کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس دور کے چند خطوط میں حضرت علیہ الرحمہ نے اتفاقاً تحریر فرمادیا کہ دس بارہ خطوط یومیہ تحریر فرماتے ہیں یہ عرصہ ۱۹ سال پر محیط ہے حساب لگالو تو تقریباً ۷۰ ہزار خطوط ہو گئے بقیہ ۱۴ سال کے یومیہ ۲-۳ خطوط بھی شامل کئے جائیں تو ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے ہیں۔ انخطوط کو پڑھنا اور ان کا جواب لکھنا دوہرا کام یعنی دولاکھ خطوط کا کام ہو جاتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ تو مختصر جواب تحریر فرماتے لیکن آنے والے خطوط عموماً کئی کئی صفحات کے ہوتے برادر طریقت جناب غلام قادر خاں صاحب نے لکھا کہ میں عشاء کی نماز کے بعد حضرت قبلہ کو خط لکھنے بیٹھا تو فجر کی اذان تک لکھتا رہا مگر مرشد کریم نے کبھی نہ ٹوکا۔ سب ہی کو کھلی چھٹی تھی ہر شخص دل کی ہر بات لکھتا اور دل کھول کر لکھتا کون چوکتا ہے؟

تجلیات مظہری کے عنوان سے ۸۱ صفحات پر بسیط و پر مغز مقالہ میں بعض محاسن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مکتوبات شریفہ سے اقتباسات اور دیگر مکتوب نگاروں کے طرز سے موازنہ بھی شامل ہے۔ یہاں ان محاسن کی فہرست مع مختصر وضاحت پیش ہے اس سے حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کی بعض ممتاز پہلو ذہن میں رکھنے میں سہولت ہو گی

اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ ۝

(بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا) نمل : ۲۹

مکاتیبِ مظہری

جلد اوّل و دوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

اور مکاتیب شریفہ کے بارے میں ایک اندازہ بھی ہو جائے گا۔ (اصل مقالہ مکاتیب مظہری جلد اول میں قابل مطالعہ ہے)

فرض شناسی:۔ کسی کا خط ہو جواب ضرور جائے گا۔ علالت یا عدیم الفرصتی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ خطوط خود ملاحظہ فرماتے تھے۔ جوابات بہ نفس نفیس تحریر فرماتے تھے کہ کسی کو کسی کا راز معلوم نہ ہو جائے۔ اسی اعتماد پر لکھنے والا دل کی ہر بات لکھ دیتا تھا۔

حسن خط:۔ حضرت کی تحریر ایسی جیسے موتی ٹانک دئے ہوں۔ فن خطاطی کے ماہر تھے خوش نویسی میں طبیعت کی نفاست کا ظہور ہوتا ہے۔

القاب میں تنوع:۔ ہر مکتوب الیہ کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق القابات تجویز فرماتے تھے۔ دل میں اس کی عزت اور اس کے لئے شفقت کا ایسا اظہار ہوتا کہ پڑھنے والا مسرور و نازاں ہو جاتا۔ ہر ایک کے لئے نرالا لقب ہوتا۔

سادگی وسلاست:۔ انداز بیان میں سادگی وسلاست کبھی موزوں اشعار کبھی کبھی لطیف ظرافت سے بعض مکاتیب اردو ادب کے شہ پارے کہے جا سکتے ہیں۔

ایجاز واختصار:۔ کم سے کم الفاظ میں مکتوب الیہ کی تشفی کر دینا یہ کمال ان ہی کو آتا تھا۔ عموماً آپ کے جوابات ۴-۵ سطروں کے ہوتے تھے۔

دل افروزی:۔ دلداری حضرت علیہ الرحمہ کا خاص شیوہ تھا۔ تحریر میں بھی ایسی شفقت جو ہر زخم کے لئے مرہم ثابت ہو۔ خط کا جواب سکون کا پیغام ہوتا۔

یکرنگی:۔ حضرت علیہ الرحمہ کے قول وفعل میں دوئی نہ تھی۔ کسی کو غلط روش پر پایا تو صاف الفاظ میں سمجھا دیا لگی لپٹی پسند نہ تھی۔

اتباع شریعت:۔ خود شریعت مطہرہ پر سختی سے عامل تھے مکتوبات میں بھی ایسا موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا جس میں شریعت مطہرہ پر عمل کی ترغیب نہ دی ہو۔

تسلیم ورضا:۔ حضرت علیہ الرحمہ خود مقام رضا پر فائز تھے اس مقام کی لذت سے آشنا تھے چاہتے تھے کہ وابستگان سب ہی لذت آشنا ہو جائیں۔ اس لئے بار بار اس پر متوجہ کرتے خصوصاً مریدین کی اس امر کے لئے بڑی کوشش سے تربیت فرماتے تھے۔

صبر وتحمل:۔ حضرت علیہ الرحمہ کے دو جوان صاحبزادے عالم و فاضل صالح و ہونہار اور ایک نیک سیرت صاحبزادی انتقال کر گئے۔ خود صبر فرمایا عزیز و اقرباء کو بھی صبر کی تلقین کی۔ جب کسی کا غم سنا اسے صبر وتحمل کی تلقین فرمائی جو بڑی اثر انگیز ثابت ہوئی۔

فکر عقبیٰ:۔ حضرت علیہ الرحمہ کو اگر کوئی فکر تھی تو وہ عاقبت کی تھی۔ سب سے حسن عاقبت کی دعا کے خواستگار رہتے اس ڈھنگ سے بھی دعوت فکر دیتے۔ ذکر الٰہی، مراقبہ اور حضوری قبر و حشر کے معاملات پر غور کرنا وغیرہ بھی مکتوبات کا موضوع ہے۔

تحریک عمل:۔ حقوق العباد پورے کرنے میں معیشت کو بڑا دخل ہے اس لئے روزگار کے لئے مناسب جدوجہد کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

پند و موعظت:۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب میں یہ نظریہ ظاہر فرمایا کہ نصیحت بتقاضائے محبت کی جاتی ہے جو نصیحتیں آپ نے مکتوب الیہم کو فرمائیں وہ دوسروں کے لئے بھی یکساں مفید ہیں اسی لئے مکتوبات شائع کئے گئے۔

معاملات کی درستگی:۔ اکثر لوگوں کی پریشانیوں کے اسباب ان کے لوگوں سے معاملات کی خرابی میں پوشیدہ ہوتے ہیں امانت داری۔ ایفائے وعدہ کسی کی حق تلفی کرنا وغیرہ جب کوئی اپنی پریشانی کا ذکر کرتا تو اس کی اصلاح فرما دیتے۔

اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک:۔ (اکثر عبادات کو ہی نیکی سمجھا جاتا ہے) اہل خانہ کے ساتھ اچھا سلوک فرائض میں شمار ہوتا ہے۔ اہل وعیال خصوصاً بیوی کی بے قدری کبھی کبھی زیادتی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور بعض لوگ اس کو اہمیت نہیں دیتے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا اس کے سبب بعض اوقات تو روزی میں تنگی بھی ہو جاتی ہے۔

صلہ رحمی :- عزیز واقارب میں کبھی ایسے اختلافات رونما ہو جاتے ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے جب کبھی ایسا معاملہ پیش آتا ہے تو حضرت علیہ الرحمہ صلہ رحمی کی ہدایت فرماتے بلکہ پیر بھائیوں سے بھی حسن سلوک کی تاکید فرماتے۔

مریدین و تلامذہ پر مہربانی :- کسی مرید شاگرد یا خادم کی تکلیف سن کر بے چین ہو جاتے ان میں سے کسی کے انتقال کی خبر پر آنسو نکل آتے۔ کوئی مالی مشکلات میں مبتلا ہو جائے تو خود بھی اعانت فرماتے اور احباب کو بھی اعانت کی تاکید فرماتے۔

عفو و درگزر :- جب کسی نے اپنی کوتاہی پر معافی طلب کی حضرت علیہ الرحمہ نے فی الفور معاف فرمادیا۔ کوئی اس خیال سے رنجیدہ ہوا کہ حضرت علیہ الرحمہ اس سے ناراض ہیں تو اس کے رنجیدہ ہونے پر خود معافی مانگ لی۔

ہمدردی و غم خواری :- مخلصین کے کسی بھی نقصان یا ان کے عزیز واقارب کے انتقال پر جو تعزیت نامے حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ دوسروں کے غم میں برابر کے شریک تھے۔

اوراد و وظائف :- جب لوگ اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے تو حضرت علیہ الرحمہ ان کے لئے مفید اور مجرب اوراد و وظائف بھی تجویز فرماتے اس فن میں بھی حضرت علیہ الرحمہ کو بڑی مہارت تھی۔ غیر شرعی امور کے لئے حضرت منع فرمادیتے تھے۔

فقہی مسائل :- چونکہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے دور کے عظیم فقیہ تھے پاک و ہند کے مفتی اعظم مانے جاتے تھے اس لئے بعض اوقات لوگ نجی خطوط میں کوئی دینی مسئلہ بھی دریافت کر لیتے تھے خط کی دوسری باتوں کے ساتھ دینی مسائل کا جواب بھی تحریر فرمادیتے۔

شان ادبیت :- بعض مکاتیب گرامی پورے کے پورے بہترین ادبی تخلیق ہیں ان کا طرز عام مکتوبات سے جدا ہے۔ عموماً تہنیت کے مواقع پر تحریر فرمائے تھے۔

مزاح و ظرافت :- مسکرانا بھی انسانی فطرت ہے۔ لطیف مزاح بھی سنت ہے۔ بعض مکاتیب میں ظرافت جھلکتی ہے بہت لطیف اور پوشیدہ پوشیدہ۔ کبھی کبھی خط لکھنے والے کے بعض جملوں سے مزاح پیدا فرمادیتے غور کرنے سے لطف آتا ہے۔

خطوط منظوم :۔عید کی تہنیت کے جواب میں ایک دو اشعار بھی تحریر کر دیتے تھے کبھی طبیعت پر کیف ہوتی تو پورا خط نظم میں تحریر فرما دیتے جو ۶-۷ اشعار کا ہوتا یہ حضرت علیہ الرحمہ کے اپنے اشعار ہوتے تھے۔

معرفت وسلوک :۔اکثر خطوط کے ذریعے مریدین کی روحانی تربیت فرمائی گئی ہے ذکر قلبی توجہ الی اللہ مراقبہ اور حضوری کی تعلیم کے علاوہ تصوف کے مسائل بھی سمجھائے اور خیال کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے فرائض کی پابندی کی تاکیدیں بھی ہیں۔

خطوط کا جواب دینا اخلاقی ذمہ داری ہے۔حضرت علیہ الرحمہ کو پورا پورا احساس تھا کہ خط لکھنے والا کس قدر بے چینی سے جواب کا منتظر ہوگا۔ چنانچہ قاری محمد ادریس صاحب کی شکایت پر حضرت علیہ الرحمہ نے وثوق سے فرمایا ''میرے پاس ایسا کوئی خط نہیں آتا جس کا پتہ موجود ہو اور دوسرے ہی روز جواب نہ دیا گیا ہو تمہارے خط کا جواب نہ دینا مجھ سے بعید ہے۔(مرسلہ ۱۴ اپریل ۱۹۶۳ء)

بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر شک ہو جائے تو دوبارہ جواب لکھا گیا۔ حضرت مولانا مظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا۔تمہارا خط موصول ہونے کے بعد مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں تمہیں جواب دے چکا ہوں۔لیکن چونکہ وہ ان خطوط میں ملا ہوا رہ گیا جن کا جواب نہیں دیا گیا اس لئے احتیاطاً پھر دوبارہ جواب تحریر ہے۔

مکاتیب مظہری کا مطالعہ کراماتی اثرات رکھتا ہے خوف پریشانی یا بے چینی کے عالم میں اکثر سکون کا باعث ہوتا ہے اس میں بعض جسمانی بیماریوں کے لئے دوائیں بھی ہیں معاشی و معاشرتی الجھنوں کے لئے دعائیں بھی ہیں۔ شریعت کے مسائل بھی طریقت کے فضائل بھی۔صبر وشکر تسلیم ورضا کی تعلیم بھی اور قرب حق کی راہیں بھی بتادی ہیں۔ کہیں تصوف کے نکات کی وضاحت کردی ہے تو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راغب کیا ہے غرض ہم جو کچھ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اکثر یہاں مل جاتا ہے۔ ذکر صحبت کا قائم مقام ہوتا ہے ان خطوط میں یہ کرامات بھی ہیں تصور کے کرشمہ بھی نظر آتے ہیں۔

تصانیف

۱۔ ارکان دین مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۱۲ء

۲۔ مظہر الاخلاق مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء

۳۔ مظہر العقائد مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء

۴۔ کشف الحجاب مسألۃ البناء والقباب مطبوعہ جنید پریس، دہلی۔

(تالیف ۱۰ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ ۱۹۲۵ء)

۵۔ تحقیق الحق مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی ۱۳۴۶ھ۔ ۱۹۲۷ء (کراچی ۲۰۰۰ء)

۶۔ رسالہ در علم توقیت مؤلفہ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء (قلمی)

۷۔ موجودہ مصائب کا واحد علاج مطبوعہ جنید برقی پریس دہلی۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء

۸۔ خزینۃ الخیرات مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء

۹۔ انتفاء المحال فی رویۃ الھلال، مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی

(مصنفہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ۔ ۱۹۵۰ء)

۱۰۔ فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جنید پریس، دہلی، ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۹ء

۱۱۔ قصد السبیل، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء

۱۲۔ شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مطبوعہ امپریل پریس دہلی۔ (کراچی ۱۹۹۹ء) مواعظ مظہری

اس کے علاوہ آپ کے قابل فخر صاحبزادے حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے آپ پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مظہر الاخلاق، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

۲۔ ارکان دین مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

۳۔ مکاتیب مظہری جلد اوّل مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، جلد اوّل و دوم، کراچی ۱۹۹۹ء

۴۔ مظہری مطبوعہ ۲ کراچی ۱۹۶۹ء

۵۔ تذکرۂ مظہر مسعود مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

۶۔ فتاویٰ مظہری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

۷۔ حیاتِ مظہری مطبوعہ کراچی[4] ۱۹۷ء

۸۔ مظہر العقائد مطبوعہ کراچی[6] ۱۹۷ء (کراچی ۱۹۹۶ء)

۹۔ شجرۂ طیبہ مطبوعہ کراچی[3] ۱۹۸۴ء



حضرت علیہ الرحمہ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمہ قرآن کا اردو ترجمہ کیا تھا جو دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کو ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور شائع کر رہا ہے۔ مظہری

۱۔ رسائل نمبر ۱ تا ۳ ایک جلد میں بعنوان ضیاء الاسلام، ادارہ مسعودیہ، کراچی نے ۱۹۹۹ء میں شائع کر دیے ہیں۔ مظہری

۲۔ ادارہ مظہر اسلام، لاہور نے یہ مواعظ الگ الگ کتابی صورت میں شائع کیے ہیں۔ مظہری

تفریظ بدر العلماء، فخر الاتقیا، ناصر الملۃ مقتدانا الاکرم، آیۃ من آیات اللہ حضرت مولوی مفتی محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی

(دہلوی امام مسجد فتح پوری نبیرہ)

العلماء قدوۃ الفضلاء اکمل الکملاء وحید العصر، فرید الدہر غواص بحر معانی، نقشبند ثانی، حضرت مولوی مفتی رحیم بخش صاحب

الملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی مجددامامی دہلوی رحمتہ

اللہ علیہ رحمتہ واسعۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقام لنصرۃ دینہ من اختارہ فوفقہ البیان ما علیہ السواد الاعظم من اہل السنۃ والجماعہ والصلوۃ علی محمد کونین وصاحب الشفاعہ الذی وقانا من الکفر والضلالہ وعلی آلہ واصحابہ الذین ہم نجوم الہدیٰ الی یوم القیامہ اما بعد میں نے اس رسالہ مصنفہ شمس فلک الولایۃ بدر سماء الہدایۃ کا سرروس الضالین المضلیں مولانا الحاج محمد رکن الدین نقشبندی الوری لازالت فیضانہ علی المسلمین والمترشدین کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ ہر مسئلہ موافق اہل سنت پایا اور جس قدر فکر کیا خوبی ہائے گوناگوں سے مملو نظر آیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آج تک اس کا نظیر دیکھنے میں نہیں آیا۔ اہل علم اس نظر سے کہ یہ علم کلام کا ایک اردو اور وہ بھی ہے۔ رسالہ ہے شاید نگاہِ وقعت سے نہ دیکھیں۔ لیکن اگر اس زمانہ کے حال کو جس میں تحصیل علوم سے نہیں بالکل قاصر ہوگئی ہیں حتیٰ کہ خال خال ایسے

شخص نظر آئیں گے جن کو عقائد اہل حق سے واقفیت ہوگی) ملاحظہ کرتے ہوئے اس کی جانب نظر فرمائیں گے تو ممکن نہیں کہ اس کی خوبی بے نہایت کے معترف نہ ہو جاویں اور مصنف کے حق میں جملہ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء نہ نکل جاوے۔ یہ کتاب بلا شبہ نہایت مفید اور قابل قدر ہے اور مذاہب باطلہ کا بھی جو بذریعہ رسائل عوم میں مشتہر ہو چکے تھے اور جن سے ایک مخلوق معرض خطر میں پڑ گئی تھی خوب انسداد کیا ہے اور حتی الامکان اہل سنت کو باہم مختلف فیہ مسائل کو بھی سلجھایا ہے گویا کہ ایسی۔۔۔ میں یہ کتاب قول فیصل ہے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس رسالہ کو مقبول فرمادے اور مسلمانوں کو اس سے نفع عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ احقر عباد اللہ محمد مظہر اللہ غفر لہ



۱۔ توضیح العقائد مؤلفہ شاہ رکن الدین الوری مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی (تالیف ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) ص ۱۷۴۔۱۷۵

پیش لفظ

از قلم الحاج حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی
شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین اما بعد اہل علم پر یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ قدوۃ العلماء الراسخین زبدۃ الاولیاء الواصلین علامہ محقق و مدقق حضرت مولٰینا محمد رکن الدین شاہ صاحب نقشبندی مجددی مسعودی الوری قدس سرہ کا رسالہ رکن دین اس پایہ کا رسالہ ہے جو اپنی ذات میں مستغنی عن التوصیف کی شان رکھتا ہے مولیٰ تعالیٰ نے کچھ ایسی قبولیت اسے عطا فرمائی کہ چند ہی سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا اور نہ صرف عوام نے اس کو اپنا حرز جان بنایا بلکہ بعض علما نے اپنا مستدل ٹھیرایا اور اپنے فتاویٰ میں اس سے استدلال کیا لیکن بعض لوگوں نے طباعت میں کچھ ایسی بے احتیاطی سے کام لیا کہ بعض مسائل بالکل مسخ ہو گئے تھے اس لیے ایک زمانہ ہوا کہ فقیر نے باشارہ مولٰینا ممدوح قدس سرہ اس کی تصحیح کی تھی لیکن اب اس میں بھی کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا اور اس زمانہ میں جو شائع ہو رہے ہیں ان کا بھی تقریباً وہی پہلا سا حال ہو چکا ہے اس لیے عزیز پر تمیز میاں محمد مسلم احمد سلمہم اللہ نے انہی بازاری رسالوں میں سے ایک رسالہ کو ایک خالص انداز میں مجھے پیش کر کے مشورہ دیا کہ پھر دوبارہ اس کی تصحیح کر دی جائے لہٰذا ان کی خاطر پھر دوبارہ تصحیح کر دی گئی ہے۔ غرض

اس میں جو تصرفات ہو چکے اس سے تو مجھے کچھ علاقہ نہیں البتہ مسائل کی تصحیح کر دی گئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مسائل اس میں صحیح پائیں گے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

امام مسجد فتح پوری دہلی



وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں، وہ لو جس سے منع فرمائیں، باز رہو (حشر: ۷)



شیخ الاسلام، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارۂ مسعودیہ

۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی سندھ، اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی امور پر لاجواب کتاب

مظہر العقائد

مؤلف

مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

شاہی امام مسجد جامع فتحپوری۔ دہلی

مع اضافات جدیدہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی مظہری

ایم۔ اے گولڈ میڈلسٹ، پی ایچ ڈی

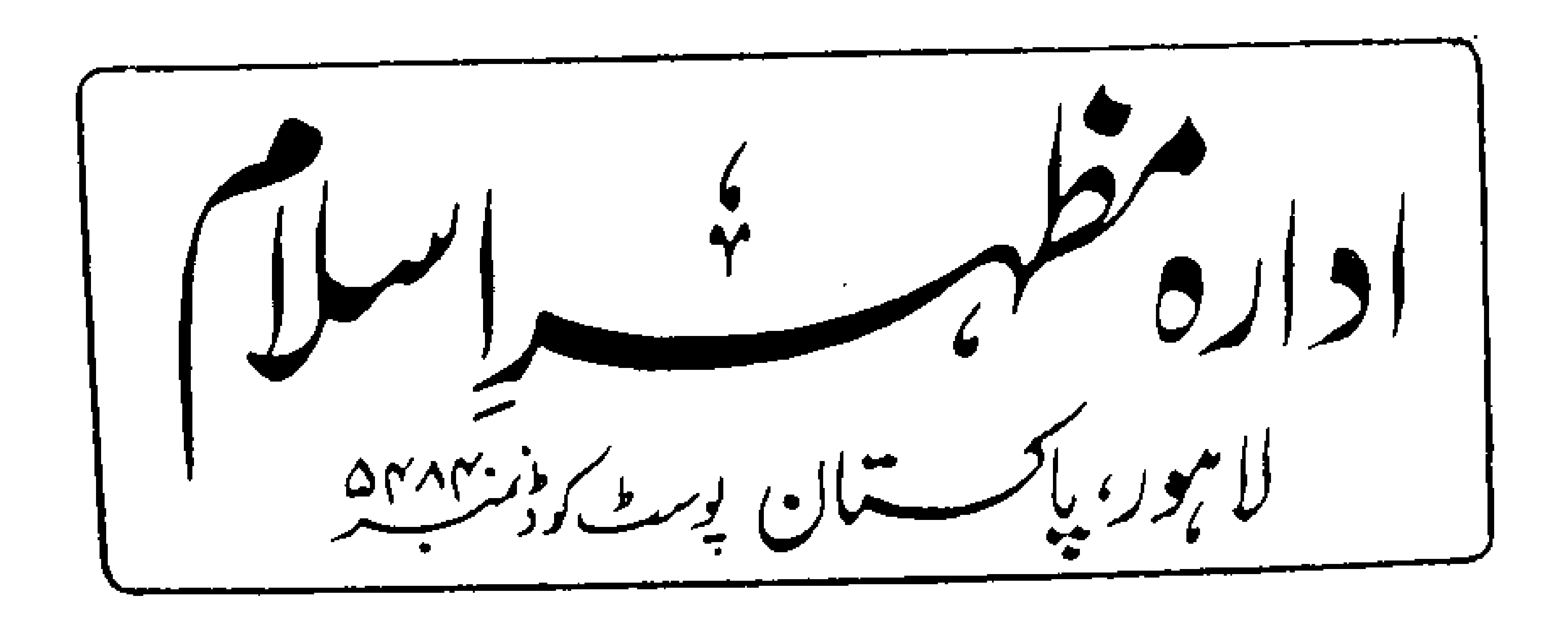
ناشر

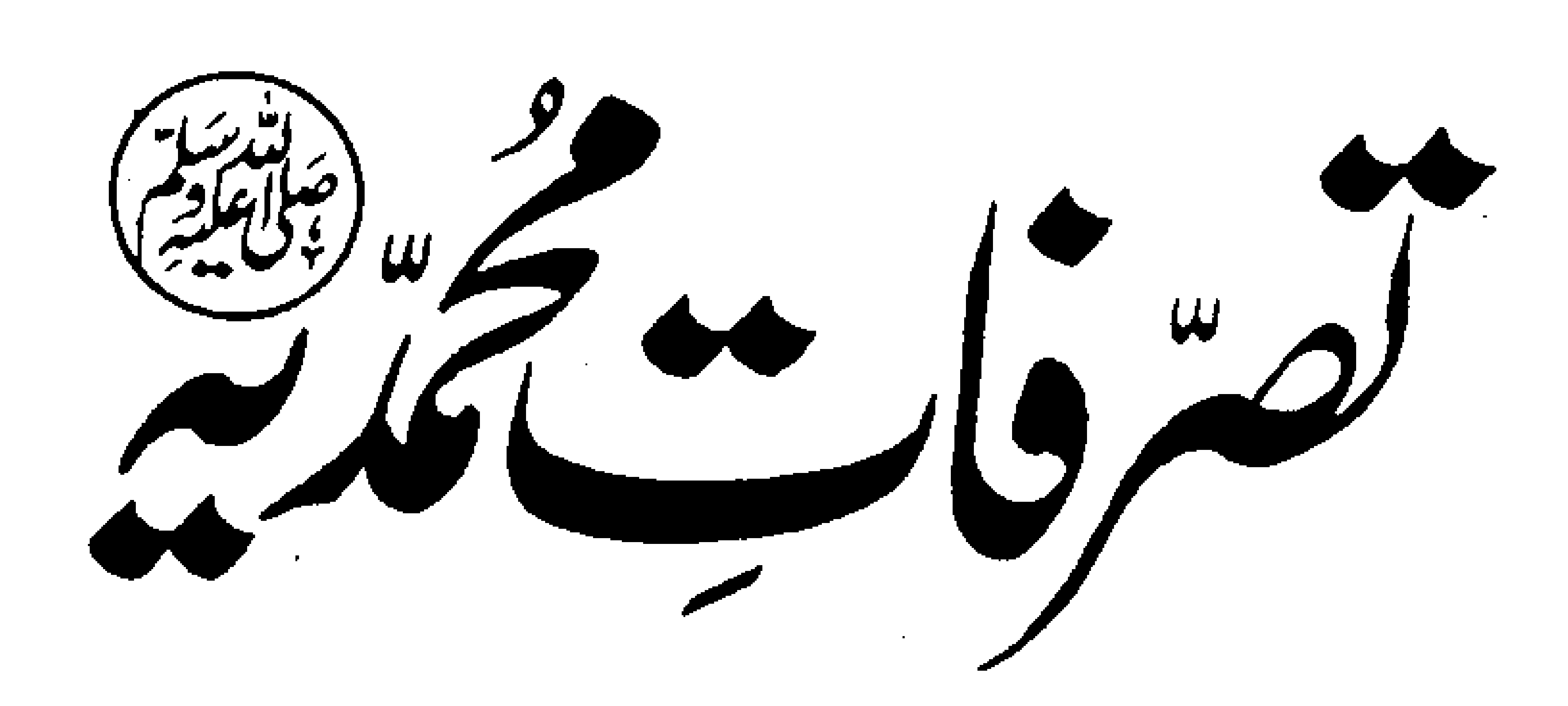
ادارۂ مسعودیہ
۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد۔ کراچی، (سندھ)
اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء



حضرت مفتیِ اعظم ہند

علامہ شاہ محمد مظہر اللہ علیہ رحمۃ اللہ





از

حضرت مفتیٔ اعظم ہند

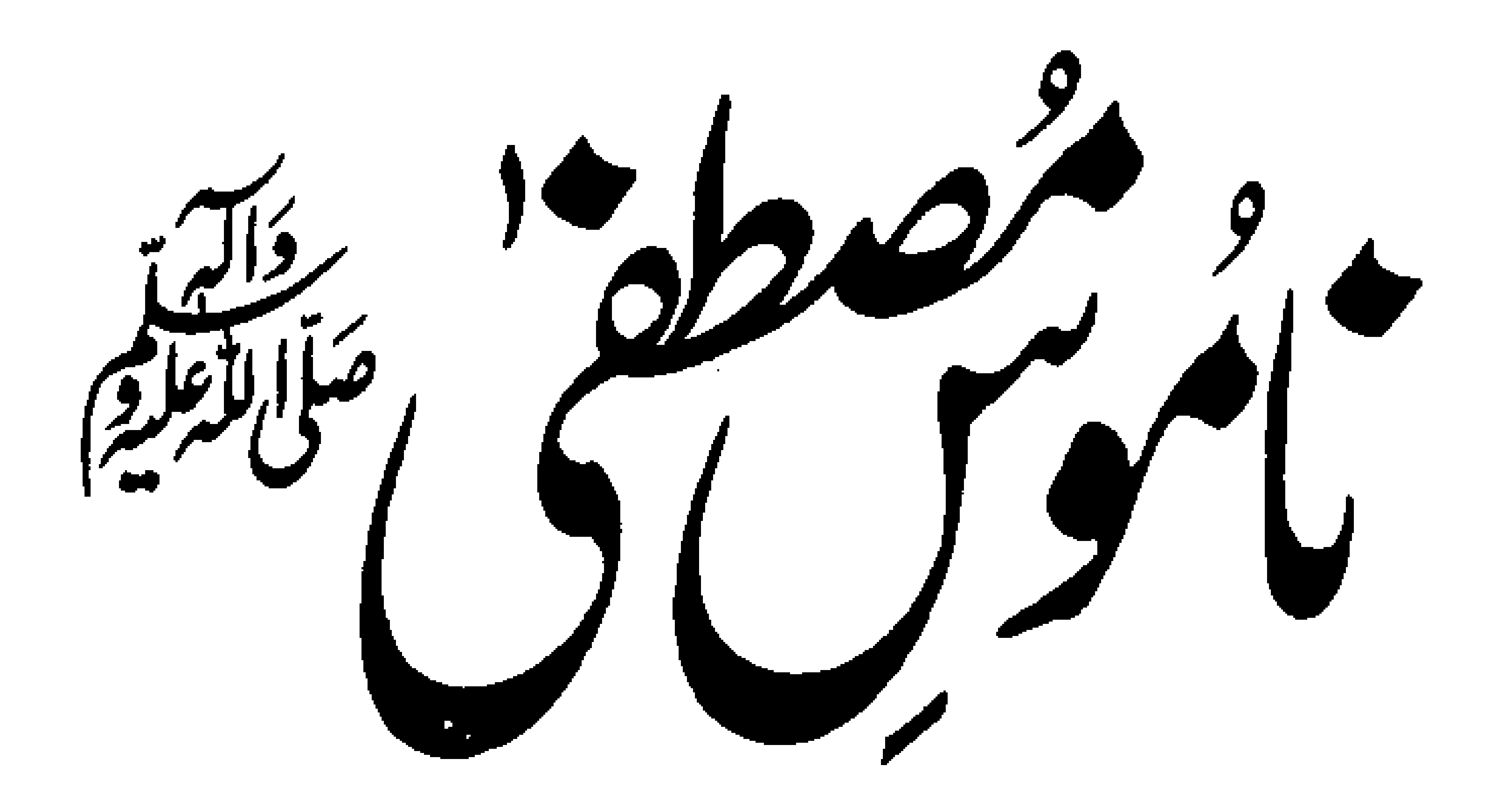
علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ناشر:۔

ادارہ مظہرِ اسلام ○ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

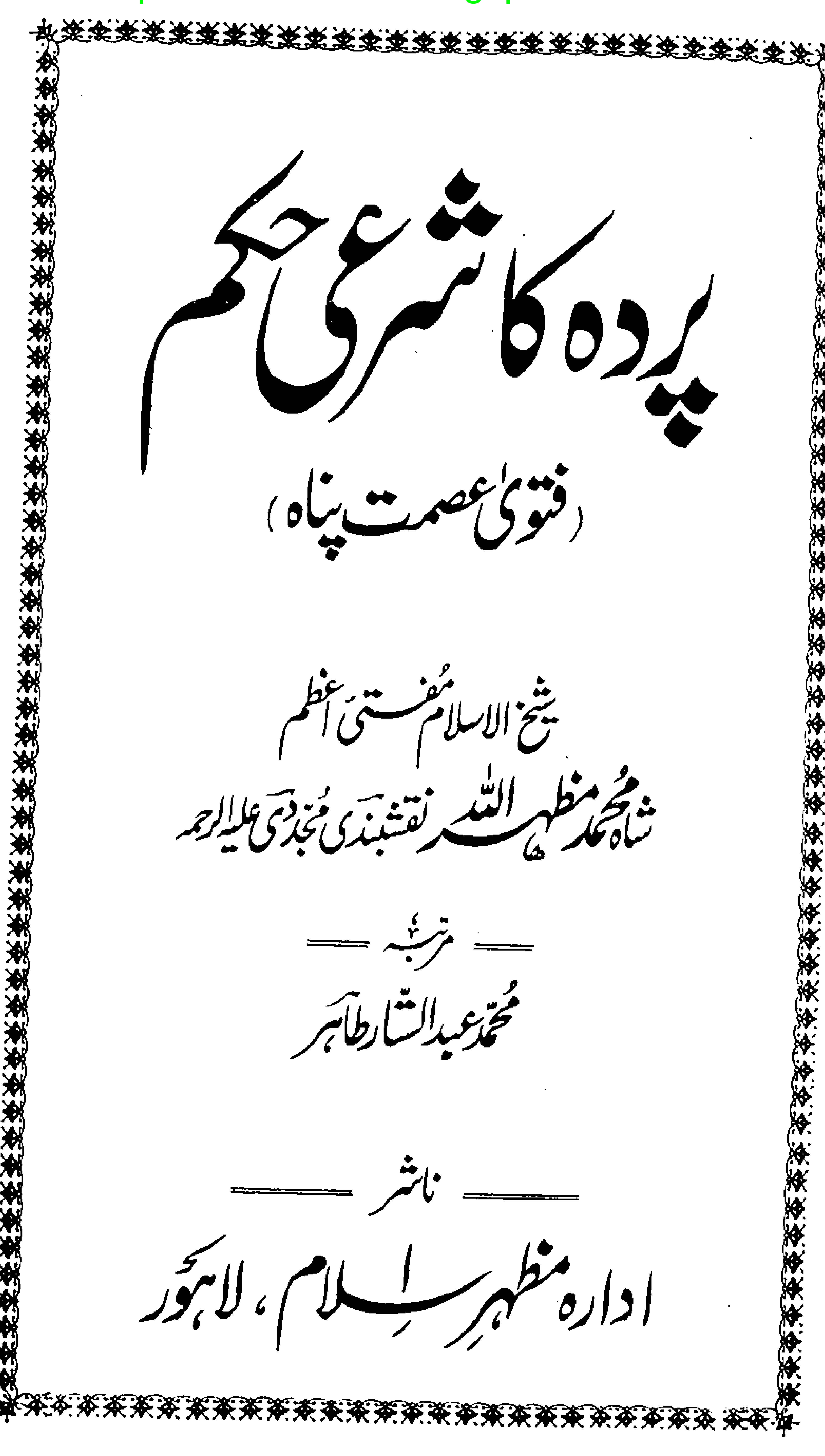


حضرت مفتی اعظم ہند

علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ مظہرِ اسلام

لاہور، پاکستان پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۸۴۰



پردہ کا شرعی حکم

(فتویٰ عصمت پناہ)

شیخ الاسلام مفتیٔ اعظم

شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ

مرتبہ

محمد عبد الستار طاہر

ناشر

ادارہ مظہرِ اسلام، لاہور



دسواں باب



ملجا و ماویٰ

درشان والا صفات، قطب الاقطاب، بحر اسرار الٰہیہ، دلیل عرفا و محققین، ختم علماء راسخین، شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب، نقشبندی، مجددی، چشتی القادری دہلوی، دامت برکاتہم العالی۔

محمد مظہر اللہ میرے ماویٰ میرے ملجا ہیں — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

میرے ہاتھوں میں دامن ہے محمد مظہر اللہ کا — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

حضور قلب سے کہہ کر سکون قلب پاتا ہوں — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

الٰہی وقتِ آخر ہو مرے ورد زباں و جاں — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

فرشتے قبر میں کہہ کر اٹھائیں مظہری مجھ کو — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

کہوں گا حشر میں بھی فخر سے پیش خدا ہو کر — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

خدا شاہد ہے مجھ کو ناز ہے یوں اپنی قسمت پر — محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

رہے ہر دم یہی لب پر محمد احمد مضطر

محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

کمترین بندگان دربار مظہری محمد احمد قریشی دہلوی، لاہور، ۱۹۶۱ء

معرفت

تخلیق کائنات کا اہم راز معرفت ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ''مجھے اچھا لگا کہ میں جانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمادیا'' جب معرفت حق تعالیٰ نصیب ہوتی ہے تو ہر سو حسن ازلی کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں۔ عشق حق جل مجدہ راہبر و راہنما ہو جاتا ہے۔ محبوب کے قدموں میں سر رکھنے کے لئے جبین نیاز میں سجدے تڑپنے لگتے ہیں۔ جذبہ فنا پروان چڑھتا ہے۔ محبوب پرسے نظر نہیں ہٹتی غفلت کے پردے اٹھتے جاتے ہیں۔ اشیاء کی حقیقت بھی کھلتی جاتی ہے۔ خوشی کے پیچھے غم نظر آ جائے تو خوشی کیسی؟ غم کے پردے میں خوشیاں چھپی ہوں تو غم بھی خوشی خوشی گوارہ ہو جاتا ہے۔

شادی سے گزر جو غم نہ ہووے
اُردی جو نہیں تو دے نہیں ہے

غالبؔ

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر جاں کنی کا عالم تھا۔ اہلیہ فریاد کر رہی تھیں۔ ''ہائے غم! بلالؓ ہم کو چھوڑ کر جا رہے ہیں'' ادھر حضرت بلالؓ خوشی کا نعرہ لگا رہے تھے ''واہ طربا'' ''کیسا خوشی کا موقعہ ہے صبح ہماری ملاقات محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ہونے والی ہے'' جان کنی کی تکلیف راحت جان کا سامان ہو گئی۔

عارف حق شناس ہوتا ہے۔ غم دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔۔ بڑے سے بڑا حادثہ اس کو مضطرب نہیں کرتا حضرت علیہ الرحمہ کے جوان العمر صاحبزادے مولانا منور احمد کو قبر میں اتارنے سے پہلے آخری دیدار کرایا جا رہا تھا سب ہی اشکبار تھے حضرت علیہ الرحمہ خاموش میّت کے سرہانے کھڑے تھے اور زیر لب کہہ رہے تھے۔ مولیٰ! اس حسین

کوحسین تر بنا کر میرا امتحان مقصود ہے؟ میں شکر گزار ہوں کہ تیری امانت کو بہتر حالت میں پیش کررہا ہوں۔

حج کے موقعہ پر مدینہ منورہ سے واپسی کے دوران کار الٹ گئی کنپٹی پر زخم آیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے سب کی مرہم پٹی کرائی تسلی دی جب کسی نے کہا آپ بھی مرہم لگالیں تو فرمایا اس تکلیف کی لذت نہ پوچھو یہ دیارِ حبیب کا زخم بھی مجھے محبوب ہے۔

عارف کامل مرشد برحق اپنے مریدین کو یہی نسخہ بتاتا ہے کہ وہ خوشدلی سے غم سہہ لیں آخرت میں انعام کے مستحق بن جائیں اور دنیا میں غم کی اذیت سے بچ جائیں۔ آخر خوشی بھیجنے والے نے ہی تو غم بھیجا ہے پھر شکوہ کیسا؟

مکتوبات شریفہ میں کئی تعزیت نامے ملتے ہیں۔ ان میں مرحومین کے لئے دعاء مغفرت لواحقین کے لئے صبر کی تلقین اور دعاء کے ساتھ عارفانہ انداز میں کچھ راز بھی سمجھائے اور فکر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا تاکہ غم نہ ہو اور رضا الٰہی پر راضی ہو جائے۔

مکاتیبِ شریفہ میں بکھرے ہوئے موتیوں میں سے چند:

فرمایا:۔ ''اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دیا ہے اور جو اس نے لیا ہے سب اسی کا ہے اور ہم بھی اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔''

فرمایا:۔ ''اور ہمیں جانے والے باعث عبرت ہوں کہ (ہم) اس بے ثبات عمر کی طرف سے غافل نہ ہوں اور آخرت کے لئے کچھ سامان ذخیرہ کرلیں میرے عزیز دنیا میں ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہاں کے لئے سامان مہیا کرلیں۔ جس نے سامان مہیا کرلیا وہ ہمیشہ کی نعمتوں میں رہے گا اور جس نے بجائے اس کے نقصان کی چیزیں سمیٹیں وہ ہمیشہ تکلیف میں رہے گا۔ تو ہمیں ہر نفس کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے تاکہ آئندہ افسوس نہ اٹھانا پڑے۔''

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً

دنیا میں جینا ہے تو دنیاوی مسائل سامنے آتے رہیں گے ان میں ایسے بھی ہوں گے جو دین کے معاملات پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ مرشد کامل ان مسائل کے حل میں بھی مدد دیتا ہے۔ تاکہ عبادت و ریاضت اور توجہ الی اللہ کی راہ میں رکاوٹیں دور ہوتی جائیں اور طالب اپنے مولیٰ کو پانے میں کامیاب ہو جائے چند جھلکیاں پیش ہیں۔

آپ نے فرمایا: ۔ اسی طرح خانگی معاملات میں بھی مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اس راہ میں بڑی گھاٹیاں آئیں گی اگر آپ نے اس میں ہمت توڑ دی تو آئندہ کس طرح ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔

فرمایا: ۔ تمہیں اپنے مولیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح رکھنا چاہیئے مخلوق خود بخود تمہارے ساتھ بہتر ہو جائے گی اپنی حالت پر نظر کرو اور جو کمی نظر آئے اس کو دور کرو۔

''جلیس صالح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے برادرانِ طریقت کے ساتھ صحبت رکھیں اور انھیں دینی فائدہ پہنچائیں دوستوں کی محبت اس شے کا وسیلہ ہوتی ہے۔''

''میرا تم کو کچھ لکھنا جب ہی بار آور ہوگا جب اس پر تم عمل کرو اور غور کر کے دیکھو کہ یہ جو کہتا ہے صحیح کہتا ہے یا کسی طرح کی عداوت ہے۔ عزیز من معاملات میں صحیح رہو گے تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ اس کے خلاف گو یہاں فائدہ نظر آئے لیکن حقیقت میں اس میں سراسر نقصان ہے۔''

''پیسے کی کمی کے باعث اہلیہ ناخوش ہوتی ہوں گی ان کو صبر کی فہمائش کرو اللہ کے خوف سے ڈراؤ کہ اللہ رسول ایسے پر غضب فرماتے ہیں جو خاوند سے زبان چلاتی ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا گھر والی کے پریشان کرنے پر صبر کریں۔''

''غصہ کو پیتے رہو اور محض اپنے مولیٰ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو مخلوق پر بھروسہ بیکار ہے۔''

''قرض اگر وصول نہ ہو تو اس کی فکر کی بھی ضرورت نہیں کہ یوم حساب تمہیں اس کے بدلے اس قدر ملے گا کہ تم افسوس کرو گے کہ تمام مال میرا اس طرح جاتا رہتا اور کوئی نہ دیتا۔ جس نے تم پر جادو وغیرہ کیا ہے اس کو بھی خدا کے سپرد کرنا چاہیئے اس کے لئے ان لوگوں کے لئے بددعاء بھی نہ کرو۔ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے تقرب سے سرفراز فرمائے میری ملاقات اس کے مقابلہ میں کیا شے ہے۔''

''جس امر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہ ہو اس میں والدین کی اطاعت ضروری ہے بھائی کو سلام کہہ دیں اور ان کے ساتھ شفقت میں کمی نہ کریں۔''

''دنیا کے معاملات چند روزہ ہیں آخر کام مولیٰ تعالیٰ سے پڑنا ہے اس کے لئے سامان کریں۔''

''تمہاری یہ سوچ اور یہ خیال بہت صحیح ہے کی عاقبت کی فکر اور اس کے لئے سرمایہ کا سوچ مدنظر ہونا چاہیئے''

''عمر کا حصہ بہت گزر چکا نہ معلوم کس وقت داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ جائے اس لئے ہم پر لازم ہے کہ اس کی یاد سے غافل نہ رہیں اور علی الاعلام اس کو اپنے اوپر محیط جانیں۔''

''یہ تم نے صحیح کہا اگر قلبی مواصلت حاصل ہے تو جسمی مفارقت مضر نہیں۔''

''میرے عزیز! ہمارے رزق کا تو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے وہ ضرور ہمیں عطا فرمائے گا۔ لیکن عبادت ہماری ذمہ رکھی ہے۔ ہماری بڑی نادانی ہے کہ جس کا اس نے ذمہ لے رکھا ہے اس میں تو ہم کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جو ہمارے ذمہ رکھا ہے اس میں ہم سے ایسی کوشش نہیں ہوتی اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ آخرت کے لئے

کچھ ذخیرہ کرلیں دنیا تو قید خانہ ہے۔ اس میں آخرت کے لیے سامان رکھا ہے تو غافل وہ ہے جو اس کا سامان رکھے۔" اسی قسم کے نصیحت دوسرے انداز میں فرمائی۔

"میرے عزیز جس کوشش میں تم لگے ہوئے ہو اگر چہ یہ بھی ضروری ہے۔ (مولیٰ تعالیٰ مسبّب الاسباب ہے) لیکن اس قدر ضروری نہیں کہ رزق کا وہ خود متکفل ہے ہم سے عبادت کا مطالبہ ہے جس کا وہ متکفل نہیں تو ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ جس کا وہ متکفل ہو اس میں ہمہ تن منہمک ہوں اور جس کا مطالبہ ہے اس کی چنداں فکر نہ کریں۔"

"تجارت کے ایام ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ کبھی چلتی ہے۔ کبھی مندہ ہاں آخرت کی تجارت ہمیشہ چلتی ہے۔ انسان کی اس طرف توجہ ہونا لازمی ہے۔ یہی تجارت دنیاوی تجارت میں بھی ترقی کا باعث ہوتی ہے پس اس میں کوشش کریں اور فرصت کے وقت علم کی تحصیل میں گزاردیں۔"

"ایک شی کی ضد اس کی ضد کی یاد بھلادیتی ہے۔ دنیا نام ہی اس تعالیٰ سے غفلت کا ہے۔ اُس تعالیٰ کو حاضر ناظر اپنے خیال میں رکھیں اس کے انعامات پر غور کرتے رہیں یہی وظیفہ دنیا سے بے تعلقی کا ہے مال و دولت کی تحصیل دنیا نہیں ہاں اس سے دل لگانا دنیا ہے۔"

"حالات دنیاوی سے پریشان ہونا بھی ہمت سے بعید ہے۔ شکر کرو کہ مولیٰ تعالیٰ نے تمہیں زندگی عطا فرمائی اس لئے اس کی عبادت کرو۔ باقی جس حال میں رکھے صبر کرو بہر حال فکر کو دور کرو کہ یہ تکالیف فکر سے زیادہ ہوتی ہیں۔"

"ہمارا قرب و بعد کیا حیثیت رکھتا ہے اس اقرب المقربین کے قرب کی حفاظت پر نظر رکھیں کہ وہی کام آنے والی چیز ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوستوں کی محبت اس شے کا وسیلہ ہوتی ہے جو بحمداللہ تمہیں حاصل ہے اس محبوب حقیقی کی طرف کوشش کریں کہ ہر آن توجہ تام رہے۔ اس کی نعمتوں پر جب نظر پڑے تو وہ نظر منعم پر پڑے۔"

''ہمیں نہیں معلوم ہماری بہتری کس میں ہے وہ علام الغیوب خوب جانتا ہے پس اس ہی کے سپرد کر دینا چاہیئے بندہ مجبور ہے قلب اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے اس سے جو رجوع ہوتا ہے اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔''



عشق

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات

عشق کبریا جل علیٰ اور حب مصطفیٰ صلی علیٰ یہی ان کی بندگی تھی یہی ان کی زندگی تھی

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا ثبوت زندگی
میرے سارے جسم وجاں میں کارفرما آپ ہیں

امام العارفین مصباح العاشقین حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کا سب سے تابناک پہلو عشق حق جل مجدہ تھا۔ شب و روز محبوب ازلی کا مشاہدہ کرنا اور کبھی سیر نہ ہونا۔ اس کے خیال میں اپنا خیال۔ اس کی رضا میں اپنی رضا۔۔ اس کے تصور میں اپنی ہستی کو گم کر دینا بس یہی ان کی زندگی کی تفسیر ہے۔ یہی ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ یہی ان کے خیالوں کی تصویر ہے۔

عشق اول عشق آخر عشق کل
عشق شاخ و عشق نخل و عشق گل

وہ خلوتوں میں ہوں یا جلوتوں۔ بم کے دھماکوں میں یا تلوار کی چھاؤں میں۔ محراب ومنبر کی زینت ہوں یا اپنے مالک کے حضور سجدہ ریز۔۔۔۔ معیت الٰہی کے خیال سے کوئی لمحہ فارغ نہ رہتا تھا۔

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار

لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

عشق و محبت کی بھی تاریخ ہوتی ہے کبھی کوئی واقعہ یا حادثہ رونما ہوا۔ کسی مردِ کامل کی نگاہ پڑ گئی۔ ہوا کا رخ بدل گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ نمایاں نظر نہیں آتا۔ نہ بچپن میں جب معصومیت کی بہار ہوتی ہے اور محبوبیت اس پر نثار ہوتی ---- نہ جوانی میں جب موسم عشق کے لئے سازگار ہوتا ہے۔ پیرانہ سالی میں تو لوگ عموماً اس راہ کے راہبر و راہنما بن چکے ہوتے ہیں۔

البتہ بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اٹھنا اور پے در پے غم کے چرکے لگنا بتا رہا تھا کہ یہ ازلی انتخاب ہے کہ غم سہنا سکھا دیا ہے۔ عاشق مزاج بنا دیا ہے۔ ''وربک یخلق مایشاء و یختار'' اور آپ کا رب جس کو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے (اور اپنی مخلوق میں سے) جس کو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے۔

جسے چاہا اپنا بنالیا جسے چاہا در پہ بلالیا

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

عروۃ الوثقی حضرت شاہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز فرزند ارجمند حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اس ذات بے چوں و چگوں کے عشق کو نعائم الٰہیہ میں شمار فرماتے ہیں اپنے مکتوبات میں ارشاد فرمایا ''عشق اور گرفتاری دل عطیہ ربانی ہے۔''[1]

بہر حال نگاہ مرد کامل کے امکان کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے حضرت علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شاہ محمد سعید علیہ الرحمہ جو اکثر عالم جذب میں رہتے تھے کبھی جوش عشق لم یزلی کی کیفیت میں ہوں اور بھرپور نگاہ جان پدر پڑ گئی ہو اور ننھے سے دل میں عشق حضرت حق جل مجدہ کی دبی ہوئی چنگاری سلگ گئی ہو۔

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی، ص ۱۴۱، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۰ء

توجہ دانی قوت اہل نظر
نیم وا چوں شد الشق القمر
چشم شیخ کاملے تیروسناں
جاں ستاند تا بہ بخشد نور جاں

اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ کے دادا حضرت یعنی فقیہ الہند شاہ محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر نوازی ہو آپ نے اپنے منصب جلیلہ پر فائز کرنے کے لئے اپنے صاحب استعداد پوتے کو نامزد کرنا تھا۔ خانقاہ مسعودیہ کے لئے رونق مسند ارشاد بنا کر اللہ کے بندوں کے لئے رہبر کامل مصلح ہادی و مرشد کی ذمہ داریاں سونپنی تھیں اس لئے عشق کی تخم ریزی فرمائی اور جیتے جی آبیاری کرتے رہے اور بعد وصال خبر گیری فرماتے رہے۔

جب سن بلوغ کو پہنچے تو جسمانی رجولیت کے ساتھ روحانی مردانگی بھی عطا ہو جاتی ہے عشق کی وہ چنگاری جو بچپن سے سلگ رہی تھی ایک شیخ عظیم کی توجہ سے بھڑک اٹھی اور شعلہ عشق بن گئی۔

عشق آن شعلہ است کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

حضرت علیہ الرحمہ کو یہ بھی امتیاز حاصل ہوا کہ وہ طالب نہیں مطلوب بن کر شیخ بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے مرشد کریم نے بیعت فرما کر جو قلب پر توجہ ڈالی تو سارے پردے اٹھ گئے انوار و تجلیات کا بے محابا مشاہدہ ہونے لگا۔ وفور نور سے یہ نو عمر راہ رو فنا بے ہوش ہو گئے۔ داستان موسیٰ اور طور کی یاد تازہ ہو گئی۔

جوں جوں کاروان حیات آگے بڑھتا رہا آزمائش کی بھٹی میں نکھارنے اور کندن بنانے کا عمل جاری رہا آتش دوزخ بے گانوں کو جلاتی ہے اور آتش عشق یگانوں کو جلاتی

ہے مگر آتش عشق میں سوختہ ہوکرتو عاشق کامل بنتا ہے- کامل ایمان ملتا ہے کامل انسان بنتا ہے ہر نقص سے پاک ہو جاتا ہے- ہر مرض کا علاج ہو جاتا ہے گویا عشق طبیب کامل ہے-

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے افلاطون و جالینوس ما

برے بھلے کی تمیز، کھرے کھوٹے کی پہچان، حق و ناحق کا امتیاز عشق اور بوالہوسی کا فرق یہ سب امتحان اور آزمائش کے بعد پتہ چلتا ہے- عشق کی ریت تو یہی ہے بڑے سے بڑے دوست کی آزمائش ہو جاتی ہے- حضرت ابراہیم خلیل اللہ (اللہ کے دوست تھے) کتنی ہیبت ناک آزمائش کا سامنا کرنا پڑا- نار نمرود کی تپش کوسوں دور تک محسوس ہو رہی تھی- امتحان کے بعد وہ ابراہیم عشق یعنی آبروئے عشق بن گئے-

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں ابراہیم عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یونس مچھلی کے پیٹ میں- یوسف علیہ السلام، زلیخا کی قید میں ادریس علیہ السلام کی گردن پر آرا چل رہا تھا، ایوب علیہ السلام کے جسم سے جو کیڑا گر جاتا اسے اٹھا کر اپنے زخموں میں جگہ دیتے اور فرماتے تمہارا رزق تو یہاں ہے تم کہاں چلے یہ سب اسی ذات پاک کے عاشق تھے جب امتحان میں کامیاب ہوئے تو اس کے محبوب ہو گئے-

جس نے سب سے زیادہ سختیاں برداشت کیں وہی سب سے زیادہ با ہمت ہوا- وہی سب سے زیادہ بامراد ہوا اور محبوب خاص بھی ہوا- محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پورے عالم کے سامنے کھلی کتاب ہے قاسم رزق اللہ ہیں اور پیٹ پر پتھر بندھے ہیں- رحمت العالمین خون میں نہا رہے ہیں- آزمائش کے وہ ایام جو شعب ابی

طالب میں گزارے تصور سے روح لرز جاتی ہے تب ہی تو ان کا دم بھرنے والے دنیا کی حرماں نصیبیوں اور محرومیوں سے نہیں گھبراتے انہیں عشق میں محرومی نظر ہی نہیں آتی -

عشق می ورزم و امید کہ ایں فن شریف

چوں ہنرہائے دگر موجب حرمان نشود

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پوری زندگی امتحانوں سے عبارت ہے- مثلاً وہ منظر کیا ہوگا؟ جب ایک ۱۸ سالہ خوبرو، صالح- جوانی کی تازگی، کردار کی پاکیزگی- تربیت کے ظہور اور عبادت کے نور سے منور مولانا منور احمد نور اللہ مرقدہ کو قبر میں اتارا جارہا تھا

اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف

کیا بگڑتا تیرا جو نہ مرتا کوئی دن اور

جنت کا مہمان اپنی منزل سے قریب خوش اور بہت حسین لگ رہا تھا- لخت جگر نور نظر کے آخری دیدار کرتے ہوئے ایک باپ کی زبان سے دھیمی دھیمی آواز میں یہ الفاظ نکل رہے تھے- ''اے مولا حسین کو حسین تر بنا کر کیا میرا امتحان منظور ہے؟ مگر یہ بندہ شکر گزار ہے کہ تیری امانت بہتر حالت میں تیرے سپرد کردی''

اور یوں بھی ہوا--- دوسرے جواں عمر صاحبزادے مولانا منظور احمد حیدر آباد میں وصال فرماجاتے ہیں- مرحوم کے بھائی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ کو دہلی سے حضرت قبلہ نے جو خط تحریر فرمایا اس کا ایک ایک لفظ حضرت کی عظمت کا گواہ ہے-

''جانتا ہوں اس سانحہ سے تم کو جس قدر تکلیف پہنچی ہے دوسرے کو نہیں پہنچی مگر ہمیں تو دیکھو ہم کتنے زخم کھائے ہوئے ہیں- پھر ہمیں تو سوائے شکر کے کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی-'' کس قدر موثر انداز میں ایک تیماردار بھائی کے زخموں پر مرہم رکھا اور تربیت بھی کی-

اللہ کی پناہ جوان بیٹوں کو دولہا بنانے ان کے ماتھے پر سہرا سجانے کے بجائے کفن پہنانے اور سپرد خاک کرنے کا تصور کلیجہ پھٹ جاتا ہے یہ داغ مٹائے نہیں مٹتا حضرت علیہ الرحمہ ہولناک آزمائشوں سے گزرے مگر عشق کی ریت یہی ہے۔

یہ سینہ میں تا زندگانی رہے گا
ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

عشق کی راہیں یوں ہی طے نہیں ہو جاتیں۔ جان نظر کرنا اتنا مشکل نہیں اولاد کا جانا اور شکر کا حق ادا کرنا بڑے حوصلہ کی بات ہے۔ اسی کی تو آزمائش ہوتی ہے حضرت اسمٰعیل کی قربانی مطلوب نہ تھی دوست کا امتحان تھا اولاد کی بات تھی بڑا کٹھن مسئلہ تھا عاشق امتحان سے گھبراتا نہیں اسے تو محبوب کی طرف سے اعتبار کی سند چاہئے۔

ہر جور ہر ستم گوارہ ہے
بس اتنا کہہ دو کہ تو ہمارا ہے

پھر عاشق جوں جوں مقام قرب میں پہنچتا ہے اس کی شیفتگی بڑھتی جاتی ہے اور ھل من مزید کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبھی اپنے عشق کا اظہار برملا نہ کیا بلکہ ہمیشہ چھپائے رکھا لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ چنانچہ شجرہ عالیہ کی منظوم دعاء کیفیت عشق کی عکاسی کر رہی ہے آپ ہی کے یہ اشعار سب کچھ بتادیں گے کہ کس بلا کی تڑپ ہے۔

ذوق فنا

یاد میں اپنی الٰہی ایسا استغراق دے — ذات واحد کے سوا جو مجھ سے سب کچھ گم کرے
جام وحدت کا پلا کر کردے بے خود مجھ کو یوں — غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست ہوں

شوق معرفت

اپنا ذوق و شوق درد و سوز یارب کر عطا　　اپنے ذکر و فکر انس و معرفت کا دے مزا

مجھ کو خلوت انجمن میں اور وطن میں دے سفر　　دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر

قرب کی تمنا

جس مقام قرب میں پہنچوں کہوں ھل من مزید　　میری ہر شب ہو شب قدر ہر روز روز عید

راہوں کی تلاش

توبہ و زھد و ورع صبر و قناعت کر عطا　　شکر و تسلیم و رضا و عزلت تو کل اے خدا

زندگی جتنی بڑھے طاعت بڑھے اتنی مدام　　موت جب آئے تو آئے چین اے رب انام

آرزوئے کرم

مورد الطاف میرے سب لطائف کر خدا　　قلب و روح سر وخفی مقام نفس وا

آرزوئیں پوری ہوئیں دعائیں رنگ لائیں نظارہ دوست میں وہ مقام بھی آئے آنے ہی تھے۔ جب کسی کی سدھ نہ رہی --- اپنی بھی نہیں -- اولاد کی بھی نہیں۔ سب غیر ہو گئے۔ یہاں تذکرہ مظہر مسعود سے ایک اقتباس پیش ہے۔

''جب حریم جاناں میں قدم مبارک رکھا تو ماسویٰ اللہ کے سارے نقوش دل سے اس طرح محو ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ اولاد کے نام بھی یاد نہ رہے۔'' سبحان اللہ! سبحان اللہ! محبت ہو تو ایسی ہو۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

راہ عشق میں کئی مقام آتے ہیں ایک دفعہ تو محبّ یہ بھی چاہتا ہے کہ کوئی اس کے محبوب کو نہ دیکھے کوئی دوسرا اس کو نہ چاہے۔ اپنی ذات سے بھی رقابت ہو جاتی ہے۔

درد کہتا ہے کہ حسرت کا بھی پہلو نہ رہے

دل میں محبوب رہے میں نہ رہوں تو نہ رہے

مگر جب فنا کی منازل طے ہو جاتی ہیں تو عاشق صادق کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ جس کو میں چاہتا ہوں سب اسی کو چاہیں۔ اس کے در پر سب کے سر جھک جائیں۔ محبوب حقیقی کے سوا سب غیر نظر آنے لگتے ہیں۔ اپنا صرف وہی ہے جو اس محبوب کی طرف متوجہ رہے۔ ہر مرض کا علاج ہر دکھ کی دوا اسی میں نظر آتی ہے یعنی توجہ الی اللہ اسی طرح فنا فی اللہ کی راہ ہموار ہوتی ہے جو مقصود ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

ایک مرید کو ایک خط میں تحریر فرمایا۔ ''مولیٰ تعالیٰ تمہیں یہ عید مبارک کرے اور تمہیں اپنا مطیع بنا لے۔ میری محبت اسی سے زیادہ ہوتی ہے جو اطاعت خداوندی میں چست ہوتا ہے۔'' مکتوب نمبر ۵۳۵ صفحہ ۳۱۹ جلد اول مکاتیب مظہری)

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے جواں سال صاحبزادے حضرت مولانا منظور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ حیدر آباد میں علیل تھے اور حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ ان کے تیماردار تھے۔ چنانچہ حضرت قبلہ نے صاحبزادہ گرامی کے لئے یہ نسخہ کیمیا تجویز فرمایا۔

''اس میری جان سے بعد سلام کہہ دو کہ ہر وقت مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں کہ ایک یہی دوا تریاق کا حکم رکھتی ہے'' جب پروفیسر صاحب موصوف دہلی سے ملاقات کے بعد واپس تشریف لائے اور خط لکھا تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا'' تمہارے جانے کے

بعد یہاں بھی سب افسردہ دل ہیں- غیر حق سے قلب کی وابستگی کا یہی اثر ہوتا ہے وہ تعالیٰ ہمیں اپنا ہی گرویدہ رکھے-" (مکتوب نمبر ۲۰۳ مکاتیب مظہری جلد اول) ایک مکتوب گرامی میں فرمایا "جہاں تک مولیٰ تعالیٰ سے توجہ ہٹی رہے گی صدمات ستائیں گے۔"

"کسی دوا سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا بڑی دوا وہ ہے جو افکار دور کرے- ایسی دوا کہاں بجز مولیٰ تعالیٰ کس طرف توجہ کے۔" (مکتوب نمبر ۱۳۱ ۷)

حضرت قبلہ نے اپنے تمام مریدین احباب عزیز و اقارب اولاد سب کی تربیت میں جس عمل پر زیادہ توجہ دلائی ہے وہ ہے رضا الٰہی پر راضی رہنا اور مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اتباع سنت رسول کا خاص خیال رکھنا یہ سب عشق کے بدولت نصیب ہوتا ہے بلکہ اگر کسی کے لئے دعا فرماتے تو وہ بھی یہی ہوتی- مثلاً

"قادر مطلق تمہیں کامیاب فرمائے اور اپنی محبت اور یاد میں مشغول رکھے۔" (مکتوب نمبر ۲۵ ۷)

ترے عشق میں جو فنا ہوگئے ہیں
خدا کی قسم با خدا ہوگئے ہیں

ہمہ بادہ ہمہ ساغر ہمہ جام است ایں جا
آں کہ دارد خبر از خویش کدام است ایں جا

حضرت علیہ الرحمہ کے رفقاء کا بیان ہے کہ حضرت نے تمام صاحبزادگان کی طرف سے عمرہ کرانا تھا اس سلسلہ میں حضرت کے معلم عبیدالرحمٰن نے سب کے نام دریافت کئے تو ذہن پر زور دینے کہ باوجود کسی صاحبزادے کا نام نہیں بتا سکے اور اس محویت کو دیکھ کر سب متحیر رہ گئے- فی الحقیقت محبت الٰہی اسی شان کی ہونی چاہئے کہ اپنے بھی بیگانے نظر آنے لگیں بلکہ نظر آنا تو ہوش کی بات ہے سچ تو یہ ہے کہ اس تعالیٰ کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے-

شکر

انسان کی اخلاقی اور روحانی پرواز و ترقی کے لیے صبر اور شکر پرندے کے دو پروں کی طرح لازمی ہیں اور توجہ الی اللہ قلب و روح کے لیے بمنزلہ غذا ہے لہٰذا مختلف ڈھنگ سے تلقین فرماتے رہے۔

''شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے بندوں کی نسبت آسائش عطا فرمائی ہے لئن شکرتم لا زیدنکم جس قدر شکر کرو گے وہ تعالیٰ اپنی نعمت زیادہ فرمائیگا۔''

''مولیٰ کی ہر نعمت کو نہایت درجہ محبت کی نظر سے تصور کر کے شکر ادا کیا کرو جو کچھ مولیٰ تعالیٰ عطا فرمائے اس کا شکر بجالایا کرو ترقی پانے کی یہی ترکیب ہے اس کریم کی شکایت انسان کو ذلیل کر دیتی ہے۔''

''مولیٰ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے رہیں اور ہر حال میں اس کا شکر کرتے رہیں اور اپنی عاقبت کی بہتری مانگتے رہیں اور ان تکالیف پر صبر کرو کہ ہر تکلیف پر مولیٰ تعالیٰ ثواب عطا فرماتا ہے آخرت میں ان تکالیف کا ثواب دیکھیں گے تو افسوس کریں گے کہ ہمارے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے تو آج اس کا بہتر ثواب دیکھتے اور یہ ثواب جب ملے گا جب تکلیف پر صبر کرو گے۔''

''تمہیں جس قدر فقیر سے جدائی کا افسوس ہے، اسی قدر اس بے نیاز کی بارگاہ سے ثواب کا ذخیرہ حاصل کر رہے ہو یہ قریب والوں کو کہاں میسر؟''

کسی نعمت کی عملی طور پر قدر کرنا شکر گذاری ہے چنانچہ فرمایا:

''کاروبار کی حالت معلوم ہوئی مولیٰ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ سلسلہ عطا فرمایا ہے نہایت تن دہی سے اس کی ترقی کی طرف متوجہ رہیں وہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ سرمایہ تو بہت ہی تھوڑا رہ گیا ہے لیکن اس کے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اسی کو بڑھادے کہ وہ ایک دانہ کو سات سو دانے بنانے والا ہے۔''

''یہ بھی مولیٰ تعالیٰ کا غایت درجہ احسان ہے کہ تمہیں دفتری پریشانیوں کے باوجود اپنی یاد میں مشغول رکھا ہے اس حالت میں اعمال خیر کو جو درجات حاصل ہوتے ہیں وہ ہم جیسے فارغ لوگوں کو کہاں میسّر۔ شکر ایزد تعالیٰ ہے اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔''

توجہ الی اللہ:۔ آپ کی دعا اس وقت مقرون اجابت ہے دعا کریں مولیٰ تعالیٰ ہماری آپکی توجہ صرف اپنی ہی طرف رکھے۔

بڑا فکر ہے کہ ان آخری ایام میں جب مخلوق کی جانب ایسی توجہ رہی تو انجام کی کیا کیفیت رہے گی؟

امور دنیاوی کی مصروفیت میں قلب کی طرف متوجہ رہیں۔ اس سے غافل نہ ہوں۔ تا نسبت نقشبندی کی چاشنی آئے۔

اپنے مولیٰ تعالیٰ کارساز حقیقی کی طرف خالص توجہ رکھیں (اپنے مالک و مولیٰ کی طرف متوجہ رہیں)

مبتدی حضرات کو بعض چیزوں کی ظہور یا بعض بزرگوں کی خواب میں زیارت یا کشف کی آرزو ہوتی ہے حضرت علیہ الرحمہ نے ان امور کی آرزو کرنے یا کوشاں ہونے کو منع فرمایا۔ اور توجہ الی اللہ کی رغبت دلائی۔

''تم کسی کو خواب میں دیکھنے کے درپے نہ ہو اپنے رب کریم کی طرف متوجہ رہیں یہی شے نماز میں حضور قلبی عطا کردے گی ایک اور مکتوب میں فرمایا:۔ آپ کے لئے

بہترین عمل یہ ہی ہے کہ اس تعالیٰ کی رضا حاصل کریں جس حال میں رکھا ہے اس پر شکر کریں وہ آپ کو بزرگان دین کی زیارت بھی کرادے گا۔''

اکثر جعلی پیر احکامات شرعیہ کی تعمیل نہیں کرتے خود کو اس سے آزاد بتاتے ہیں حتیٰ کہ نماز بھی نہیں پڑھتے دھوکہ یہ دیتے ہیں کہ وہ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں نماز پڑھتے ہیں کسی مرید نے ایسا عمل دریافت کیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ایسا عمل تو کوئی نہیں کہ انسان اپنے مقام پر بیٹھا ہو پنج وقتہ نماز مکہ یا مدینہ میں پڑھے۔ اہل اللہ کو یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو یہ سلوک میں کوشش کرنے پر موقوف ہے وہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ عطا فرما دیتا ہے۔ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اور مولیٰ تعالیٰ کو اپنے تصور میں رکھیں کہ مخلوق نظروں سے اوجھل ہو جائے اور اپنے ہر فعل کو اس کے مطابق رکھیں اس کی ذات کے سوا ہر شے سے منہ پھیر لیں وہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔

صبر و رضا:

راہ سلوک کا اہم ترین کام ''رضا'' ہے جس کے ثمرات دونوں جہانوں میں بے مثال ہیں یہاں سکون قلب اور وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ''رضی اللہ عنہ و رضوعنہ'' حضرت علیہ الرحمہ اپنے مریدین کو اس مقام رفیع تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے تھے الحمد اللہ اکثر حضرات کامیاب ہو جاتے تھے۔

فرمایا:۔ میرے عزیز رضائے الٰہی پر راضی رہنا بڑی دولت ہے۔ اپنے لئے صرف بہتری کی دعا کی جاتی رہے اس کے بعد جو غیب سے ظاہر ہو اسی میں اپنی فلاح مضمر سمجھیں نہیں معلوم کس میں ہماری بہتری ہے وہ دانا جل علیٰ خوب واقف ہے۔

فرمایا:۔ عزیز اس کی رضا کا حصول بڑی دولت ہے یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کو وہ اپنا کر لیتے ہیں۔

فرمایا:- وہ تعالیٰ تمہیں اپنی مرضیات میں مشغولی کی توفیق عطا فرمائے اور دارین کی خوبیوں سے مالا مال فرمائے بڑی ضرورت اس کریم کی طرف ہر وقت نظر رکھنے کی ہے اور ہر حرکت وسکون میں اس کے غور کی ضرورت ہے کہ محض اس کے لئے ہو- امید ہے اگر اس پر عمل رہا تو مقصد حقیقی میں کامیاب ہو گے اور اس کے صدقہ میں دنیا سے بھی متمتع ہو گے-

فرمایا:- ملاقات کے مسئلہ کو اپنے مولیٰ کو سپرد کریں اور اس کی جیسی مرضی ہو اس میں خوش رہیں یہ بڑی دولت ہے-

فرمایا:-تمہاری فرقت اگرچہ قلب پر شاق ہے لیکن اس تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوں- تمہارے لئے بھی اس میں بہتری مضمر ہے کہ اس کی بارگاہ سے جو پیش آئے سر تسلیم خم ہے- ہاں عافیت کی دعا سے غافل نہ ہوں-

حضرت علیہ الرحمہ نے بارہا وضاحت فرمائی ہے کہ عافیت طلب کرنا خیر کی دعا کرنا رضا الٰہی کے منافی نہیں بلکہ عین اطاعت ہے-

فرمایا:- شافی مطلق والد صاحب کو شفائے کاملہ عاجلہ سے سرفراز فرمائے لیکن ان کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے یہی ان کے لئے موجب رحمت ہے، آپ کے لئے بہتر عمل یہی ہے کہ اس تعالیٰ کی رضا حاصل کریں اور وہ جس حال میں رکھے اس پر شکر کریں-

محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے اپنے مکان کے نقصان کو ہرگز بری نظر سے ملاحظہ نہ کریں ہاں اس کریم سے ہمیشہ عافیت کی التجا کرتے رہیں-

فرمایا: مولیٰ تعالیٰ جس حال میں رکھے اس پر صبر کرنا ہماری سعادت مندی ہے- ان حضرات کے اتباع کے لائق تو ہم کہاں جو نفس کی ہر تکلیف کو روح کے لئے راحت تصور کرتے ہیں اور بجائے شکایت کے اس کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے تعبیر کرتے ہیں- اس پر

خوش ہوکر شکر بجالاتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ یہی نصیب فرمادے کہ اس کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے خیال کر کے بے صبری کا کوئی انداز ہم سے ظاہر نہ ہو ہاں اپنے لئے بہتری کی دعا بہرحال ہم پر لازم ہے۔

فرمایا: اگر مولیٰ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم فقیر سے ملاقات کرو تو اس پر بھی تمہیں راضی رہنا چاہئے۔

فرمایا: تمہارا صبر استقلال نہایت درجہ قابل تحسین ہے اور راضی برضا الٰہی ہونا بلندی درجات کا باعث ہے۔ وہ تعالیٰ تمہیں ثمرات عالیہ سے سرفراز فرمائے فقیر تم سے بہت خوش ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کو تمہارے درجات بڑھانے تھے اس لئے یہ تکالیف پیش آئیں۔

فرمایا: مولیٰ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں اسی سے اطمینان قلب میسر آتا ہے۔

فرمایا: جب تک خالص اس کی جانب توجہ نہ دیں گے اس کے ہر فعل پر راضی نہ ہوں گے اطمینان قلب میسر نہیں آ سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ کا ذکر ہی اطمینان قلب کا باعث ہے۔

فرمایا: رضائے الٰہی پر رضا تمہارے اخلاص نامے سے ظاہر ہوکر نہایت مسرت ہوئی۔ وہ تعالیٰ تمہیں اس پر قائم رکھے اور اپنے خزانے سے تمہیں ظاہر و باطن کی دولتیں نصیب فرمائے۔

اسی مکتوب گرامی میں ایک اور سبق قابل غور ہے ''کیا اچھا ہو کہ اس کریم کی رضا پر نظر رکھتے ہوئے مجھ سے ملاقات کی تمنا بھی تمہارے دل سے نکل جائے اور اس ایک ہی ذات کی ملاقات کا شوق پیدا ہو جائے۔''

احقر[1] کو بیعت ہوئے چند ماہ گزرے تھے ایک روز عرض کیا ''مجھے بھی کوئی ایسا وظیفہ بتادیجئے کہ ولی بن سکوں فرمایا ولی بننے کے لئے وظیفہ پڑھنا جائز نہیں جو پڑھو اللہ تعالیٰ

ا۔ راقم الحروف محمد یونس بازی

کی رضا کے حصول کے لئے پڑھو- ولی دوست ہوتا ہے زبردستی دوستی نہیں ہوتی جس سے دوستی کرنی ہے اس کی مرضی اور پسند کا کام کرتے رہو دوستی ہو جائے گی- دوست کو خوش کئے بغیر دوستی نبھ نہیں سکتی-''

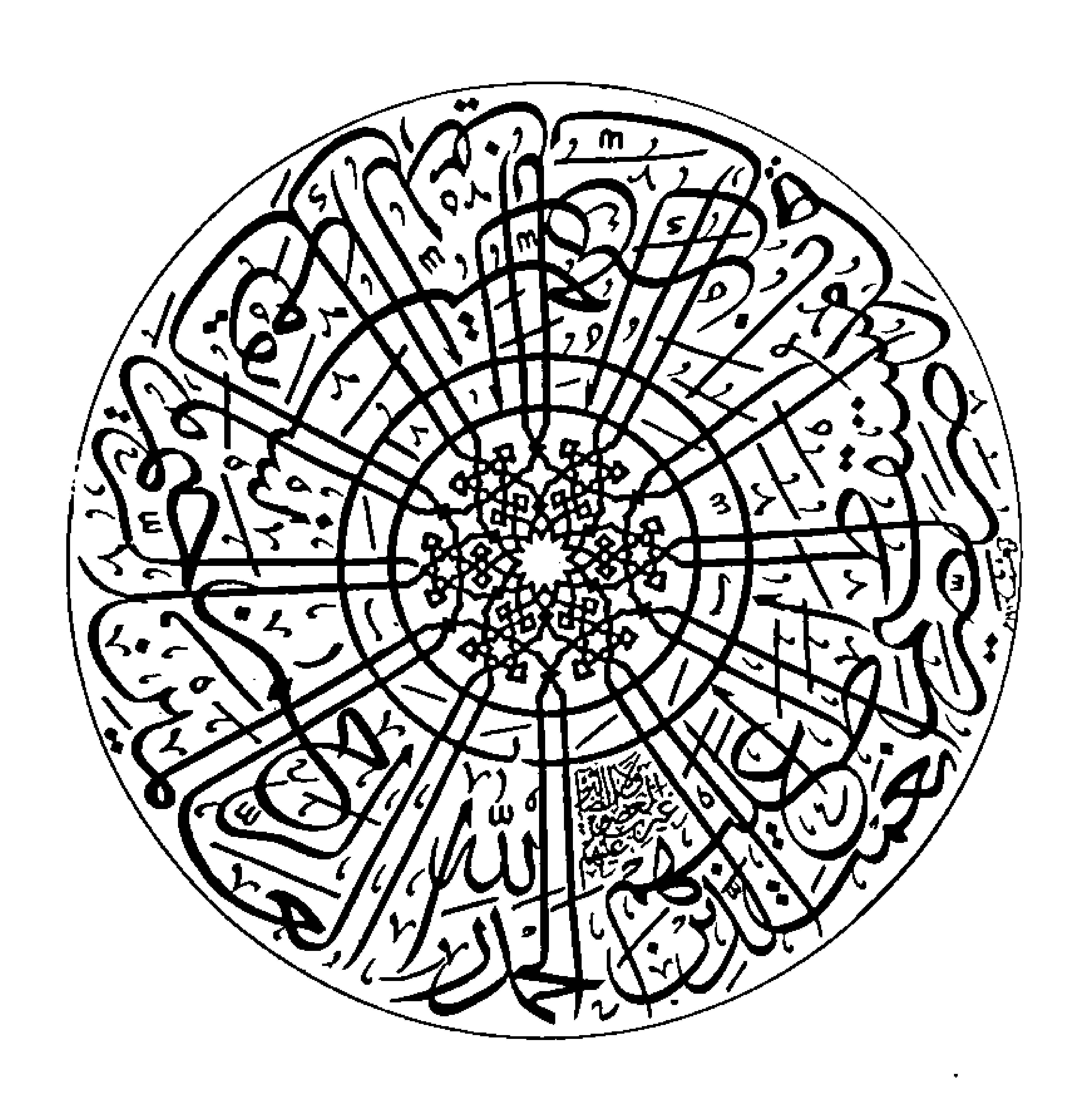
فرمایا: عزیز من حوادثات کو اگر اپنے محبوب حقیقی جل وعلا کی جانب سے ملاحظہ کرو تو ہرگز تمہیں کسی حادثہ پر افسوس نہ ہو- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ تعالیٰ تمہاری تابعداری کرے (معاذ اللہ) اور اپنی مرضی کے خلاف تمہاری مرضی کے موافق کام کرے-

فرمایا: اپنے مولیٰ کے فعل پر یہ قلب اس طرح کیوں برافروختہ ہو رہا ہے- اہل اللہ تو فرماتے ہیں ہمیں جو اس میں لذت آتی ہے وہ اس کریم کے انعام کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے یہ تم نے کیا کہا کہ اب کوئی بات پوچھنے والا نہیں؟ میرے عزیز یہی تو ایک کمی تھی جو پوری کی گئی کہ اغیار کی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف ایک ذات کا سہارا دیکھا جائے پھر کیا اب وہ تمہارے غم سے فارغ ہو گئے اب تو وہ اس کریم کے قرب میں اور بھی زیادہ عنایت فرمائیں گے-

فرمایا: تعجب ہے کہ تم نے حالات اور ارادہ کو اپنے لئے پریشان کن ٹھہرالیا- اس کریم کی طرف یہ حالت تو ہمہ تن متوجہ ہونے کا سبب ہونا چاہئے- فیاض حقیقی تمہیں اپنے قرب خاص سے سرفراز فرمائے--- اغیار کی امداد نہ ہونا ہی تمہارے لئے بہتر ہے-

فرمایا: اس سے امید واثق رکھو گھبراؤ نہیں اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں جو مصائب اس وقت پیش آ رہے ہیں قیامت میں جب اس کی عطایا دیکھو گے تو کہو گے کہ مجھ پر اس سے بھی زیادہ اگر مصائب ہوتے تو میرے لئے زیادہ نفع بخش ہوتے-- یہ چند روز کی مصیبت ہے گھبراؤ نہیں وہ تعالیٰ ان کو مبدل بہ آسائش فرمائے-

فرمایا: جب باوجود تمہاری لغزشات دیکھنے کے میں خاموش ہوجاؤں- سمجھ لینا کہ میں ناراض ہوگیا جو تمہارے لئے باعث نقصان دینی ہوگا- میں پھر مکرر سہ مکرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے کہیں خاک بنو کہیں شیر وشکر تم کسی وہابی کو بھی برا کہو گے تو مجھے برا معلوم ہوگا جب تک وہ تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک کیسے اسے ہدایت کرسکو گے-
تندئ مزاج درویشانہ صفت کے منافی ہے- غصہ پینا سخت دشوار کام ہے اس میں نفس کی اصل وجہ کی مخالفت ہے- اس میں اس کی سرکوبی ہوتی ہے-



ذکر

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اطمینان قلب ہے

دنیا کی تمام جدوجہد کا مقصود و مطلوب اطمینان قلب ہی تو ہے۔ مگر ہمارے قلب پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں ہم مادی وسائل میں سکون قلب تلاش کرتے ہیں اور بے چینی بڑھتی جاتی ہے شفیق مرشد ہمیں وہ پتہ بتا رہا ہے جہاں یہ انمول جنس ملا کرتی ہے۔

کسی سے فرمایا۔ اللہ نور السموت والارض پڑھ کر ذکر قلبی صرف دل سے ہر وقت اللہ اللہ کریں۔

کسی سے فرمایا۔ ذکر الٰہی میں اپنے اوقات مشغول رکھیں کوئی سانس اس سے غافل نہ رہے۔

کسی سے فرمایا۔ یہ دل کی روشنی کے لئے عمدہ ہے۔

کسی سے فرمایا۔ صدق دل سے اللہ اللہ کم از کم ایک ہزار بار پڑھیں

کسی سے فرمایا۔ ذکر قلبی مولیٰ تعالیٰ کے تصور کے ساتھ جاری رکھو کہ اس کے بغیر اس سے دل میں فائدہ نہ ہوگا۔

کسی سے فرمایا۔ ذکر لسانی و ذکر قلبی اصل کام کی مدد کے لئے ہیں زیادہ کوشش اس کام میں کرو کہ اپنے مولیٰ کو ہر وقت سامنے رکھتے ہوئے اس کی جانب میں شکر کرو اور اس کی

مرضیات کے خلاف عمل نہ کرو۔

کسی سے فرمایا۔ کسی وقت زبان قلب سے اللہ اللہ کھینچنا معمول رکھیں اور قلبی کیفیت سے مطلع کرتے رہیں۔

کسی سے فرمایا۔قلبی ذکر زبان سے تعلق رکھتا ہی نہیں اس وجہ سے زبان سے اس کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔

کسی سے فرمایا۔ قلبی حرکت کو فقیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ملاحظہ کریں اور اس کی حرکت کو اللہ اللہ تصور کریں۔

کسی سے فرمایا۔مولیٰ تعالیٰ کا ذکر ہی اطمینان قلب کا باعث ہے۔

کسی سے فرمایا۔ اسی لئے قلبی ذکر پر زور دیا گیا ہے کہ اگر یہ جاری ہو گیا تو ہر وقت ذکر الٰہی ہاتھ آ جائے گا اور امید ہے درجات کی راہ کھل جائے گی۔

ان تمام ارشادات کو یوں مختصر کیا جا سکتا ہے (۱) اللہ نور السموت والارض پڑھ کر ذکر کریں۔ (۲) کم از کم ایک ہزار بار اللہ اللہ کہیں۔ (۳) ذکر تصور کے ساتھ جاری رکھیں۔ (۴) یہ ذکر زبان سے تعلق رکھتا ہی نہیں۔ (۵) قلبی حرکت کو مرشد کی طرف متوجہ پائیں۔ (۶) بہت ذکر کرو کوئی سانس خالی نہ جائے "وَ ذْكُرُ اللهَ ذِكْراً كَثِيْراً"۔ (کثرت سے اللہ کا ذکر کرو)

بوقت ذکر اسم ذات اپنی توجہ دل کی طرف اور دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھے اسے وقوف قلبی کہتے ہیں۔

نوٹ:۔بعض نے فرمایا کہ دوران ذکر اگر یہ بھی کہہ لیا کرے کہ یا اللہ میرا مقصود و مطلوب تو ہی ہے میں تیری رضا، تیری محبت اور تیری معرفت کا آرزومند ہوں۔ اسے بازگشت کہتے ہیں۔

وفی انفسکم افلا تبصرون

(وہ تو تمہارے جانوں میں ہے کیا تم دیکھتے نہیں)

مراقبہ:

لغوی معنی تو انتظار کرنے کے ہیں اصطلاح تصوف میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فیض کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔ سالک مراقبہ کی بدولت ہی تمام روحانی مقامات طے کرتا ہے۔ سالک کے قلب پر جب انوار الٰہیہ نازل ہوتے ہیں تو اس کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ قلب سے لاتعین تک ساری ولایت جو سیر قدمی اور سیر نظری پر مشتمل ہوتی ہے اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے تمام ریاضتوں میں سب سے زیادہ اسی پر زور دیا ہے سب ہی مریدین کو حسب ضرورت یا حسب صلاحیت مراقبہ کی تاکید کی ہے۔

کسی سے فرمایا۔ مراقبہ کی ورزش زیادہ کیا کرو کہ یہ شے فقیر کے لئے زیادہ باعث مسرت ہوگی۔

کسی سے فرمایا۔ اسم ذات کا ذکر قلبی ہمیشہ جاری رکھیں اور فقیر کا خیال کر کے مراقبہ بھی کریں اور قلب کی طرف دھیان رکھیں کہ مولیٰ تعالیٰ کا فیض قلب پر فقیر کے توسط سے آرہا ہے۔ جب تک دل جمے مراقبہ کریں۔

کسی سے فرمایا۔ مراقبات کی ضرورت ہے۔ اس کی طرف زیادہ وقت صرف کریں اور قلب کی طرف ہمیشہ متوجہ رہیں۔

کسی سے فرمایا۔ تصور شیخ کے ساتھ مراقبہ کریں مولیٰ تعالیٰ تمہیں ترقی عطا فرمائے۔

کسی سے فرمایا- مراقبہ میں جو کچھ معلوم ہو اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں کہ نظر صرف مولیٰ تعالیٰ کی طرف رہے کہ منشا اس کے اندر فنا ہونا ہے ہمیشہ اس کی طرف نظر رہنی چاہئے-

کسی سے فرمایا- مراقبہ میں کچھ نظر آنا ضروری نہیں اپنے مولیٰ کی طرف توجہ لگائی جاتی ہے اور اس سے فیض حاصل ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے ہر وقت ذکر قلبی جاری رکھیں کہ مراقبہ میں قوت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر بعض امور دکھائی دینے لگتے ہیں استغفار اور درود شریف کی کثرت دینی و دنیوی امور کے لئے کافی ہے- مراقبہ کا خیال رکھیں کہ اس کے نور نے ہمیں گھیر رکھا ہے اور ہمارا قلب اس سے مستنیر ہو رہا ہے جس قدر ہو سکے اس کے احکام کی پیروی میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابقت ہونی لازم ہے جس کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں لہٰذا تم کو بھی اس میں کوشش لازمی ہے اور ہمیشہ قلبی ذکر کرنے کا معمول رکھنا چاہئے- اس ناکارہ کے لئے بھی اسی کی دعا کرنی چاہئے- جس قدر عمر باقی ہے اس کو غنیمت جانیں پھر ایسی کمائی کا وقت ایک لحہ بھی میسر نہیں آئے گا- سوائے افسوس کے کچھ نقد وقت نہ ہوگا-

کسی سے فرمایا- ماشاء اللہ تمہاری حالت بہت اچھی ہے جب غیر کا خیال آئے تو لاحول پڑھا کریں اور اپنے دل کی طرف خیال کریں کہ وہ میری حالت کو دیکھ رہا ہے اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھتے رہیں شیطان سے خفگی کے ساتھ دل میں کہا کریں کہ مجھے اس آگ میں ڈالنا چاہتا ہے جس کی ایک چنگاری سے دنیا کی آگ پناہ مانگتی ہے تو یہ تصور جاتا رہے گا-

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تحریروں میں شریعت و طریقت ہی نظر آتی ہے اس لیے پڑھ پڑھ کر گمراہ راہ پر لگ جاتے ہیں اور منزل تک پہنچ جاتے ہیں-

گیارھواں باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطب دوراں

درمدح حضرت امام اہل سنت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی

قطب دوراں تھے مظہر اللہ شاہ — نور ایماں تھے مظہر اللہ شاہ

دین کا ذکر ہر گھڑی لب پر — دین کی جاں تھے مظہر اللہ شاہ

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے — وہ گلستاں تھے مظہر اللہ شاہ

رہبر ملت و طریقت تھے — درس ایماں تھے مظہر اللہ شاہ

رونق بزم زیست تھی ان سے — شمع فیضاں تھے مظہر اللہ شاہ

جن کے سینوں میں درد احمد تھا — ان کے درماں تھے مظہر اللہ شاہ

مفتی دین احمد مرسل — حق کے فرماں تھے مظہر اللہ شاہ

جن کو قربت ملی، ہوئے کامل — فیض عرفاں تھے مظہر اللہ شاہ

نور ہی نور ان میں تھا کوثرؔ

روئے خنداں تھے مظہر اللہ شاہ

پیش کردہ شیخ محمد احمد کوثر صدیقی، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقائد

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سواد اعظم اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے چاروں ائمہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دل سے احترام فرماتے تھے البتہ امام اعظم سیدنا وملجانا حضور ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پکے مقلد تھے اور اسی مذہب پر فتاویٰ دیتے تھے۔ مسلکاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی جانب زیادہ مائل تھے اور اکثر اسی سلسلہ قدسیہ میں بیعت فرماتے تھے اگرچہ آپ سلاسل مبارکہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں بھی مجاز تھے اور ان سلاسل میں بھی کبھی کبھی بیعت فرمالیا کرتے تھے۔

وجہ تخلیق کائنات، محبوب رب ذوالجلال حضور انور محمد الرسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کی محبت کو شرط ایمان اور ان کی تعظیم وتوقیر کو فرض عین جانتے تھے۔ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مودت محبت وعقیدت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کا وسیلہ اور دوزخ سے نجات کے لئے ڈھال سمجھتے تھے۔ علماء حق کی تعظیم اور اہل اللہ کی تکریم کو دارین کی سعادت تصور کرتے تھے۔

مبلغ اسلام مولانا منور حسین نے تحریر فرمایا ''ایک اور قابل قدر چیز یہ بھی تھی کہ اولیاء کرام کی شان میں کبھی بھی گستاخی برداشت نہیں فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں اس قدر غالب تھے کہ علماء دیوبند اور اہل حدیث بھی ان کی مستقل مزاجی کے مداح تھے۔

معروف دیوبندی عالم اور جمعیۃ العلماء ہند کے سربرآوردہ لیڈر اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں [1] ''مفتی صاحب نے مشائخ دہلی کی اعتدال پسندانہ روش کو بڑی حد تک نبھایا۔

---

[1] ۔ روزنامہ الجمیعۃ دہلی مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

بایں ہمہ خبث باطن کے شکار اور حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال عزت وعظمت و شہرت سے جلنے والے، مخالفت کے لئے افسانے گھڑتے تھے۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور کے ایک بصیرت افروز مقالے سے ایک دو اقتباسات:-

''حضرت مفتی صاحب، شاتم اور گستاخ رسول علیہ التحیہ والثنا کو کافر سمجھتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے مخالفین نے اپنے عوام کو آپ کے خلاف بدظن کرنا چاہا اس پر مدیر ماہنامہ السواد الاعظم (مراد آباد) نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا۔ ''حضرت مفتی اعظم مولانا مظہر اللہ صاحب کا (مخالفین نے) ایک فتویٰ بھی شائع کیا ہے جس میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو کافر فرمایا ہے۔ اس فتوے کا پیش کرنا اور اس سے اشتعال پیدا کرنا انتہائی درجہ کی کم عقلی ہے ایک مفتی صاحب کیا دنیا کا کون مسلمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان جانتا ہو؟''

ایک اور واقعہ یاد آیا:-

دہلی میں ایک نجی محفل میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ ایک متبحر عالم سے (جن کا رویہ گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذرا نرم تھا) بعض علماء کے گستاخانہ کلمات کے بارے میں استفسار فرمایا استفسار کا انداز ذرا نرم تھا جس سے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور ان کلمات شنیعہ کی تاویل کر کے فیصلہ قائلین کے حق میں سنانا چاہتے تھے کہ حضرت مفتی اعظم کو جلال آ گیا اور ان سے فرمایا ''آپ کیا کہتے ہیں؟'' وہ عالم اس قدر گھبرائے کہ ان کی گھبراہٹ دیدنی تھی۔ موقعہ کی

نزاکت کے پیشِ نظر انہوں نے فوراً گستاخانِ رسول کے خلاف فیصلہ صادر فرمادیا اور اطمینان کا سانس لیا۔''[1]

یہ وصف تو انتہائی قابلِ ستائش ہے کہ عقائد و معاملات میں اس قدر پختگی کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ متعصب نہ تھے انہیں مرض سے نفرت تھی مریض سے نہیں۔ وہ مریض کے لئے دوا چاہتے تھے۔۔ شفا چاہتے تھے۔ دعا کرتے تھے۔ الحمد للہ ان کے اخلاق میں اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے اپنے خلیفہ مجاز کو تحریر فرماتے ہیں ''تمہیں دینی خدمت کرنی ہے۔ کہیں خاک بنو کہیں شیر و شکر تم کسی وہابی کو بھی برا کہو گے تو مجھے برا معلوم ہوگا۔ جب تک وہ تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک کیسے اسے ہدایت کرسکو گے[2]۔''

اسی طرح حضرت علیہ الرحمہ کے ایک دیرینہ محبّ حاجی محمد سعید صاحب کپڑے والوں نے اپنا انداز بدلا تو حضرت علیہ الرحمہ نے گوارہ فرمالیا لیکن مرض پھیلانے میں حصہ لیا تو حضرت کو رنج ہوا ایک خط میں اس دکھ کا ذکر فرمایا ''ایک صاحب محمد سعید کپڑے والے ہیں جن سے مجھے ایک خالص تعلق تھا ان کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہابیت کی اشاعت میں پانچ پانچ ہزار روپے دے رہے ہیں۔ مجھے یہ لوگ خط نہ لکھیں بالکل فراموش کردیں اس کا تو مضائقہ نہیں مگر اس بات کا بہت درد ہوتا ہے کہ میرے احباب میں سے کوئی وہابیت کا پرچار کرے۔''

حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری نور اللہ مرقدہٗ کے استفسار کے جواب میں حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

مظہری

ا۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور نومبر ۱۹۷۸ء ص ۴۹

۲۔ مکاتیب مظہری، ص ۴۴۳، جلد ۳، قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن

نوٹ: اس مکتوب شریف میں ''موعظۃ الحسنہ'' کی طرف اشارہ ہے۔

''آپ پر حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی پیروی لازم ہے جن مسائل میں اختلاف دیکھیں ان جیسے پچھلے علماء کا اتباع کریں[1]''

ایک بار یہ بھی وضاحت فرمادی۔

''تم نہ بریلوی بنو نہ دیوبندی۔ خالص اہل سنت کے طریقہ پر رہو[2] اور جہاں تک ہو سکے سنت کی پیروی پر مستحکم رہیں۔ آپ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کو کیا اہل سنت کے کسی مسئلہ میں مخالف سمجھتے ہیں اگر نہیں تو اپنے آپ کو صرف مجددی کیوں نہیں کہتے۔ عزیز من فقہی مسائل میں ہم امام اعظم کے مقلد ہیں اس لئے حنفی ہیں اور طریقت میں حضرت خواجہ نقشبند کے پیرو ہیں اس لئے نقشبندی ہیں۔[3]

ایک خط کے جواب میں مختلف فرقوں کے وجود میں آنے پر تبصرہ فرمایا کہ ''اہل سنت میں کوئی نیا فرقہ بنتا ہے کسی مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے جب مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپ اہلسنت کے موافق پاتے ہیں تو جس طرح وہ سنی ہیں آپ بھی سنی ہیں آپ کا بریلوی[4] ہونا کیا معنی[5]؟

جس طرح دیوبندیوں (ھداھم اللہ) کا کوئی وجود نہ تھا یوں ہی بریلویوں کا وجود نہ تھا۔

۱۔ مکاتیب مظہری ص ۴۶۰ (جلد ۳) بنام اختر شاہ جہاں پوری

۲۔ علامہ محمد اختر رضا خان ازہری نے ایک انٹرویو میں فرمایا۔ ''بریلوی کوئی مسلک نہیں ہم اہل سنت و جماعت مسلمان ہیں۔'' (ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور، مارچ ۲۰۰۱ء ص ۲۷)

۳۔ مکاتیب مظہری ص ۴۶۰ (جلد ۳) بنام اختر شاہ جہاں پوری

۴۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اُن اکابر اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے جن کے خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پیرو تھے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا گھرانہ ایک قدیم علمی گھرانہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے مسلک حقہ کا آج بھی محافظ و پاسدار ہے۔ ''بریلوی مسلک'' کہنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید ''بریلوی'' کوئی فرقہ ہے حالاں کہ بقول علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری بریلوی زید مجدہ اس نام کا کوئی فرقہ نہیں۔

۵۔ مکاتیب مظہری ص ۴۶۰ (جلد ۳) بنام اختر شاہ جہاں پوری

باقی مجھے بریلویوں کے تمام مسائل پر عبور نہیں جن کو تنقیدی نظر سے دیکھا جائے- جو مسائل ان کے مشہور ہیں ان میں وہ حق پر ہیں[1]-

اسی طرح طریقت میں بعض مستحبات کو فرض کا درجہ دینے کے حق میں نہ تھے مثلاً بزرگان دین کے عرس کرنے کی حق میں تھے بلکہ سال بھر میں ۳-۴ عرس خود منعقد فرماتے تھے- مگر بہت پروقار اور شریعت مطہرہ کے عین مطابق ان حضرات کا پابندی سے عرس کرتے تھے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضور شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ حضرت نانوشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ- حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (اور غالباً) مرشد گرامی حضرت سیدنا صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نماز ظہر کے بعد حجرہ مبارکہ سے متصل مغربی دالان میں ایک طرف قرآن خوانی ہوتی دوسری طرف دانوں پر کلمہ طیبہ یا درود پاک کا ورد (۲ بجے سے ساڑھے ۳ بجے تک) پھر حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب تقریر فرماتے تھے جس میں عبادت، تقویٰ، اخلاق وغیرہ کے موضوعات کے ساتھ صاحب عرس کے بارے میں بعض ضروری معلومات بھی شامل ہوتیں- ۳۰ یا ۴۰ منٹ یہ تقریر جاری رہتی تھی- اس کے بعد قل، شجرہ، سلام، دعا، تقسیم تبرک عصر کی اذان سے پہلے تمام کارروائی ختم ہو جاتی تھی-

قرآن خوانی- کلمہ طیبہ کا ورد تو صاحب عرس کے لئے خاص تحفہ ہوتا ہے- تقریر شرکاء محفل کی اصلاح اور تعلیم کے لئے باقی چیزوں میں کبھی کبھی تبدیلی بھی فرمادی جاتی تھی- مثلاً ایک بار سلام پڑھے بغیر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے- ایک بار قل اور سلام کو بھی ترک کر دیا اور ایک بار حاجی احسان الٰہی نے عرض کیا "حضور کل آپ سلام پڑھنا بھول گئے تھے؟" فرمایا "یہ بتانے کے لئے کہ اس کا پڑھنا فرض نہیں، کبھی ترک ہو جائے تو عرس بہر حال ہو جائے گا-" دوسرے موقع پر فرمایا- "تقریر میں زیادہ وقت لگ گیا تھا عصر کی اذان ہونے والی تھی اس لئے صرف دعا پر اکتفا کر لیا آپ مطمئن رہیں عرس ہو گیا-"

عموماً دعا کے بعد کھیلیں مرمرے اور چھلے ہوئے چنے کو ملا کر ایک ایک مٹھی سب کو دے دی جاتی تھی دو موقعوں پر بیسنی روٹی تقسیم ہوتی تھی اس میں بھی تبدیلی ممکن تھی-

---

۱- مکاتیب مظہری ص ۲۶۰ (جلد ۳) بنام اختر شاہ جہاں پوری

عبادت

مبارک ہے، وہ خانوادہ جو دین کا امین کہلائے شریعت میں راہنما اور طریقت میں راہبر تسلیم کیا جائے، زھد وتقویٰ، عبادت وریاضت، اخلاق وکردار میں مثالی ہو۔ اس گھرانے میں آنکھ کھولنے والا بچہ اسی سانچہ میں ڈھلتا ہے۔ معصوم اداؤں کے ساتھ جب رکوع وسجود کی نقل کرتا ہے تو دیکھنے والوں کو پیار آنے لگتا ہے۔ وہ جس کو سجدہ کررہا ہے اسے کسقدر پیار آئے گا وہ اس کو کیوں نہ محبوب بنالے گا۔

ابھی عمر ہی کیا تھی؟ بڑوں کو دیکھ دیکھ کر تعدیل ارکان بھی سیکھ لی۔ عبدیت پروان چڑھ رہی تھی بندگی مسکرارہی تھی تابندگی نظر آرہی تھی۔ معصوم سجدوں پر وہ مسجود کریم وہ رحمٰن ورحیم خوش تھا بہت خوش۔ ملائکہ میں فخر کررہا تھا یباھی به الرحمن فی ملئکته یقول هذا عبدی حقا۔ میرا سچا بندہ تو یہ ہے۔

لڑکپن آیا۔ ایک نماز ادا کرلی تو دوسری نماز کا انتظار ہے۔ جماعت کی پابندی ہونے لگی مسواک کے ساتھ وضو ہورہا ہے۔ خضوع وخشوع کی مشق جاری ہے۔ جوان ہوگئے۔ امامت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ لوگ دور دور سے آکر حضرت کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

یہی حال روزوں کا تھا نوعمری سے روزے رکھنے شروع کیے تو دم آخر تک کبھی کوئی روزہ قضا نہ ہوا۔ ٹانگوں پر فالج کا اثر اور گردے کی تکالیف ضعیف العمری نقاہت تو تھیں رمضان المبارک میں کھانسی کی شدت ہوگئی کمزوری ایسی کہ بولنا بھی مشکل تھا۔ اطبا نے عرض کیا مرض کی اس شدت میں روزے نہ رکھیں، تو فرمایا ''اگر آپ ضمانت دیں کہ روزے چھوڑنے سے یقیناً صحت مند ہوجاؤں گا اور بعد میں قضا روزے رکھنے

کے لئے صحت سازگار رہے گی تو غور کیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی بعد میں اگر قضا رکھ لوں تو بھی رمضان المبارک کی برکات اور فضیلتیں کہاں میسر ہوں گی؟''

رمضان المبارک میں بھی حسب معمول ظہر سے عصر تک فتاویٰ لکھتے اور عصر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے افطار میں ۲-۳ لقموں سے زیادہ کھایا نہ جاتا تھا اور سحری میں بھی یہی حال تھا مغرب کی نماز کے بعد بھی تلاوت میں یا حمد وثنا میں مشغول ہوجاتے تھے۔ عشا کی نماز ۱۷ رکعتیں اور تراویح کی بیس رکعتیں بڑی مستعدی سے کھڑے ہوکر ہی پڑھتے۔ دیکھنے والے حیران ہوتے کہ نماز کے وقت ایسی قوت کہاں سے آ جاتی ہے؟ نفلی روزوں کا بھی اہتمام فرماتے مگر یہ پوشیدہ عبادت کسی کو معلوم نہ ہوتی تھی۔

حج بیت اللہ ۱۹۴۵ء میں ادا فرمایا اور اس کی تفصیلات حج کے عنوان سے علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔

زکوٰۃ:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حضرت علیہ الرحمہ نے دولت جمع نہیں کی اس لئے زکوٰۃ واجب ہی نہ ہوتی تھی۔ لیکن مستحقین کو خاموشی سے ان کے گھروں پر ہی رقم بھجوایا کرتے تھے اور حاجتمندوں کی ہمیشہ امداد فرماتے۔ کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔

تلاوت قرآن مجید عام دنوں میں فجر کے بعد۔ یا شب کو رمضان المبارک میں عصر تا مغرب تلاوت فرماتے کبھی ناغہ نہ فرماتے تھے لوگوں کا کہنا تھا حضرت امام صاحب کے پیچھے نماز میں جو کیف محسوس ہوتا وہ اور کہیں نہیں ملتا۔ کیوں نہ ہوتا جو نماز میں خدائے قدوس کے جلوے دیکھ رہا ہو جس کی حضوری قلب کا یہ عالم ہو کہ کبھی سجدہ سہو کی نوبت نہ آئے اس کی عبادت کے فیض سے مقتدی بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ جب مسجد میں اپنے حجرہ (دارالافتاء) سے نماز باجماعت کے لئے نکلتے تو ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے نگاہیں زمین پر جمی ہوتیں دونوں ہاتھ ذرا آگے

اٹھے ہوئے جیسے اب نیت باندھنے والے ہیں چہرہ مبارک پر فکر مندی کے آثار ایک عظیم بارگاہ میں حاضر ہونا ہے مکمل ادب کا مظاہرہ ہوتا۔ نماز سے فارغ ہوکر چہرہ انور بشاش ہوتا ہر طرف سے لوگ دست بوسی کے لئے دوڑتے ۔سب سے بڑے مشفقانہ انداز سے مصافحہ فرماتے ۔بعض اہل محبت کا زیرلب مسکراہٹ سے خیر مقدم فرماتے اور خیریت معلوم فرماتے ۔زیادہ حضرات آجاتے تو کچھ دیر ٹھہر جاتے اور یوں گھر تک لوگ چلتے جاتے۔

جس کو عبادت میں مشاہدہ حق نصیب ہو جائے اس عبادت گزار کی کیا شان بیان کی جائے! عبادت کا رنگ اس کے ہر قول و فعل میں جھلکتا ہے اور جو قریب آتا ہے اس رنگ میں رنگ جاتا ہے پہلا اثر اہل خانہ میں نظر آتا ہے کہ یہ بہت قریب ہوتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت علیہ الرحمہ کو دیکھا۔ ان کی اولاد کو دیکھا۔ بیٹے ہی نہیں بیٹیاں بھی پوتے ہی نہیں پوتیاں بھی ایک سے ایک عالم دین دو صاحبزادے اپنے وقت کے مفتی اعظم اور اب پوتے بھی سب الحمدللہ متقی سب کامل دیندار۔ ورنہ آج کل علماء و مشائخ کا ظاہر غنیمت ہوا بھی تو اندرون خانہ دین کا وہ حشر نظر آئے گا کہ کانوں پر ہاتھ دھرنے کو جی چاہتا ہے۔

یہی حال مریدین و محبین کا ہے اول تو بحمدہ ایک سے ایک عابد و زاہد بالفرض کسی میں کمی ہوئی تو پہلے حضرت علیہ الرحمہ اسی پر گرفت فرماتے تھے اور تاکید فرماتے تھے کہ فرائض خداوندی کی ادائیگی میں غفلت نہ ہو۔ ایک مرید کو تحریر فرمایا ''فرائض خداوندی کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہ کرنا۔''

ایک مرید کو تحریر فرمایا:۔ ''نماز میں سستی نہ کیا کرو انشاء اللہ تعالیٰ سب کام درست ہو جائیں گے۔''

ایک مرید کو تحریر فرمایا:۔ ''بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ فرائض پوری طرح ان کے اوقات پر انجام دیتے رہیں۔''

جو قضا ہو گئے ان کی قضا کرو (ادا کرو) دوسرے نوافل ... تو بعد کی چیز ہیں-

اپنی کامیاب تربیت کے نتیجے میں مریدین کو عبادت کا پابند دیکھ کر حضرت علیہ الرحمہ کو دلی مسرت ہوتی تھی چنانچہ ایک موقعہ پر تحریر فرمایا:- ''خصوصاً اس بات نے کہ تم نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا بہت ہی خوش وقت اور خورسند کیا اب اگر تم روزہ، نماز، وظائف خیرات کا حال بھی تحریر کرو تو پھر حقیقی خوشی میسر آئے'' مکتوب شریف بنام کفایت النساء صاحبہ-

ہاں اس کے برعکس نماز سے غفلت سخت ناگوار تھی چنانچہ حفیظ اللہ خان صاحب ڈرائیور نے جب نمازیں چھوٹ جانے کا سبب ڈرائیوری کی ملازمت کو بتایا تو حضرت علیہ الرحمہ نے دوسرا روزگار تلاش کرنے کا مشورہ دیا- گاڑی چلانے میں نماز کا وقت نہ ملنا سمجھ میں نہیں آتا ہمارے بہت سے مرید ایسے ہیں کہ گاڑی چلاتے ہیں لیکن نماز کے وقت نماز پڑھتے ہیں- مسجد کے قریب گاڑی پہنچی ٹھہرا کر وہیں نماز پڑھی- آخرت کا خوف ہونا چاہئے- اگر اس میں وقت نہیں ملے تو کوئی دوسرا کام کرو بہرحال نماز نہ جانی چاہئے- قیامت میں ہم سے بھی سوال ہوگا کہ کیوں ہدایت نہیں کی گئی-

ایک اور خط کے جواب میں پھر فرمایا- ''نماز تک میں تو تم سستی کرتے ہو دوسرے وظائف کیا شئے ہیں جو ان کو پورا کرتے ہوگے- نماز میں یکسوئی چاہئے- نماز میں یکسوئی میسر آجائے تو پھر دنیوی خیال کی گنجائش نہیں رہتی یہ وقت تو خاص رجوعیت کا ہے شیطان جب آپ کو اس طرف لگائے تو دل میں اس کی طرف تیزی سے نظر کریں اور خیال کی زبان سے کہیں ''کم بخت میں اپنے مولیٰ کے سامنے کھڑا ہوں تیری طرف متوجہ ہوں گا تو معاذ اللہ وہ مجھ سے اعراض فرمالے گا-'' (مکتوب بنام محمد الیاس زیدی-)

نماز عشق

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

لگ بھگ تیرہ سال کی عمر ہوگی - جسمانی رجولیت کے آثار محسوس ہونے لگے تھے - روحانی بالیدگی بچپن سے ہی جاری تھی - مرشد کامل کی نظر پڑی - روح کو بھی مردانگی میسر آ گئی - عشق کی دبی ہوئی چنگاری ذرا کریدتے ہی بھڑک اٹھی - لڑکپن کی میٹھی نیند راہ میں حائل نہ ہوسکی - نسیم سحر تھپک تھپک کر نہ سلا سکی - عشق کے آداب سکھائے گئے - لذت بیداری شب چکھادی گئی - لطف آہ سحر گاہی سے بھی روشناس کرادیا گیا تھا -

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
عطار ہو رومی ہو رازی ہو یا غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

رات کے پچھلے حصہ میں چپکے سے بستر چھوڑنا - اپنے خالق و مالک کے حضور دست بستہ کھڑا ہو جانا - اس کا کلام خوش الحانی سے اسی کو سنانا - کبھی طویل قیام کبھی طویل سجدے یا کبھی سجدے سے سر ہی نہیں اُٹھنا - پیہم سجود پائے صنم پر کیے جا رہے ہیں جب پائے ناز میسر ہو تو سر نیاز اٹھائیں کیوں؟

احقر سے ایک بار فرمایا جس کو اس میں لذت آتی ہے اس کے لئے لذت والا عمل کوئی شے نہیں - حمد و ثنا - استغفار - اللہ کے بندوں کے لئے دعائیں فرمائیں چند لمحے کے لئے لیٹ گئے فجر کی اذان ہوگئی تازہ وضو فرمایا اور مسجد تشریف لے جاتے -

جوان ہوئے شادی ہوئی خوشیوں کے موقعہ یا غمگین لمحے۔صحت و علالت سفر و قیام سب ہوتا رہا۔عشق روز افزوں رہا۔نماز کی ناغہ نہ ہوئی۔حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کی آخری رات بھی وصل حق کی لذتوں سے ہمکنار تھی۔

رات کا سفر تھا۔دہلی سے سرہند شریف حضور مجدد الف ثانی امام ربانی رضی اللہ عنہ کے عرس مقدس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تقریباً ڈھائی بجے گاڑی رکی ایک مختصر پلیٹ فارم تھا حضرت علیہ الرحمہ اترے وضو فرمایا اور تہجد کی نماز ادا فرمائی۔پوری طمانیت سے پڑھی۔راقم الحروف سخت بے چین تھا۔نہ حضرت علیہ الرحمہ نے یہ معلوم کیا کہ کون سا اسٹیشن ہے نہ یہ معلوم فرمایا گاڑی کتنی دیر رکے گی؟ احقر نے تو نماز نہیں پڑھی۔۔۔ جیسے ہی گاڑی ہلی یا تو زنجیر کھینچ لوں گا یا حضرت کو بلالوں گا۔ورنہ وہ یہیں ہی رہ جائیں گے۔یہ تو نہ ہونے دوں گا وائے نادانی راز عشق نہ سمجھا۔ریل کا گارڈ گاڑی روکے کھڑا تھا حضرت علیہ الرحمہ کو تک رہا تھا کائنات کا گارڈ اس گارڈ کو روکے ہوئے محبوب کے سجدے ملاحظہ فرمارہا تھا۔

فتح پوری میں جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہے۔تہجد کا وقت ہوا خاموشی سے اٹھے اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔کوئی انجان سمجھا گھر جارہے ہیں۔حجرہ میں داخل ہوتے دیکھا۔اچھا آرام کریں گے۔سوئیں گے۔تھوڑی دیر بعد پھر اپنی جگہ واپس تشریف لے آئے۔رازداروں کو ہی معلوم تھا حجرہ مبارکہ میں نماز تہجد ادا فرمائی ہے۔

تذکرہ مظہر مسعود میں ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے ۱۹۶۴ء میں ایک شب میرپور خاص میں قیام فرمایا طبیعت ناساز تھی رات کو ۱۲ بجے (استفراغ) الٹیوں کی شکایت ہوگئی ۲ گھنٹے تک وقفہ وقفہ کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا نڈھال ہوگئے تھے نماز عشق کا وقت قریب آرہا تھا۔قدرے سکون ہوا۔آنکھ لگ گئی۔نہیں لگائی گئی نماز سے قبل سونا افضل تھا۔چند لمحے کی نیند سے یہ فضیلت بھی میسر ہوگئی حضرت علیہ الرحمہ بیدار ہوئے وضو

فرمایا اور راز و نیاز عشق میں مصروف ہو گئے- تلاوت قرآن کریم کی دھیمی دھیمی آواز آرہی تھی اور جھانک کر دیکھا- یہ کیا؟ اٹھ کر بیٹھنا مشکل تھا کیسی عمدگی (تعدیل ارکان) سے نماز پڑھی جارہی ہے۔

نہ سفر نہ تقریب نہ علالت- عشق صادق ہو تو کیا رکاوٹ- ۷۰ سال پابندی سے نماز تہجد ادا کرنا اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی؟

جن دنوں راقم الحروف حضرت علیہ الرحمہ سے قرآن کا ترجمہ و تفسیر پڑھتا تھا جب یہ آیۃ شریفہ آئی تو فرمایا اگرچہ قرآن کریم میں اس نماز کو نفل کہا گیا لیکن یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض کر دی گئی تھی عام مسلمانوں کے لئے نفل ہے مگر جو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اوپر لازم کرلیں ان پر فرض کے درجہ میں ہو جاتی ہے کبھی چھوٹ جائے تو قضا پڑھ لی جائے-

حضرت علیہ الرحمہ اپنے مریدین و متوسلین کو جن عبادات کی تلقین فرماتے تھے اور اس کے لئے انہیں طریقے بھی بتاتے تھے۔ مثلاً درود شریف اور استغفار ہر مرید کو بتاتے تھے- لیکن تعداد کا تعین عموماً ان پر ہی چھوڑ دیتے تھے تاکہ شوق کا بھی اجر ملے۔ ورنہ کم ازکم صبح شام ایک ایک تسبیح درود شریف اور ایک ایک تسبیح استغفار تو لازم ہوتا- پھر اس تعداد میں اضافہ کے لئے مائل کرتے رہتے اور اضافہ کی تعداد بھی پڑھنے والے پر منحصر ہوتی پھر حضرت کثرت کا لفظ بھی استعمال فرماتے اور یہ بھی سکھاتے تھے۔ فرمایا ''درود شریف کی دونوں وقت میں زیادتی کرو-''

''درود شریف پڑھتے ہوئے سرکار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے خیال میں رکھیں اسی طرح زیادہ کوشش کرو کہ استغفار پڑھتے ہوئے مولیٰ تعالیٰ کو اپنے سامنے رکھو- اس کی نعمتوں پر نظر رکھتے ہوئے اس کی جانب شکر کرو''

رمضان شریف میں جہاں تک ہوسکے قرآن کریم کا ورد رکھیں اور اس تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمیشہ دست بدعا رہیں کہ وہ کریم اس ماہ میں بہت کچھ دینے والا ہے- یہ ہمارا قصور ہوگا اگر ہم اس سے طلب نہ کریں-

ماحول بنانے کے لئے اپنے سفیر جناب بشیر الدین صاحب کو ہدایت فرمائی- ''بیعت حاصل کرنے کے بعد طریقہ نقشبندیہ میں داخل کرلیں اوراذ کار واشغال طریقہ کی تلقین کرتے رہیں اور ہمہ تن اسی میں مصروف رکھیں کہ یاران طریقت میں محبت خداو رسول (جل علیٰ وصلی علیٰ) کما حقہٗ جلوہ گر ہو اور توجہ الی اللہ میسر رہے'' لیکن طمع دنیوی کو اپنے ظاہر و باطن میں جگہ نہ دیں (یہ جملہ بالخصوص سفیر محترم کے لئے معلوم ہوتا ہے)

عبادات میں توجہ کے لئے ایک مرید کو بتایا ''ہمیشہ دائیں ہاتھ پر جنت اور بائیں پر دوزخ کو اور اپنے روبرو مولیٰ تعالیٰ کو اپنے پیش نظر رکھیں- انشاء اللہ یہ سب خیالات دور ہوجائیں گے ہمت درکار ہے-''

''جب وسوسہ آئے تو غصہ کی نظر سے دل میں شیطان کو دھتکار دیں کہ تو میرے اور میرے مولیٰ کے درمیان حائل ہوتا ہے-''

فرمایا ''تمہارے حالات معلوم ہوکر بڑی مسرت ہوئی اللھم زدفزد نماز میں یکسوئی میسر آئے تو پھر دنیاوی خیال کی گنجائش کہاں- یہ وقت تو خاص رجوعیت کا ہے- میری خدمت یہی ہے کہ نماز اور نیک کاموں سے غافل نہ رہو- مولیٰ تعالیٰ تمہیں حفظ کلام آسان فرمادیں یہ بڑی دولت ہے- یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں مجھ سے ملنا نہ ہوسکے گا-[1]''

---

[1] اپنے وصال کی طرف اشارہ فرمایا ہے-

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

حج

حج بیت اللہ وہ جامع عبادت ہے جس میں ہر عبادت کو بڑی خوبصورتی سے سمودیا گیا ہے- اس میں مکارم اخلاق کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے- دینی، دنیاوی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی منافع بھی بے شمار ہیں لیکن اہل ایمان کے لئے تو یہ ایک فریضہ ہے- بے شک حج ہی وہ دینی فریضہ ہے جس میں عشق کے انداز نمایاں نظر آتے ہیں- اس میں آرزو کی لگن ہے، محبت کی تپش بھی ہے، عشق کا جنون ہے اور مشقتیں جھیلنے کا مزہ ہے- ایثار کا سماں ہے، استقامت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے- وصل و ہجر خوف و رجا کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جذبہ فنا کا ثبوت بھی ملتا ہے-

عاشق آزمائش کی بھٹی سے گزر کر جب کندن بن جاتا ہے تب اس کو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں شرف باریابی کی نوبت آتی ہے، یہاں کی دنیا ہی اور ہے، ''فریضہ عشق'' کے مناسک اور ہیں، یہاں نیت سے مراد آرزوئے کوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور احرام ہے یہاں -- ادب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم -- طواف آنکھوں کا -- نظریں روضہ اقدس کا طواف کرتی رہتی ہیں -- سعی حریم ناز کے صدقے جانے کو کہتے ہیں -- مقام مصلیٰ در محبوب ہے -- جبین نیاز میں جس کے لئے سجدے تڑپتے ہیں -- قربانی کے لئے جان و دل پیش پیش ہیں- اس چوکھٹ کو بوسہ دینے کو لب بھی ترستے ہیں، سانس آتا ہے سانس جاتا ہے ''روحی فداک'' گنگناتا ہے زبان صلی علیٰ اور یارسول اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے- یہی ''لَبَّیْکَ'' ہے-

وہ جو لوگوں کو حق کی راہ دکھائے- دلوں میں عشق الٰہی کی لو لگائے- چھپی ہوئی چنگاری کو ہوا دے- سوتے جذبات کو جگا دے- حج کے فضائل بتا دے مسائل سکھا دے- جو ہمت کرلے اس کو دعا دے- اس کے دل میں بھی آرزوؤں کا ایک جہاں تھا- قربان ہونے کا ارمان تھا- اس جان جاں کے لئے، جان جہاں کے لئے (صلی اللہ علیہ وسلم)

آستاں پہ تیرے سر ہو اور اجل آئی ہو　　پھر تو اے جان جہاں تو بھی تماشائی ہو

مگر اس پیکر صبر نے کبھی حرف تمنا لب پر آنے نہ دیا-

ارباب حاجتم و زبان سوال نیست　　برحضرت کریم تقاضہ چہ حاجت است

یہاں تک کہ صبح امید کا انداز لئے وہ شام طرب آ ہی گئی- راز افشا ہو چکا تھا- مسجد فتحپوری میں اس شام کو بڑی رونق تھی- شہر کا شہر امنڈ آیا تھا- عصر کی نماز پڑھا کر حضرت قبلہ نے سب کے لئے دعا فرمائی ایک محبت بھری نظر مسجد پر ڈالی مخلصین پر شفقت فرمائی اور مزاج پرسی کی اور ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے لوگوں نے چاہا پھولوں کے گجرے پیش کریں- گلاب کے کنٹھے ڈالیں، پھول نچھاور کرتے نعرہ تکبیر لگاتے جلوس میں لے کر چلیں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے منع فرمادیا اور خاموشی سے اسٹیشن پہنچ گئے- دیکھتے ہی دیکھتے پلیٹ فارم پر رخصت کرنے آنے والوں کا ہجوم ہو گیا- لوگ مصافحہ کرتے جا رہے تھے اور دعاؤں کی درخواست کر رہے تھے- مغرب کا وقت ہو گیا "حی علی الصلاح" "حی علی الفلاح" کی صدائے دلنواز گونجی پلیٹ فارم سجدہ گاہ بن گیا- پھر دعا ہوئی- بڑی پر اثر دعا ہوئی-

ایک جانب چہرے اداس تھے- دوسری جانب چہرہ انور، ایک گلاب کھل رہا ہو جیسے- چمکتے رخسار- نور کے چھلکتے پیمانے- لبوں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں- دل کا حال ہر ادا سے عیاں تھا- خوشی سے انگ انگ جھوم اٹھا تھا-

خوشی کی ہوئی سحر اللہ اللہ   مدینہ کا ہوگا سفر اللہ اللہ
نہ پوچھو کہ ہوتا ہے کیا دل کا عالم   مدینہ کا دلکش سفر اللہ اللہ

ستمبر ۱۹۴۵ء کا آخری عشرہ تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بخیریت کراچی پہنچ گئے۔ زمیندار ہوٹل میں قیام فرمایا۔ یوں تو کئی لوگ ساتھ تھے مگر خاص شریک سفر دریا خان ٹھیکیدار تھے۔ کراچی میں جن کو حضرت کی آمد کی خبر ہوتی گئی وہ آتے رہے۔ زیارت کے لئے۔ دعاؤں کے لئے۔ دو تین روز قیام کے بعد حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بحری جہاز سے جدہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ منزل ہر لمحہ قریب تر ہو رہی تھی۔ شوق بے اختیار ہو رہا تھا۔ سفر کے پیچ و خم مزہ دینے لگے تھے۔

منزل بمنزل رہ شوق میں   ان کا در دیکھئے پھر حرم دیکھئے
پی کے چلئے مئے حب نبیؐ   پھر ذرا لذت پیچ و خم دیکھئے

جدہ پہنچ کر سجدہ شکر بجالائے اور مدینہ منورہ جانے کا فیصلہ فرمایا۔ لوگ مکہ معظّمہ جا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا ''آپ پہلے مدینہ کیوں جا رہے ہیں؟'' حضرت قبلہ نے جواب دیا ''سفارش کے لئے۔ فقیر کا منہ اس قابل کہاں کہ بغیر سرکار علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی سفارش کے مولیٰ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوسکوں'' اس وقت مدینہ کے علاوہ کوئی بات سننا حضرت کو گوارہ نہ تھا۔ آپ روانہ ہو گئے۔

نظارہ فردوس کی یا رب نہیں فرصت   اس وقت مدینہ کی فضا پیش نظر ہے

مدینہ منورہ قریب آ رہا تھا۔ عاشق صادق پر اس بارگاہ فلک جاہ کی ہیبت طاری ہونے لگی۔ خود کو سنبھالا!

سنبھل دل دیار حبیب آ رہا ہے   وہ لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا ہے
وہ آنے لگی نکہت باغ طیبہ   نگاہ اٹھا! مدینہ قریب آ رہا ہے

THE HAJ LINE

حج لائن

عزیز القدر محبتہ سیر میاں سعید احمد السعداللہ ایام حیاتہم

بعد سلام و دعا کے مستجاب دارین ملاحظہ کریں کہ یہ فقیر بنعمت و آرام و عزت و احترام سے

کامران پہنچ گیا اور انشاءاللہ تعالیٰ یوم شنبہ کو جدہ جہاز پر بیٹھے اور تیرہ ایام

جا پہنچا اگر موقع ملا تو وہاں سے بھی خط تحریر کروں گا الحمد للہ ثم الحمد للہ

نہایت خیر و خوبی سے یہ سفر گذر رہا ہے اور حسن مقام پر اور [illegible] سے ہوگا تو

سے نہایت آرام دیا کار فرمان جہاز الفضہ مہربان [illegible] تحریر ہیں لہٰذا

و تشریف ارہے مجھ جیسے ناکارہ [illegible] کا مع السفر کی امداد کرتے ہیں [illegible]

تک کبھی تکلیف [illegible] نہیں موقع نہ آیا دعا کرو کہ آئندہ بھی کوئی دشواری

پیش نہ آئے اپنی والدہ اور اپنے بعض بھائیوں اور احباب کی خدمت میں

بعد سلام یہ تحریر پیش کر دینا تاکہ ان کو تسکین ہو بعض مواقع پر [illegible] صحت

سے یہ یاد رکھو [illegible] تمہاری نسبت اگرچہ ہدایت کر آیا ہوں [illegible] تم

مدرسہ کی کل ساتھ پیش نہ [illegible] اور تمہاری ہر ایک [illegible] کا خاص خیال رکھنا

[illegible] کر کے اور ان کو یاد دہانی کراتا ہوں اور تم کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ ان کی

فرمانبرداری میں فرو گذاشت نہ کرنا فقط والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

۲۶ شوال

یوم پنجشنبہ [illegible]

لو وہ مدینہ آ گیا- یہ مدینہ آ گیا- مدینہ میں پیدل حضرت قبلہ علیہ الرحمہ دربار شہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھ رہے تھے- دل میں زبردست ہلچل تھی- خیالات کا بے پناہ ہجوم تھا- کیا میں مدینہ آ گیا- یا یہ خواب ہے؟

آ گیا ہوں میں کردگار کہاں | میں کہاں اور یہ دیار کہاں
سامنے آ گیا وہ منور سراپا دیکھ لو | دید کی تاب ہو تو شہ کا روضہ دیکھ لو
کیسا دلکش یہ حرم ہے کیسی پیاری یہ زمین | دیکھ لو یہ سبز گنبد پیارا پیارا دیکھ لو

دید کی تاب کہاں تھی؟ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی- قدم بڑھتے نہ تھے- نگاہ اٹھتی نہ تھی- دل ہی دل میں کہہ رہے تھے:-

اتنا گناہ گار ہوں اٹھتی نہیں نگاہ | کس منہ سے جاؤں شافع محشر کے سامنے

عظمت رسول امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شوکت حرم محترم نے عجیب کیفیت پیدا کردی- سر جھکا جھکا، جسم سمٹا سمٹا، آنکھیں نم نم، دل سہما سہما، قدم لرزاں لرزاں، حبیب رب ذوالجلال کی بارگاہ تھی- (صلی اللہ علیہ وسلم)

جبیں جہاں سب کی خم اللہ اللہ | وہ دربار شاہ امم اللہ اللہ
نظر کا جھجکنا سہمنا وہ دل کا | وہ عظمت وہ شان حرم اللہ اللہ

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہارا دیا- قدم بڑھے- زبان کھلی- سلام پیش کیا-

السلام اے باعث کون و مکاں | السلام اے راز دار کن فکاں
السلام اے نور پاک اولیں | السلام اے شمع بزم آخریں

درودوں کے گجرے، سلاموں کی ڈالیاں پیش کیں۔ صحن مسجد میں آئے اور حسین نظاروں میں گم ہو گئے۔

وہ صحن مقدس کے دلکش مناظر میں گنبد کے پیارے نظاروں میں گم ہوں
وہ باب مجیدی وہ باب رحمت حرم کے میں ان راہ گذاروں میں گم ہوں

ایک دو روز بعد حضرت نے مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں نے کہاں کہاں گل کھلائے تھے؟ جاؤں ان کو آنکھوں سے لگالوں، ان کی خوشبوؤں نے کون کون سے کوچے مہکائے تھے؟ ان خوشبوؤں کو دل میں بسالوں، ان کے انوار نے کن کن ذروں کو چمکایا تھا؟ ان انوار سے روح کو جگمگالوں۔ مسجد قبا تشریف لے جاتے اور یادوں میں کھو جاتے مسجد قبلتین میں ''قِبْلَةً تَرْضٰی هَا'' کے نزول کا تصور فرماتے اور اللہ جل شانہٗ کی حمد وثناء بیان کرتے۔ اس وقت تک یادگاریں اس قدر مٹائی نہ گئی تھیں۔ کہیں کہیں کھجور کے درختوں کے جھنڈ بیتے دنوں کی کہانی سنا رہے تھے۔ ''محبت کی نشانی''[1] جا بجا نظر آجاتی ''نسبت کی بہاریں[2]'' دل کھینچ لیتی تھیں جبل احد پر پہنچے تو واپس آنے کو جی نہ چاہا۔

کھجوروں کے جھنڈ باغوں کی نہریں قبا کے میں سبزہ زاروں میں گم ہوں
محبت ٹپکتی ہے جن پتھروں سے احد کے ان سنگزاروں میں گم ہوں
غرضیکہ مدینہ کا ہر ذرہ دلکش مدینہ کی دلکش بہاروں میں گم ہوں

یوں تو ہر سال لوگ حج کے لئے جایا کرتے ہیں اور عمرہ پر روز آنے اور جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے لیکن ایک عالم کا دیکھنا، ایک عارف کا دیکھنا، ایک عاشق کا

۱۔ محبت کی نشانی۔ ۲۔ نسبت کی بہاریں حضرت مسعود ملت کی دونوں مقبول کتابوں کے نام ہیں۔

دیکھنا، دیکھنا ہے- وہ جو دیکھتا ہے ہر شخص کو نظر نہیں آتا- ایک عالم نے دیکھا اس جگہ جبرئیل امین علیہ السلام اللہ عزوجل کا مقدس کلام لے کر حاضر ہوئے تھے- اس کو ''نور و کتب مبین'' کی تجلیات نظر آ رہی تھیں- ایک عارف اسی جگہ ''قِبْلَةً تَرْضٰی هَا'' کی ناز برداریوں پر حیران ہے- اپنا اپنا ظرف نظر ہے-

مشتاق دیدار اور بھی تھے جلوہ گاہ میں　　طالب سب ہی بظرف نظر دیکھتے رہے

بیشتر وقت بارگاہ فلک رکاب عالی جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزرتا رہا- تلاوت قرآن مجید، نوافل، درود و سلام کے نذرانہ پیش کرتے رہے- ادھر فدا کاریاں بڑھتی جاتی تھیں ادھر نوازشیں ہوتی جاتی تھیں- کبھی ممبر شریف کے قریب دست بستہ کھڑے اور سیل اشک رواں ہے کبھی ریاض الجنتہ میں قرب کی لذتوں سے مشرف ہو گئے- کبھی جالیوں کے قریب رازداریاں ہوتیں، مسجد شریف کے کسی گوشہ میں مراقب ہو گئے- حجاب اٹھتے جاتے، فاصلے مٹتے جاتے وہ روبرو آتے جاتے، یہ واری و صدقے ہوتے جاتے تھے کبھی دل صدقے کرتے کبھی جان صدقے کرتے-

دل آپ پر تصدق جان آپ پر صدقے　　آنکھوں سے سر ہے قرباں آنکھیں ہیں سر سے صدقے

اس حسن تمام پر، اس دو جہاں کے امام پر، اس معجز کلام پر، اس خیر الانام پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شیفتہ و فریفتہ- صبح ہو رہی تھی، شام ہو رہی تھی، اچانک دریا خان ٹھیکیدار نے کہا ''حضور مدینہ منورہ میں ہمارے قیام کی مدت پوری ہو گئی اور حکومت کی طرف سے تقاضہ بھی آ گیا ہے'' فرمایا ''مگر ہمارا تو دل ابھی نہیں بھرا'' اور آپ رنجیدہ ہو گئے- بات بھی تو دکھ کی تھی- وصل کی قربتوں کے بعد ہجر کی دوریاں آفت تھیں مصیبت تھیں-

رسول خدا سے جدائی ہے آفت　　خدا یہ مصیبت کسی پر نہ ڈالے

جب حکومت کی طرف سے دوبارہ یاد دھانی کرائی گئی تو فریاد بحضور سرور کائنات پہنچائی گئی۔

نکیریں آنکھیں دکھانے نہ پائیں مجھے آ کے دامن میں اپنے چھپا لے

یہ محبت کے راز و نیاز تھے کہ حکومت کی طرف سے اجازت مل گئی آپ جب تک چاہیں رہیں ایک گونہ سکون ہوا پھر کچھ دن بعد حج کے دن قریب آ گئے اب تو جانا ہی تھا ناچار چلے! واحسرتا!

چھوڑ کر آج در سید ابرار چلے داغ ہم ہجر کا دل میں لئے ناچار چلے

دن گنا کرتے تھے دن رات اسی دن کے لئے چار دن بھی نہ رہے پاس کہ ناچار چلے

دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے روانگی ہو چکی تھی۔ سواری آگے بڑھ رہی تھی نگاہیں پلٹ پلٹ کر کوچہ جاناں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دل وہیں رہ گیا تھا اس کو رہنے دیا۔

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں جا مری جاں جا خدا حافظ

راستہ ناہموار اور کار تیز رفتار ڈرائیور ناہنجار سمجھا اس کی کار کے سوار خوف سے بے قرار ہیں اس لئے آہستہ چلانے کو کہہ رہے ہیں صاحب دل ہوتا تو دیار محبوب سے یوں جلدی سے نہ گزرنا چاہتا۔ حالانکہ محبت کے مارے تو یہ سوچ رہے تھے۔

پھر جانے کب ان مقدس وادیوں میں ہو گذر لمحہ لمحہ ہے یہاں جاوداں آہستہ چل

ہو نہ جائے حادثہ کوئی جہان شوق میں ہے جبیں نزدیک سنگ آستاں آہستہ چل

اف! ایک زبردست جھٹکا لگا۔ حادثہ ہو ہی گیا۔ کار الٹ گئی۔ سواریاں زخمی ہو گئیں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر آپ تیزی سے سنبھلے ساتھیوں کو سنبھالا۔ لوگ تکلیف سے کراہ رہے تھے اور حضرت قبلہ نسخہ کیمیا بتا رہے تھے

رازداری سے سمجھا رہے ہے تھے نسبت کا خیال کرلو- یہ دیار حبیب کا زخم ہے- محبت کی یادگار ہے- اس زخم کا مزہ ہی نرالا ہے- یہی نسبت کی بہار ہے-

سفر پھر شروع ہوا منزل مقصود کو پہنچ گیے حرم محترم زاد اللہ شرفاً وتعظیماً سامنے ہے یہاں انوار وتجلیات کی بارش ہرلحظہ ہردم ہوتی رہتی ہے- ان خاص انوار کا اثر یہ ہے کہ صاحبِ دل پہلی بار جب کعبۃ اللہ کو دیکھتا ہے تو وارفتگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے- کبھی جذب اور کبھی بے تابی- ذوق عبدیت غالب آ گیا تھا رواں رواں شوق بندگی میں سربسجود ہوا جاتا تھا-

وہ پہلے نظارہ کی بے تاب نظریں   وہ اٹھنا چھپکنا بہم اللہ اللہ

وہ اٹھ کر نگاہوں کا جھکنا یکایک   وہ پہلی نظر بر حرم اللہ اللہ

عمرہ ادا فرمایا- سراپا بندگی بن گیے- فنا کی منازل میں لحہ بہ لحہ عروج ہورہا تھا- قرب کی نعمتوں سے سرفراز ہورہے تھے- عبادت کی لذتوں سے سرشار تھے- محویت ایسی کہ ماسوٰی کے نقوش فراموش ہوگیے- دریا خان ٹھیکیدار نے بعض واقعات سنائے- ایک باپ کی عزیز ترین متاع اس کی صالح اولاد ہوتی ہے- حضرت قبلہ نے بچوں کی طرف سے عمرہ کرانا چاہا جب آپ کے میزبان معلم عبدالرحمٰن نے بچوں کے نام پوچھے تو حافظہ پر زور دینے کے باوجود حضرت قبلہ صاحبزادگان کے نام نہ بتا سکے کیا کھویا- کیا پایا- کھونے میں بھی لذت تھی- پانے میں بھی مزہ آیا-

عشق کی نیرنگیاں عروج پر تھیں- کسی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا گوارہ نہ تھا- بادشاہ وقت کی طرف سے دعوت نامہ آیا- امسال بھی مختلف ممالک سے آئی ہوئی اہم ترین شخصیتیں شاہی دسترخوان پر مدعو تھیں- حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا بھی ان میں شمار ہوا- اس دعوت کی اہم بات یہ تھی کہ بادشاہ بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوتے اور ہم طعامی کا شرف بخشتے اس عزت کے متلاشی بڑی تمنا اور کوشش کرتے مگر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اس میں شریک نہ ہوئے کسی نے پوچھا تو فرمایا:

"جو شہنشاہ مطلق کے دربار میں حاضر ہو اس کو کسی اور دربار کی آرزو زیب نہیں دیتی۔"

ع اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی

نگاہ اٹھتی تھی مگر جلوہ جاناں کے لئے۔ نگاہ جھکتی تھی تو تصور جاناں کے لئے۔ ذرہ ذرہ میں جلوے تھے۔ دیدہ بینا کے لئے خود تو دیکھتے تھے جو ہم نشین ہوا اسے بھی دکھا دیا۔

حکیم محمد ذاکر صاحب نے سنایا کہ حضرت حج کو تشریف لے جا رہے تھے انہوں نے بھی درخواست دے دی۔ منظوری میں دیر ہو رہی تھی بے چین ہو کر عرض کیا حضور میری آرزو تھی کہ آپ کے ساتھ حج کروں اب کیا ہوگا؟ آپ تو جا رہے ہیں۔ فرمایا "تم بھی آ جاؤ گے ہم ساتھ ہی حج کریں گے" بعد میں حکیم صاحب مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت کو تلاش کرتے رہے۔ (حضرت قبلہ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے) اچانک حج کے وقت ملاقات ہوگئی حضرت نے حکیم صاحب کو اپنے قریب کر لیا اور یہ آرزو بھی پوری فرما دی حکیم صاحب لکھتے ہیں۔ "نویں ذی الحج کے روز مقام عرفات میں حضور والا تبار نے احقر ناچیز کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کر فرمایا کہ تم میرے پہلو میں بیٹھو گے احقر نے ویسا ہی کیا۔ احقر فیوض و برکات سے نوازا گیا۔ جب عرفات سے مزدلفہ، منیٰ و مکہ روانگی ہوئی تو احقر نے سارے راستہ ریت کے ذروں کو جواہرات کی شکل میں دیکھا اور تمام سنگ ریزے احقر کو رنگ برنگ جواہرات دکھائی دیتے تھے اور عجیب کیفیت طاری تھی۔ روحانیت کا عجیب عالم تھا۔"

ذرہ خورشید آشنا از سایہ اش قیمت ہستی گراں از بایہ اش

محمد سلطان صاحب زری گوٹے والوں نے بتایا کہ "مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ علیل

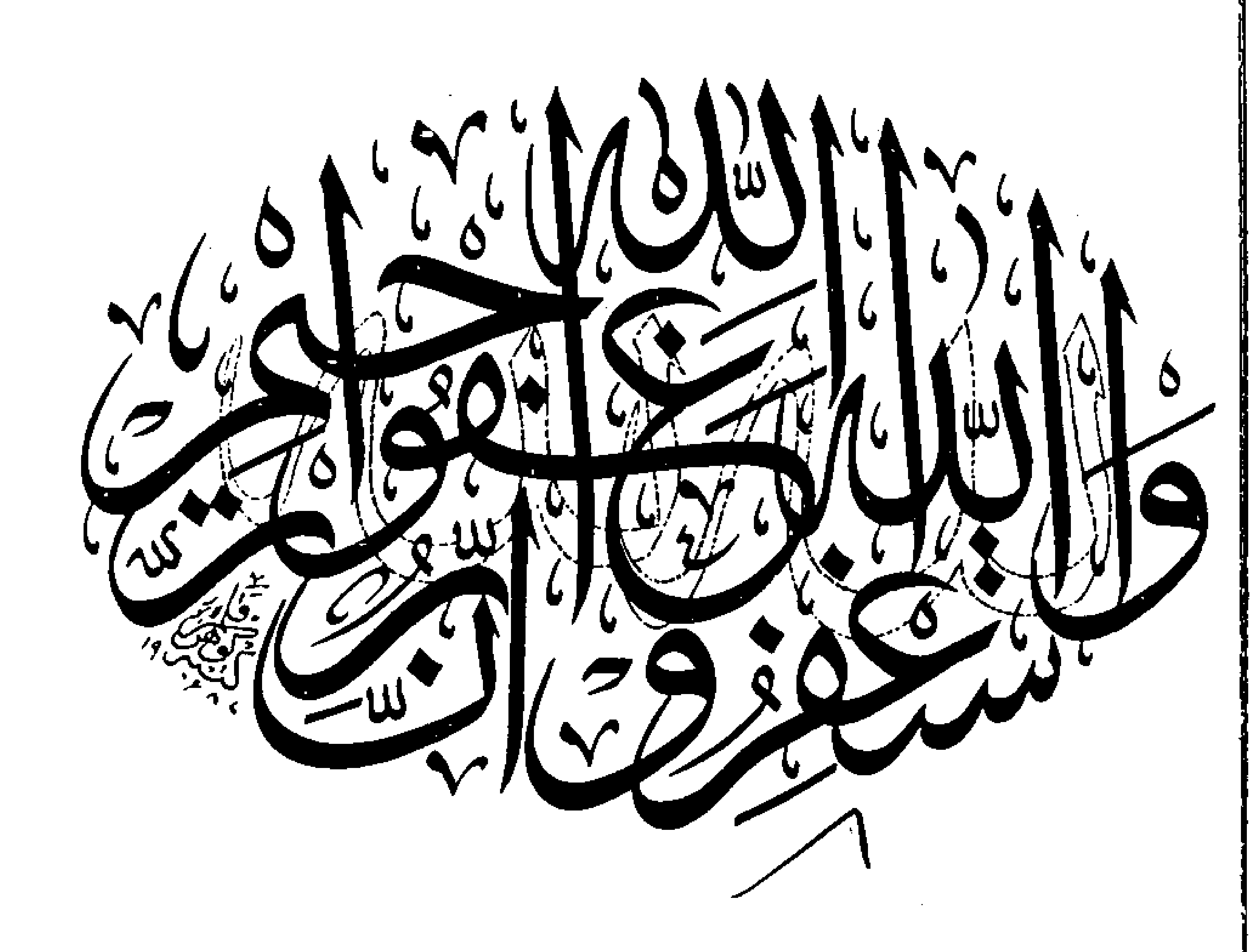
ہو گئے حاجی محمد سلطان صاحب حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو حضرت کو بستر پر صاحب فراش پایا عصر کی نماز کا وقت ہوا تو نماز کے لئے حرم شریف چلے گئے صف بندی کے وقت ان کی نگاہ پڑی پہلی صف میں حضرت قبلہ بھی کھڑے ہیں حیران ہوئے اور نماز کے بعد پھر گھر پر حاضر ہوئے تو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اسی طرح بستر پر ہیں۔''

حج سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کو گھر کی عزیز و اقارب کی یاد ستانے لگی۔ سب تحائف خریدنے میں مصروف ہو گئے کسی نے عرض کیا حضور آپ کچھ نہیں خریدیں گے فرمایا ''جو جائے وہ تیاری کرے'' دریا خان ٹھیکیدار نے کہا حضرت ایسا غضب نہ کیجئے میں تو آپ کا خادم بن کر آیا ہوں سب مجھے پکڑیں گے آپ میرے حال پر رحم کریں اور ارادہ بدل دیں۔ دوسرے احباب نے بھی عرض کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو آپ کی شدید ضرورت ہے آپ اللہ کے دین کے لئے واپس چلیں۔ بادل ناخواستہ تشریف لے آئے تمام راستہ حضرت رنجیدہ تھے۔

دہلی پہنچے تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ استقبال کے لئے حاضر تھے بڑے بڑے اہتمام کئے گئے تھے حضرت قبلہ نے انتظامات کو پسند نہ فرمایا کہ اس میں خود نمائی کا پہلو نکلتا ہے۔ پہلے مسجد میں پہنچے۔ شکرانہ کے نفل ادا کئے۔ سب کے لئے دعا فرمائی اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ مصافحہ کرنے والوں کی قطاریں لگ گئیں۔ ان سے فارغ ہو کر حضرت قبلہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

شکر ذات کبریا خوش آمدید
مرحبا و حبذا خوش آمدید
حج بیت اللہ و بیت رسول
شد بلطف حق ادا خوش آمدید

واپسی کے بعد اس دیار کی یاد آتی تھی مگر زبان پر نہیں اکثر حاجیوں کی طرح حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے اپنے سفر کے واقعات بھی نہ سنائے - البتہ دل کا راز اس موقعہ پر ظاہر ہوا جب حضرت قبلہ کے بہت ہی محبوب فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود احمد شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور انہیں کچھ ضروری ہدایات بھی دینی تھیں - ''میں کیا بتلاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کیا عرض کریں آپ تو کچھ عرض بھی کر دیں گے میری زبان نے تو بوقت حضوری یاری نہ دی اور نہ اب دیتی ہے -''



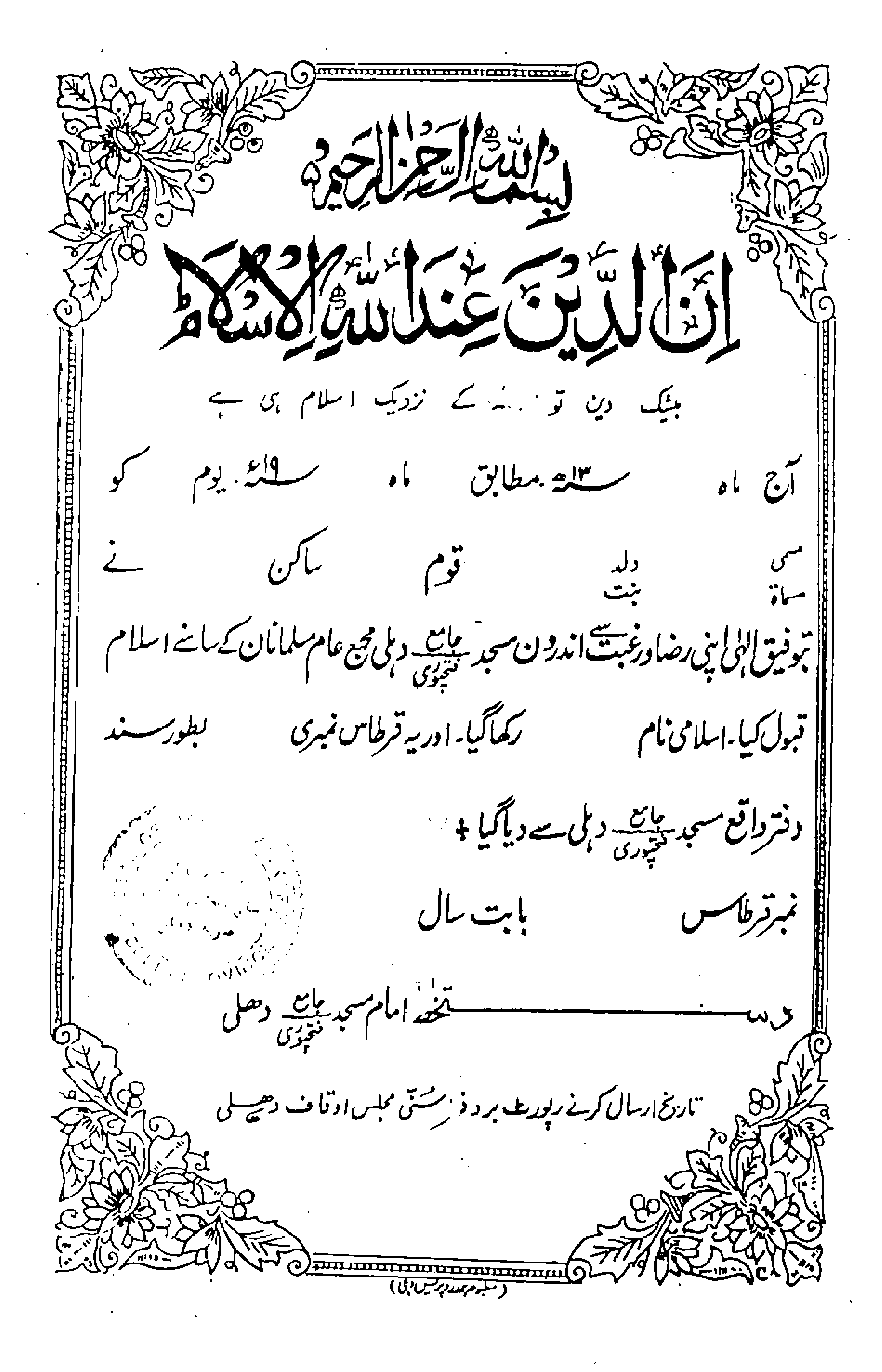
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الاِسْلَامُ

اسلام دین دعوت ہے۔ اس لیے پھیلتا جارہا ہے۔ انتہائی نامساعد حالات میں یا جب اور جہاں اس کو مٹانے کی کوشش کی مٹ نہ سکا۔ اسلام تو ہدایت ہے اور ہدایت منجاب اللہ میسر ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ ارشاد ہوا: فمن یرداللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (آیۃ ۱۲۵ سورۃ انعام)

حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے۔ ان کا ذکر سننے والے ان کی تربیت اور تعلق میں رہنے والوں کو دیکھ کر غیر مسلم اکثر متاثر ہوجاتے اور اس ولی کے صدقہ میں ان کو ہدایت نصیب ہوجاتی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کفر وشرک سے توبہ کرتے اور دین اسلام قبول کرتے تھے حضرت علیہ الرحمہ کی وجہ سے دہلی اور اس کے گردونواح سے لوگ فتح پوری آتے تھے اسلام لانے کے اعتبار سے بھی فتح پوری مسجد کو مرکزیت حاصل ہوگئی تھی۔ بعض غیر مسلموں کا یہ خیال بھی ہوتا کہ سب سے بڑے عالم سے مسلمان ہوؤں اور سب سے بڑے بزرگ کی دعا سے ہمارا اسلام لانا قبول ہوگا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے بکثرت لوگوں کو مسلمان بنایا۔

برادر طریقت مولانا مظہر الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک بڑا تنومند ہندو جس کے سر پر چوٹی [۱] ابھی تھی جیسے کٹر ہندوؤں کی ہوتی ہے۔ حضرت کی خدمت میں مسلمان ہونے آیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے ایک چھوٹی سی قینچی نکالی اس کی چوٹی کاٹی گئی پھر اس سے فرمایا گائے کا گوشت بھی کھانا پڑے گا اس نے منظور کیا تو واضح فرمایا۔ ''میرا مقصد یہ نہیں کہ ضرور کھانا ہوگا بلکہ اگر سامنے آئے تو کراہت نہ کرنا

۱۔ زیادہ مذہبی ذہن والے ہندو سرمنڈواتے وقت اوپر کے حصہ گدی کی سیدھ میں چند بال چھوڑ دیتے تھے وہ بال بڑے ہوتے رہتے موٹائی تقریباً قلم (فاؤنٹین پین) جیسے لمبے جتنے ہوں ان کو بل دے کر انٹی بنالیتے تھے۔ مظہری



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللهِ الْإِسْلَامُ

بیشک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے

آج ماہ ۱۳ھ مطابق ماہ ۱۹ء یوم کو

مسمی / مسماۃ ولد / بنت قوم ساکن نے

توفیق الٰہی اپنی رضا و رغبت سے اندرون مسجد جامع فتحپوری دہلی مجمع عام مسلمانان کے سامنے اسلام

قبول کیا۔ اسلامی نام رکھا گیا۔ اور یہ قرطاس نمبری بطور سند

دفتر واقع مسجد جامع فتحپوری دہلی سے دیا گیا +

نمبر قرطاس بابت سال

دستخط امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

تاریخ ارسال کرنے رپورٹ بردفتر مجلس اوقاف دہلی

کیوں کہ تمہاری ڈھنگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سخت پرہیز کرنے والے ہو اور ایک دو باتوں کی وضاحت فرمادی اور مسلمان کر کے سند دے دی۔''

سند نامہ چھپا ہوا اس پر حضرت علیہ الرحمہ کی ربڑ اسٹامپ اور آپ کے دستخط ہوتے تھے پھر اوقاف کے دفتر کو مطلع کیا جاتا جہاں رجسٹریشن ہوتا اس پورے نظام سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر لوگ حضرت علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر ایمان لاتے تھے۔

سابقہ برطانوی حکومت کے علم میں بھی یہ بات تھی لیکن وہ روک نہیں سکے۔ بھارت کی ہندو حکومت کو بڑی تشویش ہوئی اور حضرت سے پوچھا گیا کہ آپ مسلمان کیوں کرتے ہیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''ان لوگوں سے پوچھو کیوں مسلمان ہوتے ہیں؟''



مشق ''ج ورع'' بخط ثلث

نبی کے ذکر سے

زندگی کی یوں بنیاد ڈالی نبی کے ذکر سے   کوئی بھی لمحہ نہیں خالی نبی کے ذکر سے
بزمِ حساں میں جگہ پالی نبی کے ذکر سے   ہے منور سیرتِ عالی نبی کے ذکر سے

رونقِ بُستانِ مدحت مظہر اللہ شاہ ہیں
بلبلِ باغ رسالت مظہراللہ شاہ ہیں



محفل عید میلاد النبی ﷺ

دہلی میں مسجد فتح پوری عشق رسول ﷺ کا گہوارہ بن گئی۔ یہ حضرت علیہ الرحمہ کے فنا فی الرسول ہونے کی برکت ہے اور یہ ان کا اخلاص ومحبت ہے کہ آج ہندوستان اور پاکستان میں جابجا جلسے ہورہے ہیں۔ جلوس نکل رہے ہیں، رونقیں بڑھ رہی ہیں اور بڑھتی ہی رہیں گی۔

عید میلاد النبی ﷺ کے جلسے حضرت علیہ الرحمہ سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ سیکڑوں سال سے رواج ہے مگر کبھی کبھی اور کہیں کہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فتح پوری میں اس کا آغاز کیا۔ ایسی عمدگی اور شائستگی سے اس محفل مقدسہ کو ترتیب دیا کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی کھنچنے لگے۔ لوگوں نے بہت پسند کیا۔ بعض لوگوں کا اندازہ ہے کہ بیس ہزار آدمی تمام شب جاگتے اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر اپنے قلوب کو منور کرتے تھے پھر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے علاقوں میں اپنے گھروں میں جلسے منعقد کراتے تھے۔

نصف صدی پہلے تو سب کو یہ معلوم تھا کہ عید میلاد النبی کے جلسوں میں تازہ روح فتح پوری سے پھونکی گئی ہے چنانچہ ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء کے شمارہ دبدبہ سکندری رام پور (یوپی۔ بھارت) میں خواجہ محمد حسین زیدی نے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا۔

> ''مرشد طریقت حضرت جناب الحاج مفتی اعظم دہلی مولانا مظہر اللہ صاحب مجددی شاہی امام جامع مسجد (فتح پوری) دہلوی نے محفل میلاد اس وقت شروع کی جب دہلی میں چاروں طرف تو ہب اور غیر مقلدیت کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے اور کوئی صحیح

[illegible]

[illegible] سے تا دیدم [illegible] حسن [illegible]

جیسے کہ چاہنے والوں نے اوسکے [illegible]

[illegible] حسین [illegible]

ایک حسین [illegible] ضرب المثل [illegible] عاشق [illegible]

[illegible] سوا کوئی حسین ہی نہیں مگر [illegible]

اوسکی ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] اور پھر [illegible]

مگر [illegible] صرف آپ حسین ہیں اور [illegible]

[illegible] حسن صفت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

العقیدہ مسلمان بارہ ربیع الاول کو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ یہ ایک دن
ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے۔ حضرت ممدوح ہی کی وہ ذات قدسی
صفات ہے جس نے جشن عید میلاد النبی (ﷺ) سے اہل دہلی کو
روشناس کرایا۔"

اس محفل مبارکہ میں عشاء کی نماز سے فجر کی آذان تک سیرت مقدسہ رسول اکرم ﷺ پر ملک کے جلیل القدر علماء تقریریں کرتے تھے اور خوش الحان نعت خواں نذرانہ عقیدت بحضور آقائے نامدار ﷺ پیش کرتے تھے۔ ممتاز علماء کرام میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اس محفل پاک میں شرکت کے لیے ہر سال پابندی سے تشریف لاتے تھے۔ ماہنامہ "السواد الاعظم" (مراد آباد) میں اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ربیع الاول کی بارھویں شب کئی سال سے دہلی کے حصے میں آ گئی ہے اور وہاں حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری اور صوفی عبدالصمد صاحب نہایت مقدس ہستیاں ہیں اور حضرت صدر الافاضل مدظلہ کو ان سے بہت محبت و مودت ہے اس لیے باوجود نہایت کشمکش کے یہ وقت دہلی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔

ایک نوجوان عالم مولانا رجب علی صاحب قادری تھے۔ ان کی تقریر بڑی جوشیلی ہوتی تھی انہیں پسینے آجاتے تھے۔ بار بار مرحبا! اور سبحان اللہ! کی صدائیں ان کا حصہ تھیں! حضرت مولانا ناصر جلالی کی تقریر بھی بڑی دل پسند ہوتی تھی۔

پاکستان آنے سے پہلے تک حضرت علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی حافظ قاری محمد مظفر احمد شاہ صاحب نائب مفتی اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ بڑی پُر اثر تقریر فرماتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی حافظ قاری مشرف احمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی تقریر فرماتے تھے ان کا لہجہ بہت دھیما اور تقریر فاضلانہ ہوتی تھی ایک بار کوئی عالم صاحب اپنے وقت پر نہ پہنچ سکے۔ حضرت نے فرمایا۔ "مولوی محمد احمد کو کہو وہ تقریر کریں۔" یہ حضرت علیہ الرحمہ کے تیسرے

صاحبزادے تھے۔ ایسے عظیم مجمع میں تقریر کرنے کا پہلا اتفاق تھا۔ تعمیل حکم ہوئی بہت آسان زبان بڑی دل پذیر نصیحتیں دوستانہ لہجہ لوگوں نے پسند کیا۔ ناظم جلسہ عبدالرشید صاحب نے دوسرے روز لوگوں کے تاثرات حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت شریفہ میں عرض کیے تو فرمایا الحمداللہ اس فکر سے بھی نجات ملی اب کوئی نہ آیا تو گھر کے افراد سنبھال لیں گے مولوی محمد احمد کو مبارکباد دینا اور فقیر کی طرف سے کہہ دینا آئندہ آپ تیاری کرلیا کریں اور تقریر کیا کریں۔

اس محفل مبارکہ کا مزاج باوقار تھا بہت سنجیدہ تھا اور ذمہ دار علماء کا انتخاب ہوتا تھا کبھی کبھی کسی نئے عالم کو موقع دیا تو اس کو اچھی طرح سمجھا دیا جاتا تھا کسی بھی فرقہ یا شخص کی دل آزاری نہ ہو اختلافی موضوعات کو نہ چھیڑو۔ صرف سیرت مقدسہ بیان کرنی ہے تاکہ لوگوں کے علم میں حیات طیبہ کے بارے میں اضافہ ہو اور محبت رسول ﷺ دلوں میں اُجاگر ہو جائے۔ اس کا یہ اثر دیکھا کہ دوسری سوچ کے عوام اور علماء بھی بڑی توجہ سے تقاریر سنتے تھے اور سب یہی کہتے تھے ایسی اچھی محفل کہیں نہیں ہوتی۔ روحانی سرور اس محفل کا خاص امتیاز ہے۔

جلوس عقیدت:

۱۹۳۲ء کی بات ہے کہ مولانا ناصر جلالی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریک پیش کی کہ عید میلادالنبی ﷺ کے موقع پر جلوس نکالا جائے۔ حضرت علیہ الرحمہ اور حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تائید فرمادی۔ پھر کیا تھا بڑے اہتمام سے ۱۲ ربیع الاول کو فتح پوری سے ایک شاندار جلوس نکلتا جس کی قیادت حضرت علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ حافظ قاری مفتی مظفر احمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگرچہ حضرت علیہ الرحمہ نے کبھی بہ نفس نفیس کسی بھی جلوس میں شرکت نہیں فرمائی۔

اہتمام:

ربیع الاوّل شریف کا چاند نظر آتے ہی اہل محبت قلب میں خاص سرور محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یکم ربیع الاوّل کو چند حضرات حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت شریف میں حاضر ہوجاتے تھے۔ شیخ رشید صاحب ناظم جلسہ تھے۔ حاجی محمد احمد صاحب (عرف حاجی کلو) حافظ صاحب بھائی رفیع صاحب تالے والے مستقل ممبران تھے کبھی کسی اور صاحب الرائے کی شرکت بھی ہوجاتی تھی۔ سابقہ محفل کا سرسری جائزہ اور آئندہ کے لیے مشورہ ہوتا تھا۔

یکم ربیع الاوّل کو علماء کرام کو دعوت نامے جاری ہوجاتے اور بڑے بڑے اشتہار چھپتے چار پانچ روز پہلے مسلمانوں کے علاقہ میں اشتہار لگ جاتے یہ کام محمد عثمان چوّا صاحب کے ذمے تھا جو حضرت علیہ الرحمہ کے خانوادے کے بہت مخلص فدائی تھے۔

مسجد کے قریب حضرت علیہ الرحمہ کے مرید کاکوان والوں کے کارخانہ میں ایک کشادہ جگہ پر مٹھائی تیار ہوتی تقریباً دس من مٹھائی چار دن تک بنتی۔ نان خطائی منظور شدہ تھی (شیرہ یا چپکنے کا مسئلہ نہیں ہوتا خراب نہیں ہوتی زم وخستہ بوڑھوں بچوں سب کو مرغوب ہلکی، لطیف، ماہر کاری گر بناتے تھے)۔

۱۱ ربیع الاوّل انتہائی مصروف دن ہوتا تھا۔ مناروں، محرابوں، دروازوں پر اور صحن میں روشنی کا انتظام ایک صاحب کے سپرد ہوتا۔ رات کو مسجد دلہن لگتی مرکزی محراب میں ممبر ہوتا۔ دوپہر کو کلابتو اور پھولوں سے چھت گیری بنتی یہ کام احقر کے ذمے تھا جس میں دو تین آدمی مل کر پورا کر لیتے جن میں حاجی محمد احمد صاحب بھی تعاون فرماتے تھے زری وغیرہ کا سامان ان کے کارخانے سے پیش کیا جاتا۔

درمیان میں مقررین کے لیے ممبر رکھا جاتا۔ چاروں طرف مسندوں پر علماء کرام و مشائخ عظام باادب و باوقار انداز سے تشریف فرما ہوتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک

جانب حضرت پیر جی عبدالصمد علیہ الرحمہ اور دوسری جانب مسند پر صدر الا فاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ رحمتہ رونق افروز ہوتے تھے پھر دیگر علماء و مشائخ حسب مراتب تشریف رکھتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ توجہ سے تقریر سماعت فرماتے اور درود پاک کا ورد بھی خاموشی سے فرماتے رہتے چنانچہ مولانا مبین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''چالیس سال کی بات ہے عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں گیارہویں شب کو میں رات بھر مسجد فتح پوری میں رہا۔ سیرت پاک کے موضوع پر تقاریر ہوتی رہیں لیکن حضرت مولانا مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ عشاء سے صبح صادق تک اس مجلس میں شریک رہے اور خاموشی سے درود پاک پڑھتے رہے ان کی صورت ان کی سیرت یاد آتی ہے۔''

عشاء کی نماز کے بعد جلسہ کا آغاز ہوتا تلاوت کلام مجید کے بعد نعت شریف اور تقریریں ہوتیں عموماً ہر تقریر کے بعد ۲ نعتیں ہوتیں فجر کی اذآن سے آدھ گھنٹے پہلے سلام پیش کیا جاتا۔ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک محبوب مرید جناب صالحین صاحب سلام پڑھتے ایک مخصوص لحن ایک پیارا انداز وہی سہانی گھڑی وہی سہانا سماں جب سرکار اقدس باعث تخلیقِ کائنات نے اس دنیا کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی تھی۔

ہزاروں غلام دست بستہ سر جھکائے آقائے دوجہاں کے حضور سلامی پیش کرنے کے لیے باادب کھڑے ہیں ایک عام آدمی کا سلام پڑھنا ایک عاشق رسول ﷺ کا پڑھنا زمین آسمان کا فرق تھا۔ دو تین حضرات جو ان کی ہم نوائی کرتے تھے سب شریعت کے پابند صاحب نسبت ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہر شخص کی یہ آرزو ہوتی کہ یہ سلام پڑھا جاتا ہی رہے۔ یہ پرکیف لمحات کبھی ختم نہ ہوں۔ یہ نور جو ہم پر برس رہا ہے برستا ہی رہے آج سورج نہ نکلے اسی عالم میں زندگی کی شام ہوجائے۔ دعا ہوجاتی فجر کی اذان ہوجاتی محفل تمام ہوجاتی۔

فجر کی نماز کا سلام پھرا صفوں کے کناروں پر مٹھائی کے ٹوکرے لیے منظم انداز سے خادم کھڑے ہیں۔ بڑی تیزی سے ہر ایک کو تھیلی میں پیک مٹھائی پیش کر دی جاتی ہے۔ دعا کے فوراً بعد منتظمین کھانے کے انتظام کے لیے تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ ۹ بجے لنگر شروع ہو جاتا جنوبی دالان کی چھت پر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ چھت کے دو زینے ہیں ایک سڑک پر جہاں لوگوں کی لائن لگ جاتی ہے۔ دوسرا زینہ واپسی کا ایک بار میں تقریباً پانچ سو آدمی کھا لیتے تھے۔ ایک زینہ سے اُترتے اور دوسرے زینے سے پھر اتنی ہی تعداد کو اجازت دی جاتی۔ یہ عمل مسلسل ۴۔۵ گھنٹے جاری رہتا۔ ایک بجے سے حضرت قبلہ کے گھر میں جمع شدہ عورتیں کھانا کھاتیں برابر برابر دو فلیٹس میں عصر کے وقت تک عورتوں کا سلسلہ چلتا رہتا۔

محفل ارشاد جمعۃ المبارک:

جمعہ کے فرض ادا فرما کر حضرت علیہ الرحمہ اپنے حجرہ میں تشریف لاتے۔ سنتوں کی ادائیگی کے بعد حجرہ مبارک کھول دیا جاتا۔ منتظرین حاضر ہو جاتے حجرہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی۔ دعا ہوتی اور ختم خواجگان پڑھا جاتا۔ تلاوت کلام الٰہی کی قرأت ہوتی اور حمد ونعت کا آغاز ہو جاتا۔ کبھی کبھی حضرت علیہ الرحمہ کا ارشاد ہوتا کہ حمد پڑھیں تو اس کی تعمیل ہو جاتی ورنہ نعت شریف پڑھی جاتی۔ رمضان المبارک میں رمضان المبارک کی برکات سے متعلق کوئی نظم یا جمعۃ الوداع کو ''الوداع اے ماہ رمضان الوداع'' مشہور نظم بھی پڑھی جاتی۔ عموماً سب کو رقت ہوتی۔ کبھی ایام کی مناسبت سے منقبت بھی پیش کی جاتی۔ مثلاً ربیع الثانی میں کوئی سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں یا رجب میں حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں منقبت پیش کرتا۔ محرم الحرام میں بحضور شہدائے کربلا منقبت نذر کی جاتی تھی۔ وہ صفر میں بحضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت علیہ الرحمہ ایک مختصر تقریر فرماتے اس رشد و

ایات کا دورانیہ دس تا پندرہ منٹ ہوتا لہجہ بہت متین آواز دھیمی جو حجرہ مبارک میں ہی
ئی جائے۔ آخر میں دعا اور رخصت کل وقت ڈیڑھ تا دو گھنٹے ہوتا۔

یہ ہفتہ وار Tuning ہوتی۔ ایمان میں تازگی۔ عشق رسول میں وارفتگی آتی۔
تقویٰ کے لیے طبیعت مائل ہو جاتی۔ عبادت کا ذوق پیدا ہوتا نیکی کرنے کو جی چاہنے
لگتا۔ محفل کا ایک رنگ تھا۔ کیف آمیز۔ ہر ایک سر جھکائے خاموش۔ کوئی دولت مند تھا
منصب دار ۸۰، ۹۰ سال کے بوڑھے، ۲۰، ۲۲ سال کے جوان دم بخود دنیاوی افکار
بھول جاتے اور ان کا اپنا حال یہ ہوتا

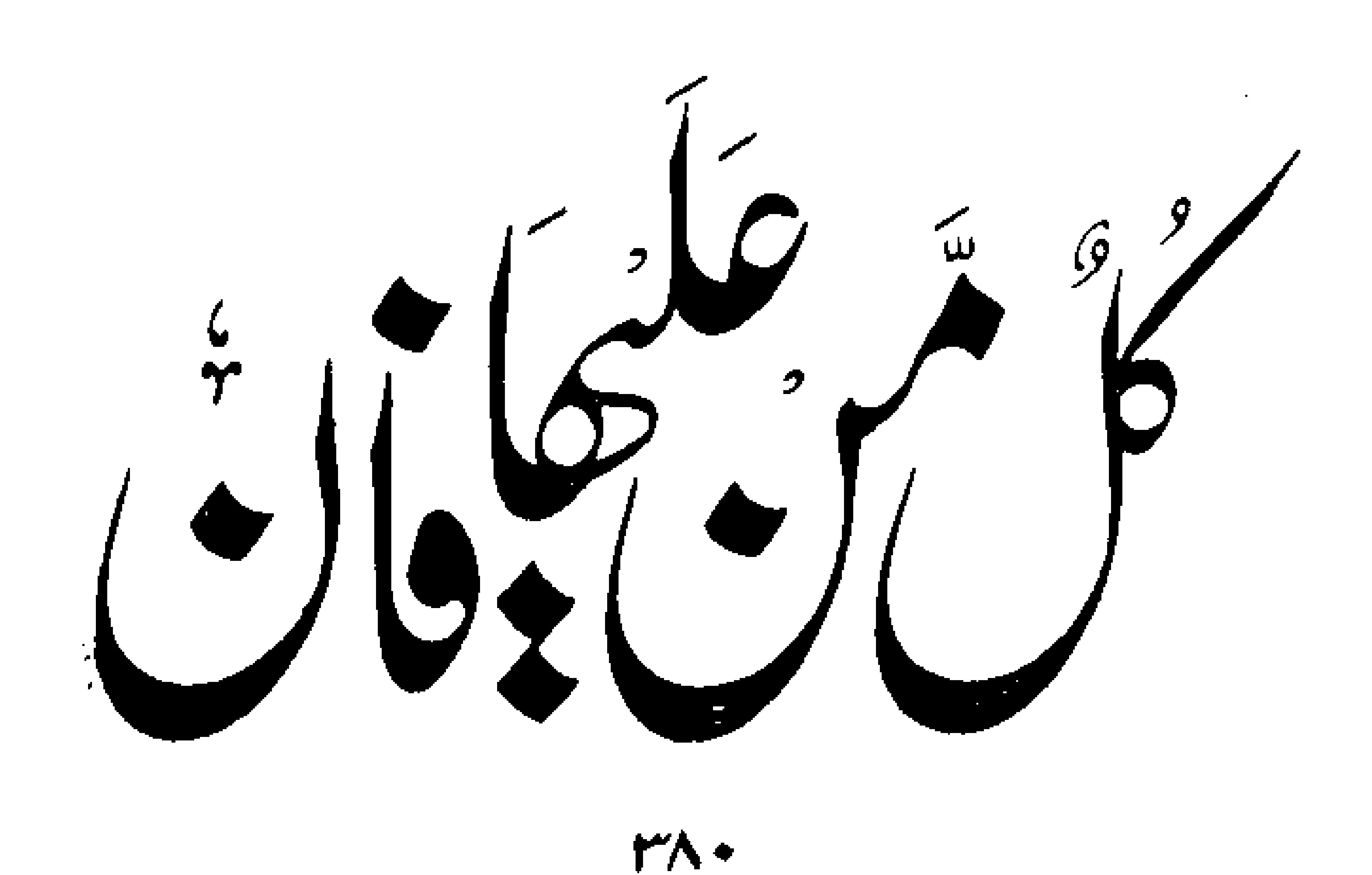
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی

لوگ کہتے تھے کاش یہ محفل کبھی ختم نہ ہو! ہم حجرہ میں داخل ہوئے اور دنیا کا ہر غم ہر
فکر باہر رہ جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک ماں نے بچے کو گود میں چھپا کر ہر مشکل سے
بچا لیا۔ حجرہ مبارکہ کی پوری فضا نور سے معمور رہتی تھی۔ تمام حاضرین سدھے ہوئے
نعت خوان، تربیت یافتہ، کسی کی ہمت نہیں جو آداب محفل کے خلاف دم مارے۔ خوش
الحانی سے بلند پایہ عارفانہ کلام سننا حضرت علیہ الرحمہ کو مرغوب تھا کبھی کبھی عالم کیف و
سرور میں کھو سے جاتے۔ لیکن ضبط کا یہ عالم کہ کسی کو محسوس نہیں ہوتا کہ آپ اس وقت
کس عالم میں ہیں ماشاء اللہ جو ادا شناس ہیں وہی کچھ اس رمز کو پا سکتے ہیں۔ عامیانہ
کلام کی اجازت نہ تھی۔ اہل دل شعراء کا منتخب کلام پیش کیا جاتا تھا سنانے والا گلے بازی
نہیں کر سکتا تھا کان پر ہاتھ رکھنا، قوالوں کی طرح ہاتھ ہلانا بہت زوردار آواز نکالنا وغیرہ
کی اجازت نہ تھی۔ ایک بات سمجھا دی گئی تھی کہ سرکار علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا ذکر
ادب سے کرنا ہے ادب سے سننا ہے۔ آج کل جو رواج ہے کہ نعت شریف پڑھنے کے
دوران لوگ نعت خوانوں کو روپے دیتے ہیں اس محفل میں اس کی اجازت نہ تھی۔
سامعین چلے جاتے تھے نعت خواں رک جاتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ اپنی جیب میں
ہاتھ ڈالتے جس قدر روپے ہاتھ میں آتے وہ نعت خواں کو عطا فرما دیتے کبھی گن کر نہیں

دیتے۔ کبھی کبھی جھلک دیکھی تو عموماً دس دس کے نوٹ تھے ۲ تا ۴ یا ۵۔ تعجب ہوتا ہے لوگ آج بھی اکثر ایک ایک روپے کے نوٹ پیش کرتے ہیں اور حضرت علیہ الرحمہ اس دو میں اوسطاً پچیّس تیس دیا کرتے تھے جس سے ایک عام آدمی صبح کا ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا ایک ماہ تک کھا سکتا تھا۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ پچاس ساٹھ یا زیادہ روپے ہاتھ میں آ گئے وہ بھی دے دیئے۔

ہاتھ جس سمت اُٹھا بس غنی کر دیا

مگر افسوس حاضرین میں سے سب ہی سے یہ قصور ہوا کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے ارشاد قلمبند نہ کیے جا سکے۔ یہ ارشادات مریدین کی تربیت کے لیے ہوتے تھے لیکن ان میں کرامت یہ بھی تھی کہ کسی کے دل میں کوئی الجھن ہو اور وہ یہ سوچ لے کہ آج موقع ملا تو حضرت سے معلوم کروں گا۔ موضوع گفتگو سے بظاہر تعلق نہ ہو لیکن حضرت علیہ الرحمہ کے ارشادات میں ہر ایک کے سوال کا جواب ہوتا یہ معمہ تو کوئی نہ سمجھ سکا کہ کیسے حضرت کو پتا چلتا تھا البتہ محفل کے اختتام پر واپس جاتے ہوئے سنا گیا۔ ''میری گتھی سلجھ گئی'' میرا مسئلہ حل ہو گیا کئی روز سے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آج حضرت نے خود ہی بتا دی علمی نکات، اخلاقی معاملات، تصوف کے مسائل و معرفت کے راز سب کچھ بتا دیا جاتا مگر افسوس! ایک جلیل القدر عالم و عارف کے ارشادات تھے ایک خزانہ تھا محفوظ نہ رہ سکا۔



بارھواں باب



فیضانِ مظہری

در مدح اعلیٰ حضرت شیخ طریقت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

(خطیب شاہی مسجد فتحپوری)

نگاہ فیض سے پتھر کو پارس کردیا جس نے
برے انسان کو بھی بہتر سے بہتر کردیا جس

لٹائی مٹھیاں بھر بھر کے جس نے رحمت باری
محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق کا چشمہ کیا جاری

مرادیں ان کو دے دیں جو مرادوں کے ہوئے طالب
جمال نور ایماں سے کئے روشن سبھی قالب

شعائیں دین حق کی اور پھیلا دیں زمانے میں
چراغ حق جلایا دل کے ہر اک آشیانے میں

سبق دنیا کو بخشا ہے شریعت اور طریقت کا
سر منبر ہمیشہ وعظ فرمایا حقیقت کا

ریاض نقشبندی میں لگائے ایسے پودے بھی
معطر ہوگئے جس کی ادا سے گل بھی پودے بھی

بجھائی تشنگی علم صداقت کے پیاسوں کی
طبیعت کیفیت افروز کردی ہے اداسوں کی

رسائی آپ کی ہے ہر گھڑی دربار اقدس میں
مقام خاص حق نے دے دیا گلزار اقدس میں

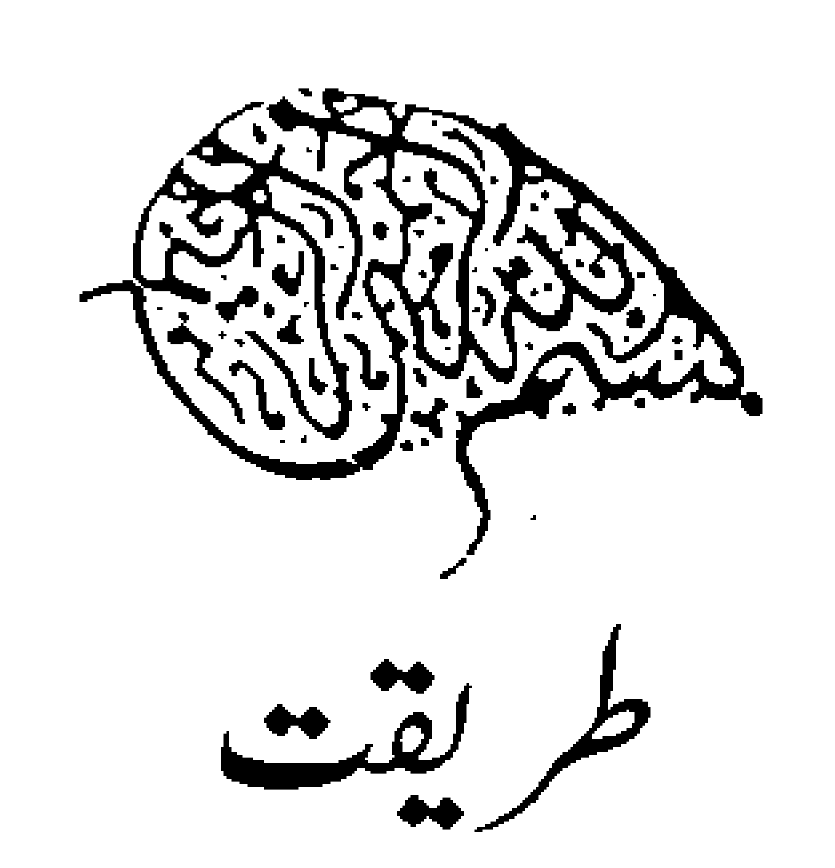
میسر ہوگیا جن کو جہاں میں دامن مظہر
انہیں جنت دلائیں گے یقیناً شافع محشر

در مظہر پہ روتا جو گیا واپس ہوا ہنستا
بنا وہ مرد مومن اور گناہوں سے کری توبہ

نگاہ دل سے دیکھو تو ابھی جلوہ نظر آئے
تبسم خیز حضرت کا ابھی چہرہ نظر آئے

فلک پر جس طرح ستارے نور ساماں ہیں
پرستار نبی ایسے ہی کوثر طور ساماں ہیں

پیش کردہ۔ شیخ محمد احمد کوثر صدیقی، لاہور



طریقت

مشیت ایزدی میں جہاں حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو علوم ظاہری کی دولت سے مالا مال فرمانا طے تھا وہاں علوم باطنی سے سرفراز فرما کر مقامات قرب عطا فرمانا بھی شامل تھا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مربی اوّل مرشد کریم فقیہ الہند اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ تھے جن کی آغوشِ رحمت میں حضرت علیہ الرحمہ نے آنکھ کھولی اور ان ہی کے فیضان نظر کی کرامت تھی جو اپنے ننھے سے پوتے کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج بو دیا اور کمسن کی قوت کے مطابق آبیاری فرماتے رہے تربیت کرتے رہے وصال کے بعد بھی فیض جاری تھا۔ تاکہ اس روحانی امانت کو سنبھال سکیں جس کے لئے ان کا انتخاب ہو چکا تھا۔ قضا و قدر کی بساط پر نقش یوں بن چکا تھا کہ امام الاولیا سیدنا حضرت امام علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادہ گرامی قدر سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے مبارک ہاتھوں سے یہ امانت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو پہنچے۔ یہ تفصیلات پیش ہیں۔

نوٹ: جس طرح اجداد کرام میں نسبی دادا حضرت فقیہ الہند علیہ الرحمہ کے ذکر سے بات شروع کی گئی تھی اسی طرح طریقت کے سلسلے میں دادا حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ کے ''ذکر مبارک'' سے آغاز کیا ہے۔[1]

---

[1] حضرت سید امام علی شاہ صاحب کے بارے میں اب تک سب سے مستند کتاب کا نام ''ذکر مبارک'' ہی ہے جو مولانا قائم الدین ''قانون گو'' نے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ آثار قیومیہ (قلمی) بھی اہم ہے۔ مظہری

دادا مرشد حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ القدس:

ازلی انتخاب بھی حسن اتفاق جیسا ہی لگتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے نسبی اور روحانی رشتوں میں ان کیفیتوں کا فرق محسوس ہو جاتا ہے خاندانی رشتے سے حضرت علیہ الرحمہ کے دادا فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے علمی اور روحانی فضائل کی وجہ سے ایک شہرہ آفاق شخصیت تھے۔ اسی طرح روحانی رشتے میں حضرت علیہ الرحمہ کے دادا مرشد قطب زماں قیوم دوراں امام الاولیاء سیدنا ومولانا حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ العزیز یکتا و یگانہ تھے کہ اس دور میں ان کا ثانی سارے جہاں میں نظر نہ آیا۔

امام علی پیر روشن ضمیر
بفلکِ ولایت چوں بدر منیر

ایشیاء میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو جو عروج ہوا ان کے فیوض و برکات اس میں عیاں ہیں آج بڑی بڑی خانقاہیں اور درگاہیں مثلاً دربار گھر بار صاحبزادہ بلند وقار مخدومنا سید صادق علی شاہ قدس سرہ۔ خانقاہ عالیہ مسعودیہ، خانقاہ عالیہ رکنویہ خانقاہ عالیہ مظہریہ خانقاہ عالیہ و درگاہ بلند و بالا شرقپور شریف وغیرہ یہ اسی دریا کی نہریں ہیں جو ایک عالم کو سیراب کر رہی ہیں۔[1]

جگر گوشہ شاہ بدر و حنین
گل سرسبز چمن حسن و حسین

---

[1] الور شریف، کنور شریف، احمد آباد، جے پور، بھلیر، ساہیوال شریف، ٹانک، کرمانوالہ، چنیوٹ، حیدرآباد سندھ، کراچی اور کشمیر وغیرہ کی نقشبندی خانقاہیں بھی اس دربار عالی سے وابستہ رہیں۔ مظہری



سیدی ومولائی حضرت امام علی شاہ قدس سرہ الربانی حسنی وحسینی سید تھے۔ اجداد کرام حرمین شریفین سے بغداد تشریف لے آئے اور یہاں نواحی بستی سامرہ میں قیام فرمایا اس نسبت سے سامری کہلائے اوّلین بزرگ جو سامرہ سے ہندوستان تشریف لائے وہ حاجی سید دانیال رحمۃ اللہ تعالیٰ تھے ان حضرت نے دہلی میں شادی کی اور خاصے عرصہ قیام کے بعد پنجاب آ گئے یہاں مکان شریف[1] متصل ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداس پور میں جو دریائے راوی کے قریب واقع ہے سکونت اختیار فرمائی یہاں ان کا خاندان پھیلتا رہا۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ منش شخص سید حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۱۲۱۲ھ میں امام الاولیاء سید امام علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی ولادت ہوئی۔ پڑھنے کی عمر آئی تو ابتدائی درسی کتابیں مولوی فقیر اللہ دھرم کوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ کچھ کتابیں مولوی نور محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں طب کی کتابیں حافظ محمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ آپ اس قدر ذہین تھے کہ آپ کے ہم سبق رشک کرتے تھے اور اساتذہ فخر کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک روز آپ قدس سرہ اپنی کتاب لئے پڑھنے جا رہے تھے حضرت والا حاجی سید شاہ حسین کی نظر پڑی حضرت ممدوح نے سیدی امام علی شاہ قدس سرہ کی جبین مبارک پر آثار معرفت وکمالات ولایت وانوار الٰہیہ کا وفور ملاحظہ فرما لیا۔

خبردار ہے سر ملکوت کا

ہے ملاح کشتی جبروت کا

حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ سے ان کی تعلیم کے متعلق کچھ سوالات فرمائے پھر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ''مثنوی مولانا روم صحت عقائد اور صفائی

۱۔ مکان شریف کا قدیم نام موضع رتر چھتر ہے۔

روح کے لئے برگزیدہ کتاب ہے-'' اس ارشاد نے دل پر اثر کیا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چند ابیات مثنوی شریف کے پڑھے پھر ان کی عارفانہ تشریح فرمائی-

مثنوی شریف خود بلند پایہ عارفانہ و عاشقانہ کلام ہے پڑھنے والے عارف کامل عاشق صادق ان کی تشریح اور توجیہ گرامی نے اس پیدائشی ولی یعنی سید امام علی شاہ قدس سرہ کو تڑپا دیا-قلبی لگاؤ بڑھنے لگا- سید امام علی شاہ قدس سرہ اکثر حضرت سید شاہ حسین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے- بیعت ہو گئے ہمہ وقت مرشد کریم کے حضور حاضر رہنے لگے تو حضرت مرشد کے گھوڑے کی خدمت سپرد ہو گئی- خادم اور بھی تھے جدا جدا خدمات سپرد تھیں ان میں ایک خادم غلام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جن پر خاص نظر عنایت تھی-

ادھر سیدنا امام علی شاہ قدس سرہ مجاہدات و ریاضات شاقہ میں مصروف رہتے تھے اور مرشد کریم علیہ الرحمہ کے گھوڑے کا تو اس قدر خیال رکھتے کہ اس کی لید و پیشاب بھی زمین پر نہ گرنے دیتے بلکہ اس کو اٹھا کر شہر سے باہر پھینک کر آتے یہ بھی زبردست مجاہدہ تھا خاص طور پر جب عزیز و اقارب یہ حال دیکھتے تو کوئی مذاق اڑاتا اور کوئی حقارت سے دیکھتا لیکن آپ نے سب برداشت کر لیا بلکہ جب کسی سے دیکھا نہ گیا تو حضرت سید شاہ حسین قدس سرہ تک بات پہنچادی حضرت ممدوح نے فرمایا-''ایک دن آئے گا جب لوگ ان صاحبزادہ کا بول و براز اٹھانا باعث فخر اور نجات سمجھیں گے-'' حضرت اقدس سید امام علی شاہ قدس سرہ اکثر فاقہ کرتے اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے- دن بھر مرشد کے حضور گزارتے اور رات کو جنگل میں جا کر عبادت کرتے تہجد تک اسی میں مشغول رہتے تھے- اس خلوص ایثار عبادات و مجاہدات اور نفس کشی سے بالآخر بارگاہ الٰہی میں قبولیت خاص نصیب ہوگئی اور وہ دن آ گیا کہ مطلوب و محبوب حضرت صمدانی ہو گئے-

ایک شب مرشد کریم سید شاہ حسین قدس سرہ بڑی خوش الحانی سے کلام مجید پڑھ رہے تھے تلاوت سے فارغ ہوئے تو انوار وتجلیات کی کثرت نے وارفتہ کر دیا اسی عالم میں آپ نے مثنوی شریف بڑے سوز سے پڑھنی شروع کر دی واردات قلبی میں اضافہ ہوتا رہا شاید آپ کے دل میں اس حدیث مبارکہ کا فیض آیا کہ مَاصَبَ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئاً اِلَّا صَبَبْتَہُ فِیْ صَدْرِ اَبُوْبَکْرٍ (کوئی چیز ایسی اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں نہیں ڈالی جس کو میں نے ابوبکر کے سینہ میں نہ ڈال دیا ہو) آپ کے دل میں آیا کہ اپنے دیرینہ خادم غلام محمد کو نواز دیا جائے آپ نے آواز دی ''غلام محمد ہے'' غلام محمد کی بدقسمتی تھی وہ کسی کام سے چلا گیا تھا حضرت والا سید امام علی قدس سرہ باہر حاضر تھے بڑے ادب سے جواب دیا ''غلام محمد تو نہیں مگر یہ غلام حاضر ہے۔'' حضرت شاہ صاحب خاموش ہو گئے تھوڑی دیر بعد پھر غلام محمد کو پکارا اور وہی جواب پیش کیا گیا اس طرح تین بار غلام محمد کو طلب فرمایا اور تینوں بار وہی جواب پایا تو ارشاد ہوا، ''جسے خدا دے اسے کون روک سکتا ہے۔تم ہی آ جاؤ۔''

اجازت ملنے پر حاضر ہوئے تو حضرت حاجی سید حسین قدس سرہ نے حضرت امام علی شاہ صاحب قدس سرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور توجہ ڈالتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔سلوک کی منازل طے ہو گئیں۔خلافت اور اجازت سے مشرف فرمایا گیا اور یہ بھی اجازت دے دی گئی کہ اب خدمت میں مستقل حاضر رہنے کی ضرورت نہیں آپ جہاں چاہے رہیں۔لیکن حضرت سید امام علی شاہ نے اس مقدس رفاقت کو چھوڑنا قبول نہ کیا حضرت مرشد کی زندگی تک خدمت میں رہے لیکن اب خاصان میں شمار ہوتا تھا وہ خدمات و مجاہدات اب دوسروں کے سپرد ہو گئے تھے۔

حضرت شاہ حسین قدس سرہ نے وصال فرمایا تو فرط غم سے حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ جنگلوں میں نکل گئے دوڈھائی سال اسی طرح گزر گئے ایک شب مرشد کریم

نے خواب میں تاکید فرمائی ''جو دولت آپ کے سپرد کی گئی ہے اس سے مخلوق کو فیض پہنچائیں'' حضرت امام عالی مقام مکان شریف واپس آئے تو دو طالب سید بہادر شاہ اور میاں حبیب اللہ حاضر خدمت ہوئے کہ ان کو عالم رویا میں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ سے بیعت ہو جائیں یوں بیعت کرنے کا آغاز ہو گیا۔

ابتداء میں ایک دو مرید یا مسافر قیام کرتے تو مخدومہ اہلیہ صاحبہ حضرت سید صاحب چکی پیستیں اور سب کو کھانا کھلاتی تھیں رفتہ رفتہ عوام کی رجوعیت اور مہمانوں کی کثرت اس قدر ہوئی کہ دو تین چکیاں دن بھر آٹا پیستیں اور ۲-۳ تندور گرم رہتے ہر وقت لنگر جاری رہتا۔

آپ کے ہزاروں مرید تھے دور دراز ممالک سے لوگ حاضر ہو کر داخل سلسلہ ہوتے تھے بعض حضرات نے خلفاء کی تعداد ایک سو بتائی ہے۔ ان میں بعض تو ایسے کہ ان کی اپنی درگاہوں سے ہزاروں مرید اور سیکڑوں خلفاء وابستہ ہو گئے اور لگتا ہے کہ سلسلہ کے یہی سرخیل ہیں۔

حضرت قبلہ امام علی شاہ قدس سرہ باجماعت نماز پڑھتے پابندی سے روزے رکھتے اور پوری تراویح پڑھتے تھے جبکہ دل کا مرض پانچ سال تک لگا رہا حکیم ڈاکٹر آرام کی تاکید کرتے رہے۔ عید کی نماز مسجد میں آخری حاضری ہوئی پھر بستر سے اٹھ نہ سکے ملاقاتیں بھی بند ہو گئیں خاص خاص حضرات کو اطلاع کر دی گئی مکتوب شریف میں یہ شعر لکھوایا گیا

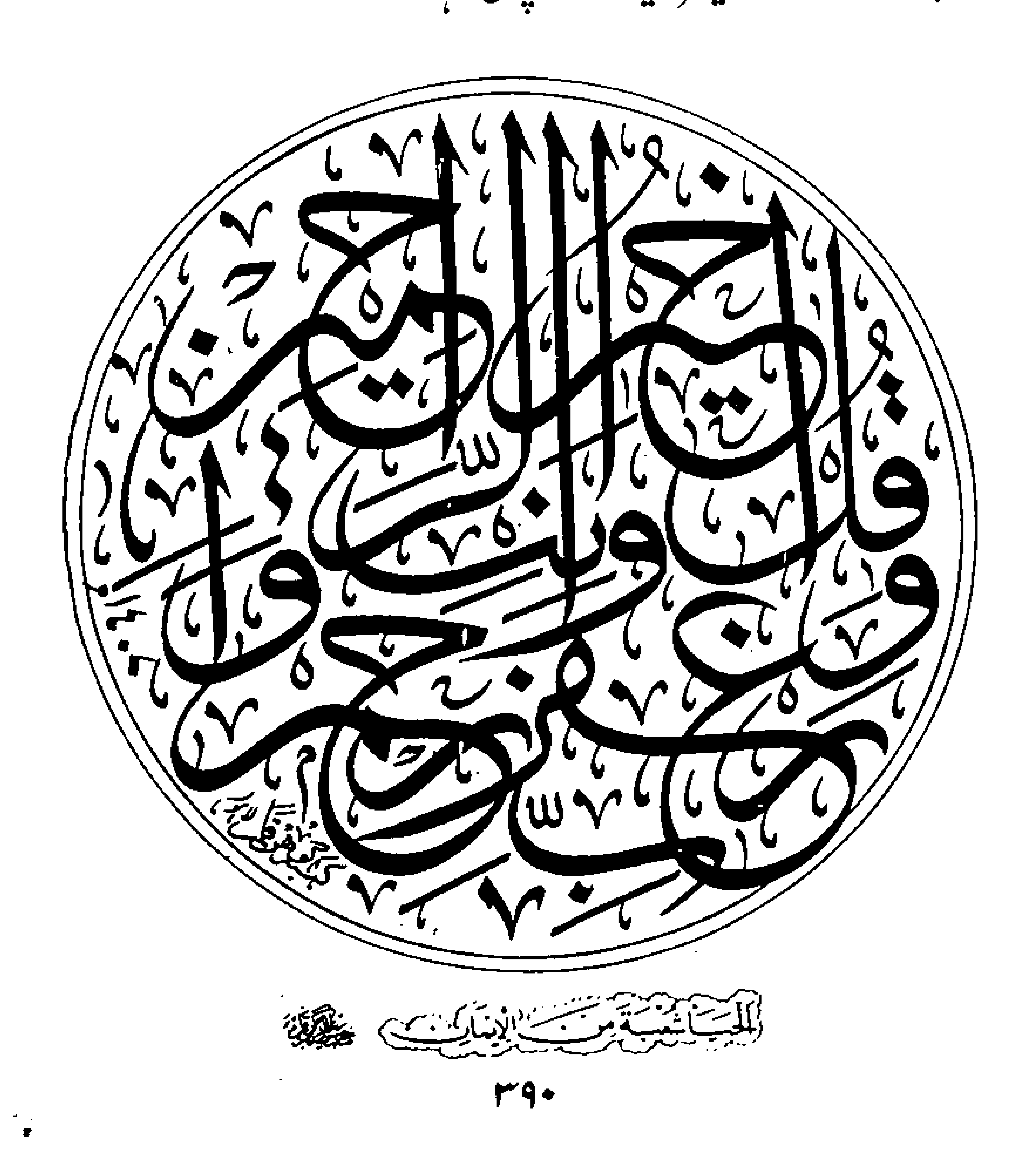
نماز فرض خدارا قضا بود

نماز صحبت مارا قضا نخواہد بود

یا یہ مصرع:۔

ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے

ایک روز ذرا طبیعت سنبھلی تو خاص خادموں نے عرض کیا کچھ دیر کے لئے گھر سے باہر تشریف لے چلیں آپ کی زیارت کے لئے بہت حضرات مضطرب ہیں- فرمایا- ''اچھا پرسوں باہر جائیں گے'' اور دوسرے ہی دن ۱۳ شوال ۱۲۸۲ء کو بعد عصر قبل غُرُوْبِھَا کی برکتیں سمیٹتے ہوئے یہ آفتاب طریقت غروب ہوگیا کوئی نہ سمجھا کہ پرسوں خالق حقیقی سے جاملیں گے اور وہ پرسوں آئی تو جنازہ گھر سے باہر نکل رہا تھا حضرت سید عالی قدر سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا کہ اگر تحریر ہوتیں تو ایک ضخیم کتاب درکار ہوتی آج بھی حضرت قدس سرہ کا فیض جاری ہے بعض پر خاص نظر کرم ہوتی ہے اور نسبت امامیہ سے مشرف فرمادیا جاتا ہے پھر وہ خوش نصیب ہر جگہ ممتاز نظر آتا ہے- شیخ عظیم صاحب تصنیف بھی تھے یہ سرمایہ ورثا کے پاس ہے-



مرشد کریم

حضرت مخدوم عالم قدوۃ السالکین حادی فرع واصول ماہر معقول ومنقول واقف اسرار خفی وجلی حافظ سید صادق علی شاہ نور اللہ مرقدہ - حضرت امام الاولیاء سیدنا امام علی شاہ قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے[1] اور جانشین تھے آپ ہی شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت تھے-

سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۲۵۰ھ میں ہوئی - ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد قدس سرہ کے قائم کردہ مدرسہ میں حاصل کی جہاں جلیل القدر علماء موجود تھے- فقہ صرف ونحو منطق وحکمت وغیرہ علوم مولوی غلام علی صاحب سے پڑھے- کتب حدیث فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی سے پڑھ کر سند حدیث حاصل کی- حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی ان دنوں طریقت میں استفاضہ کے لئے حضرت سیدنا امام علی شاہ قدس سرہ کی خدمت میں ہی رہتے تھے آپ کا شمار حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ کے اعظم خلفا میں ہوتا ہے- حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسی مدرسہ میں پڑھایا بھی تھا جہاں سے خود پڑھ کر فارغ ہوئے تھے- حضرت موصوف نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی ابھی ایک پارہ (نمبر ۳۰) کی شرح لکھی تھی پھر یہ کام رک گیا- اس تفسیر کا نام تفسیر صادقی ہے- اس کا قلمی نسخہ حضرت علامہ مفتی محمد محمود شاہ الوری نقشبندی مجددی سہروردی قادری چشتی نور اللہ مرقدہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے-

---

۱- چھوٹے صاحبزادے صاحب کا نام میر لطف اللہ تھا صاحب علم تھے- حدیث کی تکمیل کے لیے دہلی میں حضرت شاہ مسعود محدث دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا- شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ہی آپ کے بڑے بھائی سیدنا صادق علی شاہ صاحب کو علم حدیث میں تکمیل کرائی اور سند دی تھی-

بعد اتحاف دعوات و تحیات فراوان معروض آنکه

اگر خبر موحشی موجب تمام خواطر و موجب ضمائر است

اما بحکم ضرورت اخبار معاینه از تقدیر ملک قدیر حضرت جناب

در شب سه شنبه ... ماه شوال وقت غروب آفتاب

ندای ارجعی الی ربک ...

و در روضه بقاء مطلق پیوسته اند از ... عالم

حضرت سید صاحب ممدوح نے مجاہدات بھی فرمائے تعمیر کے کام میں درویشوں کے ساتھ شریک رہتے تھے مٹی اور گارے کے بھرے ٹوکرے اٹھاتے اور مزدوروں کی طرح پسینہ بہاتے مشقت فرماتے اور سختیاں جھیلتے تھے اور شب کو ذکر وفکر میں مشغول ہوجاتے تھے۔ صبح شام حلقہ میں شریک ہوتے تھے۔ آپ اپنے والد ماجد قدس سرہ کے دست حق پر ست پر بیعت ہو گئے تھے۔ جب مجاہدات و ریاضات کے ابتدائی مراحل طے ہو گئے تو سخت امتحانات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ آپ کے والد ماجد اور مرشد عظیم نے مسجد کے حجرہ میں چلہ کشی کے لئے حکم فرمادیا۔ دن رات ذکر وفکر وعبادات میں مشغول رہتے تھے۔ دن بھر روزہ رکھنے کے بعد جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا افطار کے لئے ملتا اور ایک ٹکڑا سحری کے لئے غذا کی قلت اور آرام کی کمی سے آپ کا جسم مبارک لاغر ہو گیا اور کمزوری اس قدر ہو گئی کہ چلنے پھرنے کی قوت بھی نہ رہی چالیسویں روز آپ کو حجرہ مبارکہ سے پالکی میں باہر لایا گیا۔ جب حضرت اقدس سید امام علی شاہ قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا گیا تو شیخ کریم پدر عظیم نے پانچ روپے[1] بطور نذرانہ صاحبزادہ عالیجناب کو پیش کئے ادباً صاحبزادہ معظم ہاتھ نہیں لگا رہے تھے مگر اصرار پر قبول تو فرمالئے لیکن جذب کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ حضرت اقدس والد گرامی کے پاؤں میں گر گئے دیر تک رقت طاری رہی محبت پدری کو جوش آیا جان پدر کو اٹھایا اور سینہ سے لگالیا۔۔۔ محبتوں کا سمندر جوش میں تھا ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے نے اپنے باپ کے سامنے کمالات کی عظمت حاصل کرلی تھی سبحان اللہ!

یوں ہی قلیل مدت میں جملہ مراتب سلوک طے کر کے مجاز طریقت ہو گئے تھے لیکن مجاہدات وریاضات میں شغف قائم رہا۔ تقریباً ۱۲۷۰ میں جب حضرت اقدس سید امام علی شاہ صاحب کو عارضہ قلب لاحق ہو گیا تو امامت کے فرائض حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے سپرد ہو گئے اور جب اعلیٰ حضرت کا وقت رخصت قریب ہوا تو صاحبزادہ عالی قدر سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کو تجدید بیعت کرائی اور فرمایا۔ ''میں تمہاری توبہ کا گواہ ہوں تم میری توبہ کے گواہ رہنا'' اور باقاعدہ مسند پر رونق افروز فرمادیا۔

---

[1] اس دور کے پانچ روپے بہت بڑی رقم تھی۔

والد ماجد قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت سید صادق علی شاہ صاحب نے زر کثیر کے صرف سے عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جو اس وقت کے اعتبار سے پنجاب کا سب سے بلند و بالا مقبرہ تھا پھر ایک بار حویلی میں آگ لگ گئی سب کچھ جل گیا تو آپ نے دوبارہ اس کی تعمیر کرائی چونکہ تعمیر کے کام کا شوق تھا جدید تعمیر پہلے سے زیادہ عالیشان ہوگئی۔

آپ کو گھوڑے سواری کا شوق تھا۔ اور یہ بات مشہور تھی کہ کیسا ہی شوخ جانور ہو آپ کے سوار ہوتے ہی رام ہو جاتا ہے۔

آپ سے کشف و کرامات کا بھی خوب ظہور ہوا۔ مثلاً آپ کو دنیا سے اپنی روانگی کا وقت معلوم تھا۔ جس کا اظہار ایک سال قبل فرما دیا تھا۔ آپ کے ذمہ ایک اہم امانت کی گئی تھی۔ جس کے لئے ۱۴ سالہ مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ (حضرت مفتی اعظم) کو دہلی سے مکان شریف بلا کر بیعت فرمایا اور ان کو وہ روحانی امانت سپرد کر دی جس کو نہ معلوم کب سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور ایک توجہ میں مرتبہ کمال کو پہنچا دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس راہ روحق کو دوبارہ صحبت مرشد میسر نہ ہوگی۔ جو دینا تھا اسی وقت دے دیا (اور حضرت علیہ الرحمہ ۲-۳ گھنٹہ بے ہوش رہے۔) اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف قبلہ سید صاحب کو وہ قدرت عطا فرمائی تھی کہ وہ ایک توجہ میں کسی کو مرتبہ فنا فی اللہ پر فائز کرا دیں اس واقعہ میں خاندان عالیہ نقشبندیہ کے اس نادر الوجود واقعہ کا عکس جمیل نظر آ رہا ہے جس میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مرشد گرامی خواجہ خواجگان حضرت محمد رضی الدین خواجہ باقی باللہ کی توجہات گرامی سے ایک شخص کو اپنا جیسا بنانے کی قدرت عطا فرمائی وہ بھی توجہات کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہوئے تھے عین ممکن ہے سیدنا صادق شاہ علی قدس سرہٗ نے اپنے مطلوب کو اپنا ثانی بنا دیا ہو۔ ان کی کوششیں اور دعائیں البتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر مقبول تھیں۔

مشہور مورخ مفتی غلام سرور لاہوری نے مخدوم سید صادق علی شاہ قدس سرہ سے ملاقات کی تھی اور اپنی کتاب حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۴۵ پر اپنے تاثرات بیان کئے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''حضرت امام علی شاہ صاحب کی وفات کے بعد سید صادق علی شاہ ان کے فرزندار جمند مسند ارشاد پر متمکن ہوئے جو اپنے والد کی طرح کی کمال خلیق و خوش خلق و مہمان نواز و صاحب دولت و جاہ ہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے جامۂ فقیری میں ان کو بادشاہت بخشی ہے سید صادق علی شاہ صاحب کی زیارت سے مؤلف کتاب بھی مستفیض ہوا ہے۔سبحان اللہ! کیا کہنا ہے نہایت بزرگ اور باخدا مرد ہیں درود شریف کا ذکر اکثر اوقات ان کی مجلس میں ہوتا ہے اور ذکر نفی و اثبات دائی ورد ہے اس سال حضرت کا جوان لڑکا فوت ہوگیا حضرت نے کمال صبر کیا اور کسی طرح کی شکایت زباں پر نہیں لائے۔

آخر ایام میں حضرت سید صادق علی شاہ صاحب علیل رہنے لگے مگر راضی برضائے الٰہی رہے اور بعارضہ بخار و استسقا ۲۱ رجب ۱۳۱۷ھ کو آغوش رحمت باری تعالیٰ میں آرام فرما ہو گئے۔

آپ کے صاحبزادہ نے یہ قطعہ فرمایا:

چو صادق علی پیشوائے زمن — بہ یکشنبہ رفتہ در ذوالمنن
زماہ رجب بست و یک بر شمار — کہ رفتند ازیں دار ذوالمحن
غلام رسول از پے سال او — بگفت الغفور است اے جان من

۱۳۱۷ھ

بیعت

وہ ایک روحانی خزانہ سینہ بسینہ سیدنا حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے پاس امانت تھا۔ جب روحانی امین شیخ عظیم کو آگاہی ہوئی کہ جلد ہی دنیا سے تشریف لے جانا ہے تو فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے خلیفہ اجل حضرت علامہ الحاج شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ کو الور خط لکھا۔

چنانچہ حضرت علامہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ الور سے دہلی آئے اور مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ (حضرت علیہ الرحمہ) کو ہمراہ لے کر مکان شریف (ضلع گورداس پور پنجاب، بھارت) پہنچے۔ حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنے مطلوب مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ، (حضرت علیہ الرحمہ) کو بیعت فرمایا تو جہہ تام ڈالی۔ مقامات قرب الٰہی کی سیر کرائی انوار اور اسرار منکشف ہوئے تجلیات کے ہجوم کی تاب نہ ہوئی۔ حضرت علیہ الرحمہ بے ہوش ہو گئے۔ جو کچھ امانت تھا سب دے دیا جو بنانا تھا اسی وقت ہی بنا دیا۔ چونکہ عمر بہت کم تھی اس لئے نگرانی تربیت اور تکمیل کی ذمہ داری ایک جلیل القدر عالم اور عارف اور مرشد کامل یعنی حضرت مولانا الحاج شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ کے سپرد کر کے رخصت کر دیا اسی سال سید عالی مرتبت حضرت صادق علی شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔

حضرت علیہ الرحمہ بیعت ہونے کے بعد بھی علوم ظاہری کی تکمیل میں مصروف رہے اور مقامات سلوک بھی طے کرتے رہے درسی تعلیم مکمل کر کے ۱۷ سال کی عمر سے علوم

۱۔ تفصیلی حالات کے لیے ''مقامات خیر'' اور ''فتاویٰ خیریہ'' مطالعہ کریں۔ مظہری

باطنی کا مطالعہ اور عبادات و ریاضات کی طرف توجہ بڑھی مقامات سلوک طے ہو گئے تو حضرت علامہ شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ نے حضرت علیہ الرحمہ کو مسند ارشاد پر رونق افروز فرمایا۔ چاروں سلاسل نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ میں تحریری اجازت نامہ اور صافہ بھی عنایت فرمایا۔

حضرت صاحب (شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ) کے علاوہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی اولاد پاک نہاد میں اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور عظیم روحانی پیشوا حضرت شاہ ابوالخیر[1] کے ہاں حضرت علیہ الرحمہ کا آنا جانا بڑھ گیا۔ حالانکہ یہ وہ جلالی دربار تھا جہاں عوام تو کیا خواص کو جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ نے اخلاص۔ روحانی استعداد اور علمی بصیرت کے سبب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے دل میں گھر کرلیا اور وہ بڑی شفقت سے پیش آنے لگے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ بڑے دقیق علمی مسائل چھیڑ دیتے تھے جو حضرت علیہ الرحمہ جیسے جوان العمر علماء کی فہم سے بالا ہوتے ہیں مگر حضرت علیہ الرحمہ اپنی خداداد صلاحیت، علمی بصیرت، دقّت نظر سے باآسانی اس پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے جس پر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ بہت مسرور ہوتے اور قدر فرماتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کو فن تجوید پر عبور تھا آواز دلکش اور لہجہ اثر انگیز تھا۔ حضرت شاہ صاحب فرمائش کرکے قران کریم سنتے اور محظوظ ہوتے تھے اور خصوصی توجہات سے نوازتے رہتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ ہوا خوری کے لئے دہلی کے روشن آرا باغ تشریف لے جاتے باغ کے ایک پرسکون گوشہ میں بیٹھ کر مراقبہ فرمایا کرتے تھے حضرت علیہ الرحمہ بھی تشریف لے جاتے۔ اسی گوشہ میں قدرے پیچھے مصلیٰ بچھاتے اور مراقب ہو جاتے

تھے۔ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا تصور حضرت علیہ الرحمہ کے خیالوں پر چھا گیا۔ وہ قرب محسوس ہونے لگا جو مرشد اور مرید کے درمیان ہوتا ہے بالآخر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ایک روز فرما ہی دیا۔ ''اب تو تم ہمارے مرید ہی ہو گئے۔''

حضرت شاہ صاحب کے منجھلے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر عالم عظیم المرتبت شیخ محقق مشرق اور بلند پایہ مصنف تھے کبھی کبھی کسی علمی معاملہ میں گفتگو کے لئے حضرت کے پاس تشریف لاتے تھے احقر نے یہ دیکھا کہ ان کو دیکھتے ہی حضرت علیہ الرحمہ سب کام چھوڑ دیتے انتہائی اخلاص و محبت سے گفتگو ہوتی حضرت علیہ الرحمہ کو ان کے آنے سے قلبی مسرت ہوتی جس کا اندازہ حضرت علیہ الرحمہ کے چہرہ سے بھی ہو جاتا۔ جب تک وہ تشریف فرما رہتے حضرت علیہ الرحمہ کسی کی طرف توجہ نہ دیتے۔ گویا وہ حضرت کے پیرزادہ تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی شاہ صاحب قدس سرہ کے گھرانہ میں قدر کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک بار عید کے موقعہ پر شاہزادگان شاہ ابوالخیر قدس سرہ نے درخواست کی کہ عید پر ہمیں شیروانی سلوانے کی اجازت عنایت فرما دیجئے حضرت شاہ صاحب نے سختی سے منع فرما دیا کہ خاندانی لباس انگرکھا ہی بنے گا۔ حکم عدولی تو ممکن نہ تھی۔ مگر دوسرے ہی دن انہیں سند ہاتھ آ گئی حضرت علیہ الرحمہ غالبًا دوسرے روز پہنچے تو صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا ''دیکھئے حضرت یہ مولانا مظہر اللہ شیروانی پہنتے ہیں'' حضرت شاہ صاحب نے ایک نظر حضرت علیہ الرحمہ پر ڈالتے ہوئے فرمایا۔ ''مولوی مظہر شیروانی پہنتے ہیں تو تم بھی پہنو'' یوں شاہزادگان والاشان کی بات بن گئی۔

حضرت علیہ الرحمہ نے مزارات میں سب سے زیادہ ظاہری و باطنی فیض سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین چشتی قدس سرہ العزیز کے ہاں سے پایا۔

فقیر محمد رکن الدین

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی یشرف اولیاء بتشریف الجذب الفناء ویکرمهم بتکریم السلوک والبقاء ۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسوله محمد افضل الانبیاء وعلی آله واصحابه خیر الاولیاء ۔ اما بعد میگوید احقر العباد مسکین محمد رکن الدین نقشبندی مجددی غفر الله ذنوبه وستر عیوبه که هرگاه بداعیهٔ الٰهی وجاذبهٔ سرمدی اعزی اکرمی مولوی حافظ مفتی محمد مظهر الله صاحب بارک الله فی علمه وعمله بر دست حق پرست حضرت قبله کونین اعلم العلما واعرف العرفا وارث دین نبی حضرت سید شاه صادق علی صاحب سجاده نشین آن قطب یگانه غوث زمانه سند الاصفیا امام الاولیاء حضرت شاه سید امام علی سامری نقشبندی مجددی ساکن مکان شریف عرف رتر چهتر بنسبت ارادت وعقیدت راست کرده بیعت کردند بعد یکسال ازین بیعت آن ذات جامع الکمالات ازین جهان فانی بعالم باقی رحلت فرمودند بعد رحلت بوجه قوت الطه از روحانیت آنحضرت مستفیض گشتند ومحنتها وریاضتها کشیدند ۔ الحال ازین فقیر بی بضاعت که ادنی زله ربای خوان نعمت حضرات این خانواده هست عزیز گرامی قدر سلمه استدعاء اجازت نامه کردند فقیر بدل وجان استدعاء آن عزیز گرامی شان قبول کرده بعد استخاره اجازت طریقهٔ علیه نقشبندیه که این عاجز را از حضرت سلطان الشریعت والطریقت وبرهان الحقیقت والمعرفت شیخ المشایخ حضرت مولنا مفتی رحیم بخش دهلوی الملقب بمسعود شاه نور الله مرقده خلیفهٔ اعظم حضرت سید امام علیشاه قدس سره ۔ حاصل است عزیز موصوف الصدر را که نبیرهٔ حضرت قبله گاهی مرشدی ست داده شد ۔ واجازت سلسلهٔ علیه قادریه وچشتیه که این حقیر را از حضرت قطب وقت خواجه ضیاء معصوم صاحب رحمة الله علیه که یکی از اولاد امجاد مشایخ حضرت امام ربانی غوث صمدانی مجدد الف ثانی رضی الله عنه بودند حاصل است عزیز مولوی محمد مظهر الله صاحب را اجازت این هر دو طریقه هم دادم تا بسعی تمام بر مریدان معتقدان تصرف وتوجه نموده بوصل وقرب خدای تعالی رسانند وازین سعی اجر عظیم واجر جسیم حاصل کنند ۔ الله تعالی بتصدق حبیب پاک صلی الله علیه وسلم وبرکت ارواح پاک بزرگان هر سه سلاسل عزیز الوجود مولوی صاحب را از جمیع حوادثات وبلیات مصئون ومحفوظ داشته برکات وفیوضات هر سه سلاسل جاری گرداند بمنه وکرمه فقط تحریر بتاریخ بیست وششم ماه ربیع الثانی ۱۳۴۵ ہجری

جوانی میں حضرت علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھا کر پیدل تشریف لے جاتے تھے بستی نظام الدین فتح پوری سے کم وبیش ۵ میل کا فاصلہ ہوگا۔ ریلوے لائن میں جو تختے بچھے ہوتے ہیں ان پر ایک ایک قدم رکھتے عصر سے پہلے پہنچ جاتے۔ عصر سے مغرب تک مزار شریف پر مراقب رہتے مغرب کی نماز پڑھ کر چلتے تو عشاء تک مسجد فتح پوری پہنچ جاتے۔ (بسوں کا رواج نہ تھا)

وہ سلسلہ نہ رہا تو پھر بھی کبھی کبھی تانگہ میں تشریف لے جاتے تھے چند بار راقم الحروف بھی ساتھ ہوتا تھا ایک بار راقم کو فرمایا۔ ''یہاں حاضری دیا کریں اگر پابندی کریں تو بہتر ہے۔'' پھر یہ واقعہ بتایا۔

ظاہری فیض

ایک بار حضرت علیہ الرحمہ حضرت سلطان الاولیا قدس سرہ کے مزار مبارک پر مراقبہ فرما رہے تھے دوزانو بیٹھے تھے کہ دامن میں ایک پیسہ کا سکہ گرا۔ حضرت نے سب طرف دیکھا باہر تشریف لے گئے صحن درگاہ میں بھی کوئی نہ تھا۔ سب طرف دیکھ بھال کر کے پھر بیٹھ گئے خیال آیا جب کوئی پھینکنے والا نظر نہیں آ رہا اور سکہ بھی بالکل دامن میں گرا ہے تو ممکن ہے صاحب مزار کا کرم ہوا ہو وہ پیسہ عرصہ تک جیب میں پڑا رہا ان دنوں خوب برکت ہوگئی تھی۔ بعض لوگوں نے محسوس کر لیا کوئی عزیز پیچھے لگ گئے اور انہیں جب یہ راز معلوم ہوا تو انہوں نے وہ پیسہ کسی طرح اڑا لیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کو علم ہوگیا تھا لیکن پردہ پوشی فرمائی۔ اگرچہ اس سکہ کے جانے کے بعد پیسہ کی وہ فراوانی تو نہ رہی البتہ کوئی کام بھی نہ رکتا تھا۔

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اپنے مرشد کریم حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک کے موقع پر مکان شریف تشریف لے جاتے تھے ''ذکر مبارک'' (تذکرہ سادات کرام مکان شریف) میں ۲ بار عرس کے موقع پر حضرت علیہ الرحمہ کی شرکت کی تصدیق ہو جاتی ہے عرس کے علاوہ بھی شاید جانا ہوتا ہو۔

بہر حال یہ تو یقینی ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کا اپنے پیر خانہ سے رابطہ رہتا تھا اور یہ کہ پیر خانہ میں حضرت علیہ الرحمہ کا جس قدر احترام کیا جاتا تھا کہیں اور اس کی نظیر ملنی مشکل ہے- مثلاً حضرت پیرزادگان عالی شان میں سے حضرت علامہ مولانا منظور احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے ایک مکتوب شریف کا عکس پیش کیا جارہا ہے- جو ایک شاہکار ہے حسن تحریر- حسن بیان- ادبی شان- شفقت کی جان- محبت کی پہچان سب جلوے نظر آرہے ہیں-

دینی اور علمی ذمہ داریاں حضرت علیہ الرحمہ کو ہمہ وقت مصروف رکھتی تھیں- عرس یا جلسہ جلوسوں میں شرکت کے لئے وقت کہاں ملتا تھا- جوانی میں بعض خصوصی تقریبات میں شرکت فرماتے ہوں گے عمر کے آخری پندرہ بیس سالوں میں یہ شرکت بھی برائے نام رہ گئی تھی- اس دور میں ایک طرف فتاویٰ- خطوط- مریدین- محبین و مخلصین کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا تو دوسری طرف صحت کی ناسازی بھی بڑھ رہی تھی- اس عرصہ میں بہت ہی کم کہیں جانا ہوتا تھا وہ بھی کسی خاص موقعہ پر کبھی کبھی-

البتہ چند بار بعض اولیاء کرام کے مزارات پر تشریف لے گئے- احقر عموماً خدمت میں رہتا تھا آنکھوں دیکھا حال مختصراً عرض ہے-

سادہ دن تھے یعنی عرس کا سلسلہ نہ تھا ایک صبح حضرت علیہ الرحمہ کے حکم پر حاضر ہوا تانگہ لانے کے لئے فرمایا جب تانگہ میں تشریف فرما ہوئے تو ارشاد ہوا نظام الدین (علاقہ کا نام بھی ہے) چلیں کسی کو اس پروگرام کی خبر نہ تھی- درگاہ کے پہلے دروازہ سے جاتے ہوئے درمیان میں پیر ضامن نظامی کا آفس تھا- دیکھتے ہی وہ لپکے سلام عرض کیا دست بوسی کی اور پیچھے ہولئے موصوف طویل قامت تھے- آنے جانے والوں کو اشارہ کرتے جارہے تھے کہ ایک طرف ہو جائیں- مزار مبارک کے قریب پہنچے تو قوال کو اشارہ کیا کہ ساز بند کردے کلام سناتا رہے حضرت علیہ الرحمہ مزار شریف کے قریب پہنچ

گئے پیر ضامن صاحب اور احقر باہر کھڑے تھے پیر صاحب نے کسی کو مزار کے قریب جانے نہیں دیا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد حضرت علیہ الرحمہ چند منٹ مراقب رہے اتنی دیر میں سب کو خبر ہوگئی تھی خواجہ حسن نظامی اور ان کے صاحبزادے۔ امام صاحب خلجی مسجد اور کئی حضرات جمع ہوگئے تھے وہاں سے فارغ ہوئے سب نے دست بوسی کی قریب ہی حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے حضرت علیہ الرحمہ نے وہاں بھی فاتحہ پڑھی خواجہ حسن نظامی کا مکان درگاہ سے قریب تھا بہت اصرار کیا تو حضرت علیہ الرحمہ تشریف لے گئے پر تکلف ناشتہ پیش کیا گیا۔ خواجہ صاحب کی خواہش تھی حضرت قبلہ دوپہر کا کھانا تناول فرمائیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے عذر کیا کہ فتاویٰ لینے جو آئیں گے وہ پریشان ہوں گے نصف گھنٹہ بعد روانہ ہوئے تمام حضرات درگاہ شریف کے باہر رخصت کرنے آئے جب تک تانگہ نظروں سے اوجھل نہ ہوا سب دست بستہ کھڑے رہے۔

ایک بار اور حاضری ہوئی اس موقعہ پر خواجہ حسن نظامی دہلی سے باہر تھے اور پیر ضامن نظامی بھی موجود نہ تھے امام صاحب خلجی مسجد نے پذیرائی کی اور اپنے حجرہ میں لے گئے تواضع کرنی چاہی تو حضرت علیہ الرحمہ نے منع کر دیا پانچ منٹ رکے احقر کے علاوہ بھائی احسان الٰہی بھی ہمراہ تھے۔ دوسرے روز بھائی احسان الٰہی نے پوچھا حضرت کل آپ نے مزار شریف پر قدمبوسی نہیں فرمائی اور پھول بھی نہیں لئے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا باہر آپ حضرات کھڑے دیکھ رہے تھے دور سے دیکھنے والے اس کو سجدہ سمجھ لیتے اور یہ ریت بن جاتی دوسری بات پھول کی وہ جس نے پیش کئے اس کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ پھولوں کی خوشبو سے مزار شریف اور اس کا ماحول مہکتا رہے ہمیں کیا حق پہنچتا ہے جو اس میں کمی کریں نہ پھول پیش کرنے والے سے اجازت لی اور نہ صاحب مزار سے۔ یہ کیسے مناسب تھا کہ پھول اٹھائے جاتے۔

ایک روز حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کی یاد نے بے چین کیا حضرت علیہ الرحمہ درگاہ

شریف تشریف لے گئے صبح ۱۰ بجے کا وقت ہوگا صدر دروازہ بند تھا حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ایک اور دروازہ گلی میں ہے آؤ اس طرف سے چلیں گلی کے دروازہ سے درگاہ میں آئے مزار شریف پر فاتحہ پڑھی اور تقریباً دس منٹ مراقب رہے اور واپس تشریف لے آئے (مسجد اور درگاہ میں صرف ایک خادم صفائی کر رہا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زید آغا کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں)

حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ رضی اللہ عنہ کا عرس تھا حضرت علیہ الرحمہ صبح تقریباً ۱۱ بجے پہنچے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا قاری ڈاکٹر محمد سعید علیہ الرحمہ (جو بعد میں اسی درگاہ شریف کے سجادہ نشین بنے) ہمراہ تھے۔ قرآن خوانی ہو رہی تھی مسند پر تشریف فرمانے کی درخواست پیش کی گئی جو بزرگ پہلے سے مسند پر تھے ان کو ہی مسند پر بیٹھنے کے لئے فرمایا اور حضرت علیہ الرحمہ قریب تشریف فرما ہو گئے ۔حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی قرأت فرمائی قل سے فارغ ہوئے دعا ہوگئی۔۔۔۔مجلس ختم ہوگئی۔

دعا کے بعد حضرت علیہ الرحمہ خواجہ اقدس کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے فاتحہ پیش کر کے باہر صحن میں آئے تو تمام حاضرین نے دست بوسی کی۔ وہاں سے حضرت علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار شریف پر حاضر ہوئے اور قریب ہی چند مزارات پر بھی گئے جہاں حضرت علیہ الرحمہ کے چند عزیز مدفون ہیں سب جگہ فاتحہ پڑھی اور واپس آ گئے۔

دریا گنج دہلی میں درگاہ صابری چشتیہ سلسلہ کی درگاہ ہے سجادہ نشین صاحب نے دو معززین کو لینے کے لئے بھیجا ان کے ہمراہ حضرت قبلہ درگاہ شریف پہنچے۔ قل میں شرکت فرمائی۔ دعا کے بعد تمام حاضرین نے حضرت علیہ الرحمہ کی دست بوسی کی مزار پر تشریف لے گئے فاتحہ پڑھی۔ منتظمین کی آرزو تھی کہ نماز ظہر کے بعد لنگر میں شرکت

فرمائیں حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا میں پہلے ہی عرض کر چکا تھا کہ ظہر کے بعد فتاویٰ کا وقت ہو جاتا ہے آپ نے قبول فرمالیا تھا اب مجھے اجازت دیں۔ مسجد کے صحن تک آئے تھے کہ قوال نے تبلہ پر ہاتھ مارا سجادہ نشین اور دیگر بزرگ جو رخصت کرنے آرہے تھے انہوں نے قوال کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا وہ خاموش ہو گیا جب تانگہ روانہ ہوا تو قوالی شروع ہوئی۔

حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت قبلہ کو خاص تعلق تھا۔ ایک بار ان کے عرس کے موقع پر تشریف لے گئے عصر کے بعد قرآن خوانی میں شرکت فرمائی مغرب کی نماز کے بعد قل شریف ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے حضرت آغا زید ابوالحسن فاروقی سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت کو اپنی لائبریری میں لے گئے۔ وہاں کھانے کا انتظام تھا جس میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ ہم طعامی کا شرف حاصل کیا دوران تناول علماء کچھ پوچھتے رہے حضرت علیہ الرحمہ جواب دیتے رہے احقر کو سخت ناگوار گزر رہا تھا کہ سب کھانا کھا رہے ہیں حضرت علیہ الرحمہ نے بمشکل ۳ نوالے نوش فرمائے حضرت زید ابوالحسن علیہ الرحمہ نے فرمایا بس بہت ہو چکا حضرت کو کھانا تناول فرمانے دیں۔ کافی اسرار پر ۲ نوالے اور لئے پھر ہاتھ روک لیا فرمایا الحمد للہ یہ کافی ہے۔

عشاء کی جماعت ہو چکی تو حضرت علیہ الرحمہ مزار کے احاطہ میں تشریف لے گئے یہاں ۴ مزارات ایک چبوترہ پر برابر۔ برابر ہیں ان میں ایک حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کا ہے لائن کا آخری مزار حضرت شاہ ابوالخیر صاحب علیہ الرحمہ کا ہے حضرت نے سب کے لئے فاتحہ پڑھی آخر میں شاہ ابوالخیر علیہ الرحمہ کے مزار پر چند منٹ خاموش کھڑے رہے اس وقت چند آنسو رخسار مبارک پر ڈھلک گئے۔ حضرت زید علیہ الرحمہ سے مصافحہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔

سلسلہ بیعت وارشادات

حضرت علیہ الرحمہ مسندارشاد پر کب رونق افروز ہوئے؟ اس کی حتمی وقطعی تاریخ تو نہیں ملی- تمام زندگی میں کتنے حضرات کو بیعت فرمایا؟ یہ تعداد بھی کہیں مذکور نہیں - مریدین کے پتوں کا کوئی ریکارڈ رکھا ہی نہیں- خاص مریدین کی بھی کوئی فہرست نہیں بنی- دنیا سے کس قدر طبیعت بے نیاز تھی نہ دیگر مشائخ سے مقابلہ کا خیال تھا- نہ مریدین کی تعداد پر فخر کرنا مقصود تھا نذرانے وصول کرنے کی عادت نہ تھی بلکہ خود اعانت فرماتے تھے-

سابقون الاولون میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا۔اب تو ان کو دیکھنے والے بھی اٹھتے جارہے ہیں کچھ پرانے اصحاب میں حاجی منظور احمد صاحب نے کسی کو بتایا تھا کہ وہ ۱۹۱۹ ء میں حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے تھے۔قیاس کہتا ہے کہ اس کارخیر کی ابتداء شاید ۱۱۔۱۹۱۰ء کے قریب ہوئی ہوگی۔ کیونکہ خانگی ذمہ داریاں (شادی) مسجد جامع کا اندرونی انتظام شاہی امام اور خطیب کا منصب۔ دارالافتاء کی نئے سرے سے اہتمام یہ سب ۱۹۰۴ سے ۱۹۱۰ء تک انجام پا چکے تھے۔

برادر طریقت جناب غلام قادر خان صاحب زید مجدہ کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود تقریباً ۱۹۳۹یا ۱۹۴۰ء میں بیعت ہوئے تھےاور بقول ان کے حضرت علیہ الرحمہ اس وقت تک خاص خاص حضرات کو بیعت فرماتے تھے۔عموماً طالبوں کو قبلہ حضرت صاحب (حضرت علامہ مولانا الحاج شاہ محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ) سے رجوع ہونے کی ہدایت فرماتے تھے۔تو حضرت قبلہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیہ الرحمہ کو تاکید فرمائی کہ جو بھی آئے اس کو آپ ہی بیعت کریں پھر حضرت علیہ الرحمہ سب کو بیعت کرنے لگے! شاید ۱۹۴۰ء کے قریب کی بات ہو۔

بیعت کے وقت حضرت علیہ الرحمہ کا دستور تھا کہ طالب کے نماز روزہ کی ادائیگی کے بارے میں اندازہ فرمالیتے تھے اگر کمی ہوئی تو پہلے یہی عہد کراتے۔ مثلاً ''نماز کی پابندی کرنی ہوگی''۔ یا'' شریعت کی پابندی کرنی ہوگی'' یا ڈاڑھی رکھنی ہوگی وغیرہ۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اہل خانہ کے ساتھ اچھا رویہ نبھانے کے لئے بھی زور دیتے۔

۶ ماہ مسلسل حاضر ہونے کے بعد احقر نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو ۳ سوال دریافت فرمائے۔ ا۔ والدین حیات ہیں؟ احقر نے جواباً عرض کیا صرف والد صاحب حیات ہیں۔ پھر پوچھا ''وہ آپ سے خوش ہیں؟'' جی ہاں احقر نے عرض کیا۔ پھر فرمایا ''بیعت ہونے کے لئے والد صاحب سے منظوری ن''؟ جی ہاں احقر نے عرض کیا اور حضرت علیہ الرحمہ نے بیعت فرمالیا۔ الحمدللہ!

مردوں کو بیعت کرتے وقت اپنے سامنے بٹھاتے ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر توبہ کراتے کلمات طیبہ کہلواتے خاندان کی وضاحت فرماتے توجہ ڈالتے اور پھر درود شریف اور استغفار کی ہدایت فرماتے تھے۔

عورتوں کو عموماً گھر میں بیعت فرماتے ان کے شوہر یا والدین (محرم) کی موجودگی میں پردہ کی پابندی کے ساتھ عموماً دوپٹہ یا چادر کا ایک سرا طالبہ کے ہاتھ میں دوسرا اپنے ہاتھ میں توبہ اور کلمات مبارکہ کہلواتے توجہ نہیں ڈالتے تھے۔ مرید ہونے کے بعد بھی پردہ قائم رکھنے کا حکم دیتے۔

ہر بیعت ہونے والے کو صبح شام درود شریف اور استغفار پڑھنا لازمی تھا۔ خصوصاً مبتدیوں کے لئے یہ ہی سبق تھا عموماً بیعت کے وقت توجہ ڈالتے اور مریدین کی استعداد کے مطابق ذکر اسم ذات بھی تلقین فرماتے تھے۔ بعض کے لئے مخصوص دعائیں ان کے حالات ضرورت استعداد کے مطابق تجویز فرمادیتے پھر جو خدمت شریف میں حاضر ہوتے رہتے

تھے ان کی روحانی ترقی کا سلسلہ بھرپور طریقہ سے جاری رہتا تھا- راہ سلوک میں جو رکاوٹیں آتیں وہ دور ہو جاتیں اور منزلیں قریب ہوتی جاتیں-

حضرت علیہ الرحمہ مرید کرنے سے پہلے یا بعد میں بھی کسی کی مالی حالت جاننے یا کسی کے منصب و مرتبہ کا حال معلوم کرنے کی زحمت گوارہ نہ فرماتے تھے-

البتہ اپنے مریدین کی دینی اور دنیاوی ترقی میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے- دنیاوی معاملات میں بھی راہنمائی فرماتے تھے-

دور دستاں را بہ احسان[1] یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمری افگند

حضرت علیہ الرحمہ کے روحانی فیوض و برکات کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا- دور دراز شہروں میں طالبان حق حضرت کے دامن رحمت کے سایہ میں آنے کے متمنی تھے اور حضرت علیہ الرحمہ نے اکثر پاکستانی طالبوں کو مشورہ دیا کہ ''بہتر یہی ہے کہ وہیں کسی مرشد کو تلاش کریں کہ صحبت بھی میسر رہے'' کسی نے مزید رہنمائی چاہی تو حضرت مولانا الحاج مفتی محمد محمود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یا کسی اور بزرگ کا جو قریب ہوں نام تجویز فرمادیا کرتے تھے-

کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے جو براہ راست صرف حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے پر بضد تھے ان کے لئے غائبانہ بیعت کا طریقہ تجویز فرمادیا- آپ نے بتایا کہ ''اپنے داہنے ہاتھ کو میرا ہاتھ تصور کرتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر ایمان مفصل اور اس کا ترجمہ پڑھیں اور کلمہ شہادت اور کلمہ توحید پڑھیں اور میرا نام لے کر جس خاندان میں بیعت ہونا چاہیں (مثلاً) میں نے اس کے ہاتھ پر اس خاندان میں بیعت کی کہیں پھر مجھے اس کی اطلاع دے دیں'' اپنی پسند بھی بتادیتے کہ خاندان نقشبندیہ میں بیعت کیا جائے گا-

---

۱- یہ شعر صائب تبریزی کا ہے- کلیات صائب صفحہ ۵۰۳- ''غبارِ خاطر'' از مولانا ابوالکلام آزاد میں دونوں طرح لکھا ہے- صفحہ ۱۹۲- صفحہ ۲۹۰

اس کے جواب میں حضرت بیعت میں قبول فرماتے اور خاندان کی وضاحت فرمادیتے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کرلیا ہے اور حسب ضرورت ہدایات تحریر فرمادیتے اوراد میں درود شریف اور استغفار صبح شام ایک ایک تسبیح اور شجرہ کا مطالعہ شجرہ شریفہ تو ہر ایک کو عطا فرمادیا جاتا کہ اس میں بعض بنیادی ہدایتیں درج ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ نے پوری زندگی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا کبھی ہدایت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہی وہ محرک تھا جس نے ایک لاکھ خطوط پڑھنا ایک لاکھ جواب تحریر کرنا اور ڈاک خرچ خود برداشت کرنا سہل کردیا ورنہ خدمت دین اور اصلاح مریدین کی ایسی مثال کہاں ملے گی۔ مراسلت کے ذریعہ بھی ہزاروں مریدین کی اخلاقی اور روحانی تربیت فرمائی اور سلوک کی منزلیں بھی طے کرادیں۔

ان مکاتیب گرامی میں مریدین کے دنیاوی مسائل بھی سلجھادیے اور ان میں ایسا دلنشین پہلو بھی نکال لیا جس میں معرفت کے اسرار، تصوف کے مسائل سلوک نقشبندیہ مجددیہ کے اسباق مکتوب الیہ کی صلاحیت کے مطابق سمجھادیے گئے۔ ایک ہی موضوع پر جو مختلف انداز سے بتایا گیا اس کو یک جا کیا جائے تو سبق کے اکثر پہلو سامنے آجاتے ہیں اور بہت سے سوالوں کا جواب مل جاتا ہے طریقت کے بنیادی امور مثلاً ذکر۔ مراقبہ۔ توجہ الی اللہ رضائے الٰہی صبر و شکر حضوری دوام کی تعلیم دی گئی ہے۔



حضرت صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت علامہ الحاج شاہ محمد رکن الدین الوری نقشبندی مجددی قادری چشتی سہروردی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور عظیم المرتبت شیخ طریقت تھے۔ آپ ممتاز اہلِ قلم بھی تھے۔ ان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی تھی یہ وہ تھے کہ جب اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی کے ایک قوی النسبت اور باصلاحیت مرید کا انتقال ہوا اور حضرت شاہ علیہ الرحمہ افسردہ تھے اس وقت مولانا رکن الدین جیسے باصلاحیت اور خوبیوں والے طالب کو بیعت فرما کر حضرت شاہ محمد مسعود صاحب کو تسکینِ خاطر ہوگئی یہ ان کے نعم البدل تھے۔

o یہ وہ تھے کہ...... جب راہ سلوک طے کر رہے تھے تو بڑے پیرزادے صاحب (حضرت مفتی محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ) نے ایک روز فرمایا۔ ''آیئے خلیفہ صاحب ہم تو آپ کو خلیفہ کہیں گے۔'' یہ پیشن گوئی پوری ہوگئی لیکن خاص بات یہ ہے کہ تمام خلفاء میں آپ ممتاز ہوئے سب سے زیادہ کام اور سب سے مشہور نام آپ کا ہی ہے۔

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو حضرت مولانا ہدایت علی نقشبندی نے اپنے شیخ کا قابل فخر مرید قرار دیا۔[1]

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو ان کے مرشدِ گرامی نے تعویذات کی اجازت اس طرح دی کہ تم جو چاہے لکھ دو اس میں اثر ہو جائے گا۔[2]

۱۔ مولوی مسعود صاحب کی کیا تعریف کیجئے جن کے مرشد سید صاحبؒ (امام علی شاہ) اور ان کے طالب اور مرید مولوی رکن الدین جیسے ہوں ''معیار السلوک دافع اوہام وشکوک۔'' مصنفہ حضرت علامہ ہدایت علی نقشبندیؒ

۲۔ میاں تمہاری تو پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں جو چاہو لکھ دیا کرو، بزم جاناں ص ۳۴



مزارِ مبارک حضرت شاہ محمد رُکن الدّین الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو ان کے مرشد گرامی نے فرمایا۔ ''اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسلام کو قوت ملی ہماری سلسلے کو مولوی رکن الدین صاحب سے ایسا ہی فروغ حاصل ہوگا۔

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے روضہ پاک کی از سر نو تعمیر کے وقت سنگِ بنیاد رکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو روضہ مقدسہ حضرت امام ربانی کی از سر نو تعمیر کی نگرانی سونپی گئی۔

o یہ وہ تھے کہ...... جنہوں نے پیدل حج ادا فرمایا۔ کبھی سفر میں ہوں یا وطن اپنے معمولات عبادات اور اوراد کی ناغہ نہ فرمائی۔

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو سرکار امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد پاک نہاد میں سے ایک رفیع القدر ہستی حضرت پیر ضیائے معصوم رحمتہ اللہ علیہ نے باشارہ کعبتہ اللہ خلافت واجازت سے نوازا سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ سلسلہ قادریہ اور چشتیہ کی نسبتیں عطا فرمائیں اور سلسلہ اویسیہ کی نسبت بھی بہم پہنچائی ان سلاسل کا تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا۔[1]

o یہ وہ تھے کہ...... جن کو سرور عالم کی زیارت ہوئی۔ صبح ہی مسجد نبوی ﷺ کے باہر ایک شخص کو دیکھا جو چوغے بیچ رہا تھا ان میں سے ایک سبز رنگ تھا جیسا حضور اکرم ﷺ کو خواب میں زیب تن فرمائے دیکھا تھا۔ وہی خرید لیا۔

o یہ وہ تھے کہ...... جن کے دست حق پرست پر بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور ہزاروں فرزندان توحید نے توبہ کی اور اپنی آخرت سنواری۔

حضرت صاحب کی تاریخ پیدائش دستیاب نہ ہوسکی۔ آپ کی ولادت دہلی سے قریب ضلع گوڑگاؤں کے قصبہ کھیڑالہ میں ہوئی تھی۔ جب آپ عمر شریف ۶ سال کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔ تو آپ اپنے ماموں شیخ فریدالدین رحمتہ

اللہ علیہ کے پاس الور آ گئے اور ان کی کفالت میں رہے ماموں موصوف صاحبِ علم تھے ان کی سرپرستی میں اچھی تعلیم و تربیت میسر آ گئی۔ بڑے ہوئے تو مزید تعلیم کے لیے دہلی آ گئے۔ حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے دارالعلوم میں داخل ہوئے درس حدیث شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے لیتے تھے۔ اسی عرصہ میں استاد مکرم کا قرب نصیب ہوا اور ان کی عظمت دل نشین ہوگئی۔ طالب ہوئے بیعت سے مشرف ہو گئے منازل سلوک طے کر لیں خلافت سے نوازے گئے۔ آپ نے طب پڑھی لیکن مطب نہ کھولا۔ فن خطاطی میں کمال حاصل کیا۔ لیکن پیشہ نہ بنایا۔

حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ ذمے دار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ اسی لیے ان کے مرشد کے پیرزادہ سیدی صادق علی شاہ قدس سرہ نے حضرت شاہ محمد مظہر اللہ، کو (جب کہ ان کی عمر ۱۲ سال تھی) لانے کے لیے الور خط لکھا کہ دہلی جا کر مولوی مظہر اللہ سلمہ (حضرت علیہ الرحمہ) کو اپنے ہمراہ مکان شریف (پنجاب) لے آئیں اس وقت کے حالات میں یہ ذمہ داری صرف حضرت صاحب ہی کے سپرد کی جا سکتی تھی۔ سید صاحب قدس سرہ نے حضرت علیہ الرحمہ (مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ) کو بیعت فرمایا، روحانی امانت سپرد کی۔ حضرت صاحب کو ان کا نگراں مقرر فرمایا۔ ضروری ہدایات صادر فرمائیں اور رخصت کر دیا۔ حضرت صاحب نے یہ ذمہ داری احسن طریقے پر ادا کی، جب حضرت مفتی مظہر اللہ علیہ الرحمہ جوان ہو گئے، ان کی تربیت ہوگئی تو ان کو اجازت دے کر مسند مرشد پر رونق افروز فرما دیا۔

یہ ساتھ زندگی بھر نبھایا حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ برابر دہلی تشریف لاتے رہے۔ دونوں حضرات کی یگانگت مثالی تھی۔ دونوں حضرات بہت حسین و جمیل تھے ایک ہی قسم کا لباس زیب تن فرماتے ہلکے بادامی رنگ کا الوری صافہ باندھتے جاڑوں میں ایک ہی وضع کا دوشالہ اوڑھتے اور ایک ہی مسند پر رونق افروز ہوتے بقول غلام قادر خان زید مجدہ اس حال میں بیٹھتے تو فرشتوں کی محفل معلوم ہوتی دونوں حضرات ایک

ا۔ نقل خلافت نامہ بزم جاناں میں موجود ہے۔

دوسرے کا بہت احترام کرتے۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس لیے احترام فرماتے کہ شاہ محمد مظہر اللہ ان کے پیرزادہ تھے۔ حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ اس لیے احترام فرماتے تھے کہ حضرت صاحب ان کے دادا کے خلیفہ اور ان کے نگران و پیر تربیت و اجازت تھے۔ دونوں حضرات عالم دین اور شیخ طریقت اور شریف النفس تھے احترام کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ دونوں حضرات کے مریدین میں دوئی نہ تھی جو حضرت صاحب کا مرید تھا۔ وہ حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو بھی اپنا پیر مانتا اور جوان کا مرید ہوتا وہ حضرت صاحب علیہ الرحمہ کو بھی اپنا پیر جانتا تھا یہی حال مرشدان گرامی کا تھا۔ مریدین میں تفریق نہ فرماتے تھے قربتوں اور محبتوں کا کوئی موقع نہ چھوڑتے تھے۔ حضرت صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد محمود احمد شاہ صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت مفتی اعظم کی بڑی صاحب زادی صاحبہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ یوں دونوں بزرگ آپس میں رشتے کے اعتبار سے سمدھی ہو گئے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے دونوں صاحبزادگان (حضرت علامہ مفتی حکیم محمد مظفر احمد صاحب اور حضرت علامہ الحاج مفتی حکیم محمد مشرف احمد صاحب) کو حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ان کی تکمیل کرا کر دونوں حضرات کو والد ماجد نے اجازت و خلافت سے نوازا۔

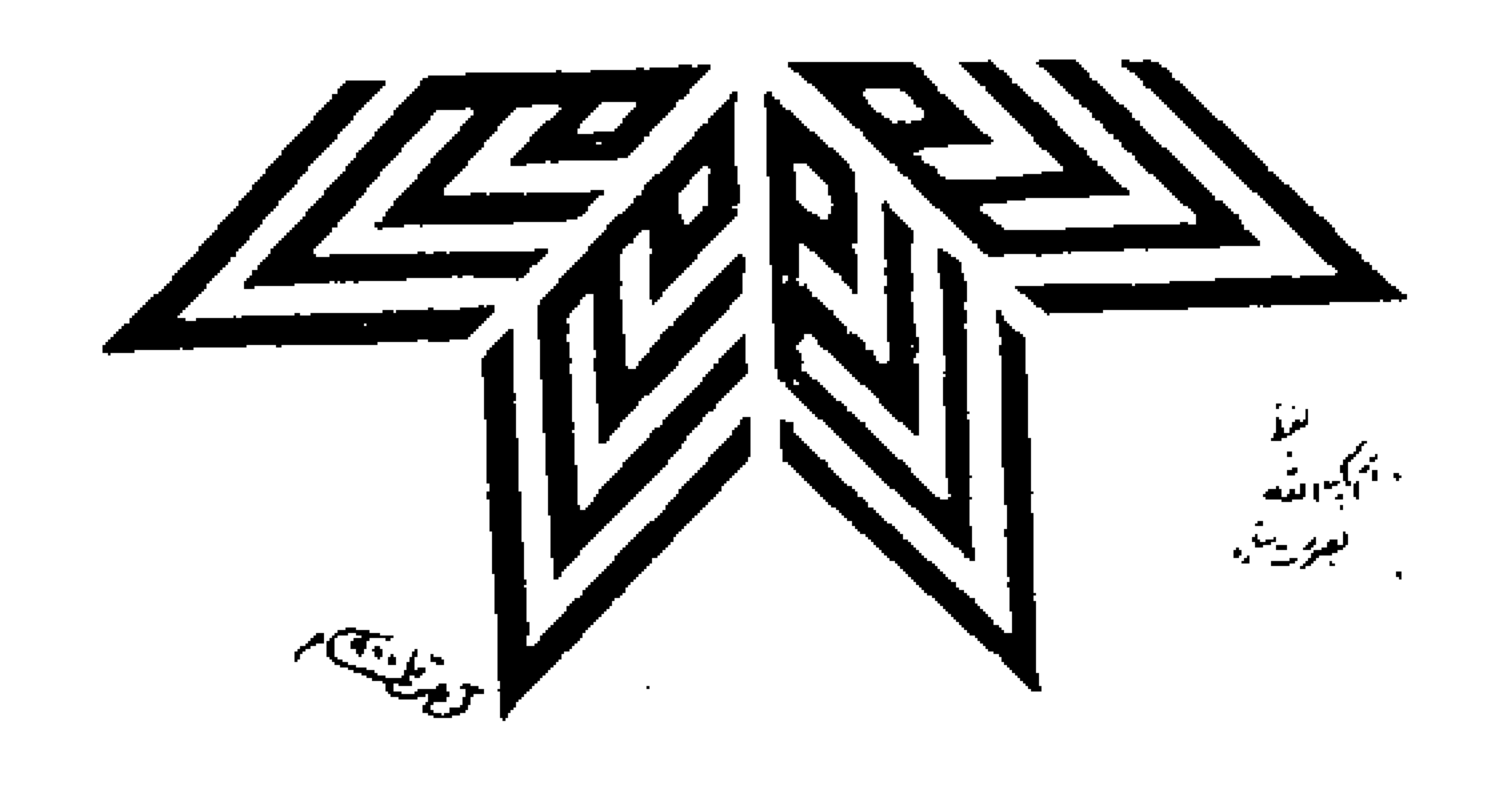
حضرت صاحب رحمتہ اللہ نے دنیا سے اپنی روانگی کا اعلان فرما دیا تھا آخر وقت میں اپنے خاص الخاص محبوبوں کو نگاہوں کے سامنے رکھا۔ بوقت رخصت بھی پیر خانہ کی محبت تمام تعلقات اور رشتوں پر غالب تھی۔ یہ سچی محبت کی مثال تھی۔ ۲۱ شوال کو رات کے ۱۲ بجے تک آخری دیدار کے لیے آنے والوں کو فارغ کیا جا چکا تھا۔ اب صرف پیرزادگان کی معیت تھی۔ سامنے حضرت مولانا مفتی عبدالمجید محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ اور ان کے صاحبزادے نائب مفتی اعظم شاہ محمد مشرف علیہ الرحمہ سے گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا دعا کریں حضرت صاحب نے دعا فرمائی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں ساتھ رکھا اسی طرح جنت میں بھی رکھے۔

آمین۔ کن کا ساتھ مطلوب تھا وہاں ایک مرشدزادے تھے۔ ایک مرشد کے پوتے تھے ایک مرشد کے پڑپوتے تھے۔ رخصت کا وقت قریب ہورہا تھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا تلاوت کلام مجید کی جائے۔ حضرت مفتی محمد مظہر اللہ شاہ نے سورہ یٰسین شریف کی تلاوت شروع کی لیکن رقت میں اضافہ ہوگیا پڑھا نہیں جارہا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے مفتی محمد مشرف احمد کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہوکر تلاوت کریں انہوں نے تلاوت شروع کی نبض کی رفتار بدلنے لگی ۲ بج کر ۱۰ منٹ پر آخری ہچکی کے ساتھ واصل باللہ ہوگئے۔

بے شمار کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔ تبرکاً ایک پیش ہے۔ من جملہ یہ کہ کوئی سالک ایک عرصہ سے ایک مقام پر اٹکے ہوئے تھے بڑے بڑے بزرگوں کے پاس گئے کام نہ بنا حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنا مدعا بھی عرض نہ کیا تھا کہ حضرت صاحب اپنے دست مبارک سے پان پیش کیا پان کھاتے ہی ان کا مسئلہ حل ہوگیا اور پرواز شروع ہوگئی۔

آپ صاحب قلم تھے آپ کی مشہور و معروف تصنیف رسالہ رکن دین آج بھی اسی قدر مفید اور مشہور ہے۔ جیسی پچاس برس پہلے تھی توضیح العقائد اہل سنت کے عقائد پر عمدہ تصنیف ہے اور روح الصلوٰۃ تیسری مشہور تصنیف ہے۔

حضرت صاحب سے طریقت کا کام خوب پھیلا۔ تفصیلات کے لیے بزمِ جاناں مصباح السالکین وغیرہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔



کونوا مع الصادقین(القرآن)

(سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

یک زمانہ صحبتِ با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ان کی صحبت مبارکہ میں دینی و دنیاوی اخلاقی تمدنی معاشی عرفانی علمی غرض ہر قسم کی تعلیم تربیت اور فیوضات نصیب ہو جاتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت شریفہ میں حاضر رہنے کا وقت محدود تھا لیکن صحبت مبارکہ کا فیض تو محدود نہ تھا۔ روزانہ بعد نماز ظہر دو ڈھائی گھنٹے کے لیے دارالافتا کھلتا تھا۔ ہر قسم کے لوگ آتے تھے اپنا اپنا دامن مراد بھر لے جاتے تھے مقامی طور پر فتاویٰ حاصل کرنے والے، زبانی مسائل پوچھنے والے اپنی مشکلات کا حل چاہنے والے، کوئی عشق میں مبتلا کوئی مصیبت میں گرفتار۔ کوئی جورو کا رونا رو رہا ہے۔ کوئی بھائی کی جفا کا شکوہ لیے بیٹھا۔ کوئی علمی مسائل پر گفتگو کرنے آیا ہے تو کوئی روحانی فیض کے لیے دامن پھیلائے بیٹھا ہے۔ حجرہ شریف میں داخل ہونے سے پہلے بے قرار تھا اور جب حجرہ سے باہر آیا تو امیدوار ہے۔

بھائی مظہر الدین کمرے میں داخل ہوئے مصافحہ کیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کے دائیں جانب ایک کونے میں دو زانو دست بستہ، آنکھیں جھکی ہوئی خاموش مراقب بیٹھ گئے۔ آدھا گھنٹہ پونا گھنٹہ گزر گیا ذرا جنبش نہیں ہوتی۔ پھر اُٹھے تو مصافحہ کیا اور روانہ سالوں گزر گئے کبھی بولتے نہ دیکھا مگر حضرت علیہ الرحمہ بھی کچھ نہ بولتے تھے۔ یہ کیسی ملاقات تھی؟ کیا رمز تھے؟ کم گوئی کا نمونہ یہ تھا...... بسیار گوئی کا بھی ملاحظہ ہو۔

کچھ دن ایک عورت آتی تھیں (دیوانی لگتی تھیں) مہینہ دو مہینہ غائب پھر آنے لگتیں ۴۰ سال سے زائد عمر، بہت موٹی کالی سر کے بال کھلے، دوپٹہ غائب باتیں کیے جاتی تھیں پھر منہ بنا کر شکایت کرتی تھیں۔ ''مولوی صاحب آپ لکھے جاتے ہیں میری باتیں نہیں سنتے قلم روک کر حضرت فرماتے میں تمہاری باتیں سن رہا ہوں۔ وہ کہتیں اچھا بتاؤ میں نے کیا کہا اور حضرت ایک دو باتیں سنا دیتے وہ مطمئن ہو جاتیں۔ احقر کو یہ انداز گفتگو برا لگتا، جی چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر نکال دوں مگر حضرت علیہ الرحمہ کے چہرہ انور پر خفگی کے کوئی آثار نہ ہوتے - یا اللہ یہ کیسا تحمل تھا؟ یہ کیسی دلداری تھی؟

ایک برادر طریقت حاجی احسان الٰہی عرس میں شرکت کے شوقین کسی دور شہر سے عرس منا کر کافی دن بعد آئے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے پوچھ لیا۔ ''اس بار عرس میں خوب دل لگا؟'' کہنے لگے۔ ''وہاں سجادہ صاحب نے روک لیا تھا میں جہاں جاتا ہوں حضور کا نام لیتا ہوں لوگ بڑی عزت کرتے ہیں پھر جب روانہ ہوتا ہوں تو آپ کی خدمت میں سلام کہلواتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے حضرت سے ہمارے لیے دعا ضرور کرانا سو میں عرض کر دیتا ہوں لیکن اس بار سفر میں ایک ایسے صاحب ٹکرا گئے۔'' ایک دو باتیں خلاف کہیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے بات کاٹی فرمایا۔ ''انہوں نے تمہاری بہت خاطر کی ہوگی تم ان کے گہرے دوست ہو گئے جب ہی تو اپنی نیکیاں ان کے حساب میں لکھوا رہے ہو اور ان کے گناہ اپنے ذمے لے رہے ہو خیر تمہاری دوستی جو چاہے کرو مگر ہم غیبت میں شریک نہیں ہو سکتے۔'' بھائی احسان الٰہی چونک گئے، توبہ کی کانوں پر ہاتھ رکھے حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی مگر اس شخص سے بھی معاف کرانا چاہئے چونکہ اس کو تلاش نہیں کر سکتے تو اس کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔''

بھائی احسان نے ایک بار کسی عرس سے واپسی پر تبرک پیش کیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''آپ نے عرس میں شرکت کی اور تبرک بھی خوب کھایا آپ خود تبرک ہو گئے آپ سے ملاقات ہوگئی برکتیں مل گئیں تبرک لانے کی کیوں زحمت کی۔'' بھائی احسان نے وضاحت کی مٹھائی تو سجادہ صاحب نے مجھے دی تھی۔ یہ پھول میں نے

مزار شریف سے اُٹھائے اور حضرات کو بھی ۲۔۲، ۴۔۴ پتیاں دے دیں باقی آپ کی نذر ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ "یہ تم نے اچھا نہ کیا۔ پہلی بات تو یہ کسی سے اجازت نہیں لی۔ سجادہ صاحب نے مٹھائی دی تھی اگر وہ پھول بھی دیتے تو مضائقہ نہ تھا جو پھول پیش کرتا ہے وہ چاہتا ہے فضا میں خوشبو پھیلے جو مزار پر فاتحہ پڑھنے آئے۔ اس کو پھولوں کی خوشبو سے راحت ملے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ پھول پتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں، حمد وثنا کی برکت سے صاحب مزار کو بھی فائدہ ہوتا ہے ان کو کیوں محروم کیا اب تو صاحب عرس کو حق ہے کہ آپ سے ناراض ہو جائیں۔"

بھائی احسان الٰہی بہت سادہ لوح تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں کسی نے تذکرۃً کہہ دیا "احسان الٰہی بے وقوف آدمی ہیں" حضرت علیہ الرحمہ نے ٹوک دیا۔ "یہ ضرور ہے کہ وہ ایسے ہی ہیں لیکن جب اپنے بارے میں سنیں گے تو ان کو رنج ہوگا۔ اگر یوں کہہ دو کہ "بھولے آدمی ہیں" تو ان کو برا بھی نہیں لگے گا۔ یوں بھی پیر بھائیوں کا احترام اور آپس میں محبت میں میری خوشنودی ہے۔"

ایک عورت حاضر ہوئیں عرض کیا۔ "میرا لڑکا اوّل تو پابندی سے کام پر جاتا نہیں جب جاتا ہے تو کما کر اپنے پاس رکھتا ہے۔ مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا۔ کتنا سمجھایا کہنا نہیں مانتا ایسا تعویز دے دو جو میرا کہنا ماننے لگے۔"

حضرت علیہ الرحمہ نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "پانچوں وقت نماز پڑھتی ہو؟" "نہیں، حضرت صاحب کبھی کبھی پڑھتی ہوں۔" اس عورت نے جواب دیا پھر حضرت علیہ الرحمہ نے کہا "آخر تو وہ تمہارا بیٹا ہے کبھی کبھی تو وہ بھی کہنا مان لیتا ہوگا؟" "جی ہاں کبھی کبھی تو مانتا ہے۔" حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ "اب شکایت کیسی تم کبھی کبھی اللہ کا کہنا مانتی ہو تمہارا بیٹا بھی کبھی کبھی تمہارا کہنا مان لیتا ہے۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو تو وہ تمہارا کہنا مان لے گا۔"

ایک اور عورت آئیں انہوں نے کہا میرا لڑکا جوان ہو گیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر محلے کے لڑکوں سے لڑ پڑتا ہے، ذرا ہاتھ پیروں میں جان ہے جس کو چاہتا ہے اپنے ساتھیوں کو

مارتا ہے پھران کے ماں باپ شکایت کرتے ہیں اوران سے بات بڑھتی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''تمہارے پڑوسی کیسے ہیں؟''

عورت نے کہا۔ ''اجی وہ بھی بڑے خراب ہیں مگر مجھ سے کوئی منہ نہیں لگتا ایک کی چار سناتی ہوں سب کو سیدھا کر دیا۔'' حضرت نے فرمایا۔ ''بیٹے کا تو کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ جیسا تم نے مدرسہ کھولا ویسا ہی شاگرد تیار ہوا، تم اپنا رویہ ٹھیک کرو پڑوسیوں کو خوش رکھو تو بیٹا بھی ٹھیک ہو جائے گا۔'' عورت نے بڑی لجاجت کی میرے بیٹے کے لیے دعا کر دیں تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''ہم تو تمہارے لیے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' حضرت علیہ الرحمہ وہ طبیب حاذق تھے جن کی نگاہ مرض کے اسباب پر رہتی تھی۔ محض ان کی صحبت مقدسہ ہی شفا تھی۔

ایسے سیکڑوں بلکہ پندرہ سالوں میں ہزاروں واقعات گزرے کاش لکھ لیے جاتے تو عقل کا خزانہ ہوتے- ہدایت کا مینارہ ہوتے۔ چند واقعات نموناً لکھ دیے جن پر اچھی طرح اعتماد تھا احتیاط کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہی دی ہے، مراد تو یہ بتانا ہے کہ وہاں ایک مختصر وقت میں بھی کیسی تربیت ہوتی تھی ان کی صحبت کیسی اکسیر تھی۔



کرامات

وَاثْبُتَنَ لِلاَ وْلِیَاءِ الْکَرَ امَۃُ وَمَنْ نَفَاھَا فَانْبُذَنَّ کَلَامَہٗ

اولیا کرام کی کرامات ثابت ہیں جو ان کا انکار کرے اس کی بات رد کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیا علیہم السلام کو بھیجا سب سے پہلے انہوں نے اللہ سبحانہ کی پسند کے مطابق زندگی گزار کر دکھائی اور وہ کردار پیش کیا جو انسان کی فلاح کا ضامن ہے جب قوم نے ان کے کردار کی بلندی اور اخلاق کی عظمت کو محسوس کر لیا تو انہوں نے اعلان نبوت کیا اور تبلیغ دین فرمائی جب لوگوں نے شک کیا تو انہوں نے معجزہ دکھایا۔

اولیا اللہ انبیاء کے نائب ہوتے ہیں اور تبلیغ دین ان کے فرائض میں شامل ہوتی ہے۔ یہ بھی اعلیٰ کردار پیش کرتے ہیں اور اللہ جل جلالہ ان کو کرامات سے نوازتا ہے جس کا حسب ضرورت اظہار فرماتے ہیں۔

اہل اللہ اپنے کردار کو حضور اکرم ﷺ کی اتباع سے اعلیٰ بنا لیتے ہیں لیکن کرامات محض اللہ کا انعام ہیں جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اہل اللہ کے لیے کرامت کا ظہور بڑی بات نہ سہی مگر اس میں نفس کی تقویت کا خطرہ ہے۔ اسی لیے بعض اہل اللہ کرامت کے ظہور سے بچتے ہیں بلکہ خوف کرتے ہیں یہ خوف بھی ان کے مقاماتِ قرب کا باعث ہوتا ہے اور جنت کا وارث بناتا ہے۔ ''ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنتہ ھی الماویٰ'' حضرت علیہ الرحمہ نے ہمیشہ عاجزی کو اپنایا اگر کسی نے کہا کہ آپ کی دعا یا برکت سے فلاں کام بن گیا تو فوراً وضاحت فرما دی یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم میرا اس میں کیا کمال؟ ایک بار احقر نے عرض کیا۔ ''حضور مجھے امتحان میں پاس کرا دیں۔'' فرمایا ''اس میں میرا کیا اختیار ہے البتہ میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں تم میری دعا قبول ہونے کی دعا کرو۔'' سبحان اللہ۔

کھلی آنکھوں نے بارہا مشاہدہ کیا کہ حضرت علیہ الرحمہ سے قدم قدم پر کرامتوں کا ظہور ہوتا رہا، وصال کے بعد بھی ہوتا ہے "تذکرہ مظہر مسعود" میں ۵۵ چیدہ چیدہ کرامات کا ذکر ہے۔ کرامات کے شائقین کی تسکین کے خیال سے برادرم حاجی محمد الیاس صاحب مظہری نے ان کرامات کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کردیا ہے اور مزید دو یا تین واقعات کرامت کو بھی شامل کردیا ہے جو انہیں باوثوق ذرائع سے دستیاب ہوسکے تھے یقیناً یہ تعداد کل نہیں ہے جو حضرت علیہ الرحمہ کے قریب رہا اس کو کوئی نہ کوئی کرامت معلوم ہے۔ ہاں بہت سے مقربین ان کے راز اپنے سینے میں لے گئے وہ سب شمار ہو جاتے تو فتاویٰ اور خطوط کی طرح کرامات کی تعداد بھی ہوتی۔

حضرت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے آخری پندرہ سالوں میں راقم الحروف اکثر خدمت بابرکت میں حاضر رہتا تھا اس عرصہ میں بے شمار کرامتیں معلوم ہوئیں۔ اگر وہی لکھ لیتا تو ضخیم کتاب ہوتی۔ اب کہ تقریباً ۳۵ سال گزر گئے۔ یک بارگی تو سب یاد نہیں آتا البتہ کسی واقعہ کی مناسبت سے کوئی کرامت یاد آجاتی ہے۔ چند واقعات پیش ہیں۔

پہلے اس کرامت کا ذکر جو نبی کریم ﷺ کے ایک معجزہ کا نہایت واضح فیض ہے اور حضرت علیہ الرحمہ کے فنافی الرسول ہونے کی دلیل بھی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ حارث ابن ضرار مدینہ پر حملہ کی تیاری کررہے ہیں۔ مقابلہ کا فیصلہ ہوا لشکر اسلام مریسع پہنچ گیا۔ کفار کے دس سورما ایک ایک کر کے آتے رہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے گئے۔ کفار نے شکست قبول کرلی مالی غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مسلمان روانہ ہوئے۔ قبیلہ کے سردار حارث ابن ضرار کی بیٹی بھی قیدیوں میں شامل تھی۔ انہیں آزاد کرانے کے لیے دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں منظور فرمالی گئیں۔ حارث اونٹ اور بکریاں جمع کر کے لارہے تھے۔ ان میں دو اونٹ انہیں بہت عمدہ لگے انہیں راستے میں ایک جگہ رکھوا دیا کہ واپسی پر لیتا جاؤں گا۔ جب ریوڑ پیش کیا گیا سرکار علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ایک نگاہ ڈالتے ہی فرمایا دو اونٹ کم ہیں۔ حارث

حیران تھے کہ ایک نگاہ میں دو ہزار اونٹ کیسے گن لیے پھر یہ سوچ کر اگر گنوانے پڑے تو میں ہیر پھیر کردوں گا گنتی پوری کرادوں گا پر وثوق لہجہ میں کہا ''اونٹ پورے ہیں'' سرکارِ والا تبارعلیہ ﷺ نے فرمایا وہ دو اونٹ جو تم کو بہت پسند ہیں انہیں وادی عتیق میں چھوڑ کر آئے ہو کہ واپسی پر لے جاؤں گا وہی کم ہیں حارث قدموں پر گر گئے ایمان لے آئے اور ان کی صاحبزادی جویریہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں۔

(۱) برادر طریقت حکیم محمد عاقل مظہری چشتی نے اپنے قیام کراچی ۱۹۹۴ء میں اپنے بھائی محمد جمیل کے سامنے یہ واقعہ سنایا کہ ''ایک بار یہ بھائی محمد جمیل (دھام پور ضلع بجنور یو پی بھارت سے) دہلی جا رہے تھے میں نے اپنے حضرت صاحب کے لیے بطور سوغات گڑ بھیجا۔ دوران سفر کھانا کھانے کے بعد جمیل صاحب کا دل چاہا منہ میٹھا کیا جائے انہوں نے دو ڈلیاں گڑ کی نکال کر کھالیں۔ دہلی پہنچے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حکیم محمد عاقل صاحب کا سلام اور گڑ کا تحفہ پیش کر دیا۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے فرمایا قبول کیا اور فتوئی یا خط مکمل فرمایا پھر محمد جمیل صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا سب ہی قبول کیا؟ محمد جمیل صاحب نے عرض کیا حضرت میں نے ایک چیز پیش کی تھی جسے آپ قبول کر چکے اب دوبارہ قبول کا مطلب کیا ہوا۔ فرمایا وہ جو حکیم صاحب نے بھیجا جو تم نے اس میں سے کھالیا وہ بھی اب تم پر دینداری نہ رہی۔ جمیل صاحب معذرت کرنے لگے تو فرمایا جب تمہارا کھالینا بھی قبول کرلیا تو معذرت کی ضرورت نہ رہی۔

(۲) حکیم محمد عاقل مظہری چشتی نے اپنے شہر دھام پور میں ایک مسجد اور مدرسہ علوم دینیہ بنانے کے لیے حضرت سے سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی جو منظور فرمالی گئی دھام پور پہنچے تو اسٹیشن سے تانگوں میں گھر لے کر گئے تانگہ کا کرایہ بالعموم آٹھ آنہ ہوتا تھا مگر تانگہ والے نے ایک روپیہ طلب کرلیا حکیم صاحب آٹھ آنے دے رہے تھے وہ انکار کر رہا تھا حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ایک روپیہ دیدو تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے پہلے طے جو نہیں کیا تھا۔ ایک روپیہ دے دیا گیا۔ رات کو سب ایک جگہ بیٹھے تھے تانگہ والے کا ذکر بھی نکل آیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''روپیہ آجائے گا'' پھر اور باتیں ہونے لگیں۔ صبح

بکثرت لوگ زیارت کے لیے حاضر ہوئے یعقوب تانگہ والے بھی حاضر تھے۔ بیعت ہونے کی درخواست کی حضرت علیہ الرحمہ نے بیعت فرمالیا۔ یعقوب صاحب نے ایک روپیہ مرشد گرامی کو نذر کیا۔ حضرت قبلہ نے روپیہ قبول فرما کر حکیم صاحب کو بخش دیا فرمایا۔ ''یہ لیجئے آپ کا روپیہ'' حکیم صاحب نے بتایا یہ وہی نوٹ تھا جو انہوں نے دیا تھا کسی نشانی سے پہچان لیا۔

دھام پور چھوٹا سا شہر تھا سارے شہر میں حضرت علیہ الرحمہ کی تشریف آوری کی خبر پھیل گئی۔ زیارت کرنے والے اور بیعت ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان میں ایک صاحب شیخ نجو انصاری (نجم الدین انصاری) بھی تھے۔ انہوں نے کسی سے کہا میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں مگر پہلے کوئی کرامت دیکھ لوں۔ گویا معجزہ دیکھ کر ایمان لانے کا قصہ دہرایا جارہا تھا۔ کرامت کی اہمیت ثابت ہورہی تھی۔

(۳) شیخ صاحب نے حضرت علیہ الرحمہ کی دعوت کردی۔ امتحان کے لیے گھر والوں کو ہدایت کردی کہ اہل خانہ کے لیے جو کھانا پکتا ہے اس میں ایک آدمی کے کھانے کا اضافہ کردیں جب وہ بلانے آئے تو حضرت علیہ الرحمہ کے پاس ۵۔۶ حضرات بیٹھے تھے وہ بھی ساتھ ہولیے کیوں کہ جتنی دعوتیں ہوئیں ان میں یہی دستور تھا سب حضرات نے کھانا تناول فرمایا اور اہل خانہ نے بھی سیر ہوکر کھایا ایک آدمی کا کھانا بچ گیا وہی جو اضافہ کیا تھا۔ سب کو حیرت ہوئی اور گھر کے سب افراد بیعت ہوگئے۔

اس واقعہ میں بھی برکت کے بارے میں بے شمار معجزات نبوی ﷺ کا عکس جمیل صاف نظر آتا ہے مثلاً

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں جو صرف حضور اکرم ﷺ کے لیے کافی تھیں پیش کی تھیں۔ مسجد نبوی میں اس وقت ۷۰ صحابہ کرام موجود تھے۔ حضور انور ﷺ نے سب کو دعوت دے دی تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مکان چھوٹا تھا دس دس اصحاب تشریف لاتے رہے سیر ہوکر کھاتے رہے۔ ۷۰ صحابہ کرام اور اہل خانہ کو سب کو وہی کھانا کافی ہوگیا۔

(۴) برادر طریقت جناب عبدالسمیع مظہری (بہاری) نے احقر کو بتایا کہ انہیں ایسے مرشد کی تلاش تھی جو عالم دین اور عاشق رسول ﷺ ہو اور بہت سی خوبیاں مطلوب تھیں۔ رسالہ آستانہ میں ان کی نظر پڑی مفتی آستانہ سے کسی نے پوچھا (مفتی صاحب) کی نظر میں اس دور میں ایسا کون ہے جس میں فلاں فلاں خوبیاں ہوں تو انہوں نے جواب میں دو نام بتائے۔ پہلا نام حضرت علیہ الرحمہ کا تھا دہلی جا کر عبدالسمیع صاحب نے سب سے بڑے عالم کے بارے میں چھان بین کی سب کی زبان پر حضرت مفتی اعظم کا ذکر خیر پایا۔ انہوں نے کہا علم کی بات تو ثابت ہوگئی۔ عشق رسول کا معاملہ کیسے کھلے اس نیت سے خود حاضر ہوئے تین اصحاب موجود تھے گفتگو کا رُخ عشق رسول ہی تھا جو کلمات حضرت علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے نکلے انہوں نے دل پر گہرا اثر کیا عبدالسمیع صاحب کو یقین ہوگیا کہ آنے والے کی مراد پوری فرمادی یہ نہ صرف سچے عاشق رسول ﷺ ہیں بلکہ صاحب کشف وکرامت ہیں اور فوراً بیعت ہوگئے۔ (رسالہ آستانہ کا عکس پیش ہے)۔

حضرت علیہ الرحمہ کی کرامات میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جہاں کسی کا ایک مسئلہ حل کرنا تھا مگر قدم قدم پر گرہ کشائی ہوتی جارہی ہے یوں لگتا ہے سارے مسئلے اپنے ذمے لے لئے۔ کرامات کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔ راقم الحروف اپنا ایک واقعہ عرض کرتا ہے جس میں کرامت در کرامت نظر آتی ہے۔

۱۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں والد صاحب علیہ الرحمہ کا کاروبار لٹ گیا تھا۔ احقر کی تعلیم جاری رہی کالج تک پہنچ گیا پھر ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی مسلمانوں پر ملازمت کے مواقع ناپید ہورہے تھے۔ مہینوں (سالوں) کوشش کے بعد نوکری ملا کرتی تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ کی اجازت سے درخواست دی تیسرے دن انٹرویو کے لئے بلا لیا گیا۔

۲۔ سنا گیا کہ انٹرویو لینے والے افسر متعصب ہیں:۔ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا۔ احقر نے عرض کیا تو فرمایا ''جاؤ''۔ پھر عرض کیا کلیریکل پوسٹ

کے لئے جو افسر انٹرویو لیتا ہے سنا ہے وہ متعصب ہے۔ مجھے بھی فیل کر دے گا۔ میں نہیں جاتا۔ حضرت علیہ الرحمہ مسکرائے فرمایا ''وہی مرغے کی ایک ٹانگ ! جاؤ تو سہی'' ادارے میں پہنچا تو معلوم ہوا وہ افسر صاحب آج موجود نہیں اور مجھے دوسرے افسر کے پاس پہنچا دیا گیا یوں ایک اور مشکل سے بچا لیا گیا۔

۳۔ سوچ رہا تھا دیکھئے یہ کیسے مشکل سوال پوچھیں گے۔ افسر صاحب نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ دیا خود درخواستیں پڑھیں انگریزی میں ٹائپ شدہ اور اردو میں ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی یوں مخاطب ہوئے۔ ''اردو کا ہینڈ رائٹنگ تو اچھا ہے انگریزی بھی دیکھ لیں''۔ کاغذ اور پین آگے کیا میں نے دو سطریں ہی لکھیں تھیں افسر صاحب نے کہا ''بس دیکھ لیا''۔ ایک منٹ خاموش رہے پھر فرمایا ''کل صبح ۹ بجے آ جایئے۔'' یہ کیا ؟ انٹرویو کے بغیر تقرر ہو گیا۔

۴۔ سب خوش تھے مگر رات کو میں بڑا فکر مند ہو گیا۔ ۳ سوال ابھر رہے تھے۔ نمبر ا میں نے کبھی نوکری کی نہ دفتری کام سے واقف ہوں دیکھئے کیا کام ملتا ہے مجھ سے ہو سکے گا یا نہیں ؟ نمبر ۲۔ افسر صاحب کا مزاج کیسا ہو؟ ۳۔ ساتھی کیسے ہوں کبھی کسی بات پر بگڑ گئی تو میرے خلاف کوئی سازش کر کے ستائیں تو کیا ہو گا ؟ دل کو اس خیال سے ڈھارس بندھی کہ کوئی پریشانی آئے الحمدللہ میرے حضرت تو موجود ہیں۔ خیر ڈیوٹی پر چلا گیا چند دن میں پتہ چل گیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کا وہ جملہ کہ ''جاؤ تو سہی'' اس کا ایک حصہ فرمایا دوسرا نہیں بتایا وہ یہ ہو سکتا ہے کہ ''ہم نے سب انتظام کر دیا ہے'' کام جو ملا نہایت آسان۔ افسر نہایت مہربان ان سے زیادہ شریف انسان پورے ادارے میں نہ تھا۔ ساتھی خوش اخلاق ملے۔ ۷ سال میں جب کوئی مسئلہ سامنے آیا اسی طرح حل ہوتا رہا۔ یہ چین کے دن یاد آتے ہیں۔

۵۔ ایک روپے سے کاروبار:۔ ظہر کی نماز کے بعد کافی حضرات تشریف لاتے تھے، مسائل پوچھنے، فتاویٰ لینے، دعا کرانے ملاقات کرنے وغیرہ کے لئے ایک روز

ایک اجنبی آئے یہ تین وقت کے فاقہ سے تھے۔ چند لمحوں میں انہیں محسوس ہوا کہ بھوک کی بے چینی ختم ہوگئی پھر ایسا چین وسکون ملا جو کبھی میسر نہ ہوا تھا۔ انہیں یقین ہوگیا کہ یہ ان بزرگ کی کرامت ہے۔

ان کی باری آئی تو حضرت علیہ الرحمہ نے پوچھا ''آپ فرمائیں'' اجنبی نے کہا ''مجھے اپنا غلام بنا لیجئے''۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''شریعت کی پابندی کرنی ہوگی'' اجنبی نے وعدہ کے انداز میں کہا۔ ''کروں گا'' فرمایا عصر کی نماز پڑھ کر آنا (وہ فتاویٰ کا وقت تھا) عصر کے بعد بیعت فرمالیا۔ حلیہ سے اندازہ ہوگیا پردیسی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے دریافت فرمایا کہاں رہتے ہو۔ اجنبی نے بتایا۔ ''شہر خورجہ کا رہنے والا ہوں مویشیوں کا کاروبار کرتا تھا ہندوؤں نے لوٹ لیا تین وقت سے فاقہ سے ہوں''

حضرت علیہ الرحمہ نے ایک روپیہ نکالا برادر طریقت حاجی احسان الٰہی کو دیتے ہوئے فرمایا۔ ''ان کو تجارت کرادو'' تین حضرات اور موجود تھے نظریں اٹھیں پھر جھک گئیں ایک روپے میں اور تجارت؟ سب کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا مگر ''ہوں'' کرنے کی ہمت نہ تھی۔

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تری محفل میں

یہاں بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

علامہ اقبالؔ

☆احسان الٰہی اپنے نئے پیر بھائی کو لے کر چلے۔ خاموش خاموش دونوں چلتے رہے۔ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے۔ حضرت ایک روپے میں کون سی تجارت ہوسکتی ہے؟ قدم رک گئے۔ سامنے ایک دکان تھی تیل عطر اگربتی وغیرہ۔ بھائی احسان الٰہی نے دوکاندار سے کہا۔ ''کھلی اگربتی کے کیا دام ہیں؟'' ''پونے چار روپیہ سیر۔'' دکاندار نے جواب دیا۔ ''ایک پاؤ دے دو۔'' احسان صاحب نے کہا۔ ایک روپیہ دیا ایک آنہ

واپس مل گیا۔ آگے بڑھے ایک آنہ کا دھاگہ خریدا پھر خوب ہنسے اور کہا میں ناحق پریشان ہورہا تھا سرکار نے حساب کر کے روپیہ دیا تھا کام بن گیا ۱۲۔۱۲ عدد کے ۲۸ بنڈل بن گئے جامع مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے ایک ایک آنہ کی آواز لگائی مغرب کے لئے نمازی آرہے تھے منٹوں میں سب بنڈل بک گئے۔ نماز پڑھ کر احسان الٰہی صاحب نئے ساتھی کو ایک بھٹیارے کی دوکان پر لے گئے۔ اور کہا۔ اب تم کھانا کھاؤ۔ ۳۔۴ آنے میں پیٹ بھر جائے گا۔ اب اسی طرح اگر بتیاں لاؤ اور بیچو کل ظہر کی نماز میں ملاقات ہو گی۔

☆ دوسرے روز حاضر ہوئے تو حضرت علیہ الرحمہ نے پوچھا کیا ہوا نئے مرید نے کہا ''اب تک پانچ روپے کا اضافہ ہو گیا نہ معلوم کہاں سے گاہک آتے ہاتھوں مال بک جاتا ہے پھر لے آتا ہوں'' حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''کوئی خورجہ جانے والا تلاش کرو اور پانچ روپے بچوں کے لئے بھیج دو وہ بھی پریشان ہیں'' اسٹیشن کی طرف یہ صاحب جارہے تھے ایک واقف کار مل گئے۔ پانچ روپے گھر والوں کو بھجوا دے یہ بھی کرامت تھی۔

☆ کرامت والے ایک روپے سے پھر کام شروع کیا کاروبار بڑھ رہا تھا اگر بتی کے ساتھ مسواک اور پھر تسبیح بھی بیچنے لگے تقریباً ایک ماہ گذر گیا گھر والوں کی یاد آنے لگی۔ ایک روز خدمت شریف میں حاضر ہوئے حضرت علیہ الرحمہ نے خود ہی فرمایا اب تم گھر جاؤ اور کچھ مال خرید لو وہاں بیچ دینا۔ یہ نیا سلسلہ شروع ہو گیا اس میں تقریباً ایک سال گذر گیا ہر ہفتہ آتے تھے ایک روز حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ''اب دوکان کر لو۔'' ایک روپے کی برکت نے دوکاندار بنا دیا۔

☆ برادر طریقت مظہر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا۔ جوان العمری میں وہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ٹریننگ کے لئے دہلی سے باہر جانا پڑا۔ پانچ سال کے لئے بانڈ بھر دیا۔ کچھ دنوں میں گھبرا گئے۔ ایک رات وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں پہنچے تو لوگوں نے ڈرایا کہ گرفتار ہو جاؤ گے اور فوجی قانون کے مطابق سخت سزا ملے گی۔ گھبرائے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے قدموں میں گر گئے رونے لگے۔ حال سنا کر پوچھا اب میں جاؤں یا نہیں؟ فرمایا'' جاؤ۔'' یہ سن کر خوفزدہ ہو گئے حکم کی تعمیل کی واپس پہنچ گئے۔ ڈرتے ڈرتے میس میں داخل ہوئے چند ساتھی ملے مبارکباد دینے لگے مظہرالدین صاحب سمجھے یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں کہ ''تمہیں ڈسچارج کر دیا گیا'' سب پوچھ رہے تھے تم نے کس کی سفارش کرائی ہمیں بھی بتاؤ ہم کو بھی نجات مل جائے مظہرالدین حیران ہو گئے نوٹس بورڈ پر دیکھا تو واقعی یہ جملہ لکھا ہوا تھا:

Mazharuddin discharged from military Services

بار بار پڑھتے پھر دفتر پہنچے کٹ جمع کرائی اپنا حساب وصول کیا اور دہلی آ گئے۔

مولانا عبدالباقی صاحب (کوئٹہ بلوچستان) جنہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی کئی کتابوں کی کتابت فرمائی ہے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ دسمبر ۷۶ء بنام حضرت مسعود ملت دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:۔

''عالم خواب میں یوں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کہیں طویل سفر سے ریل گاڑی میں تشریف لے جا رہے ہیں میں بھی اسٹیشن پر ساتھ ہوں تو آپ نے ریل کا ٹکٹ ۹۶ روپے کچھ آنے پر خرید لی (لیا) مگر میرے پاس اتنی رقم نہ ہونے کی وجہ سے نہایت ارمان سے واپس ہونا پڑا گاڑی روانہ ہوگئی تو میں مایوس ہو کر لوٹا اسی اثنا میں اسٹیشن کے کسی کمرے میں آنا ہوا اور ایک سفید ریش بزرگ نے کوئی چٹ عنایت کی (بجائے ریل کے ٹکٹ) کے جس سے میں بہت خوش ہوا اور خواب سے بیداری ہوئی یہ تھا وہ سچا خواب۔''

احقر جناب کی بے پناہ محبت اخوی اور اعلیٰ حضرت مفتی اعظم جَعَلَ اللہُ قَبْرَهٗ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ کی روحانی فیوضات کی بدولت سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا کل نمبر ۳۳۵ آئے فالحمد اللہ علی ذٰلک میں حلفیہ طور پر کہتا ہوں کہ میری کامیابی۔ حضرت مفتی

اعظم مرحوم کو خواب میں دیکھنا اور وہ چٹ دینا کی تعبیر ہوئی۔

اسی خط میں مولانا موصوف نے لکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی کتابوں کی جن دنوں کتابت کر رہے تھے تو انہیں اچھے اچھے خواب نظر آتے تھے جب سے کتابت کا کام ختم ہوا ویسے خواب آنے بند ہو گئے۔

جنات سے حضرت علیہ الرحمہ کے تعلق کے بارے میں بہت سے واقعات لوگوں کے علم میں ہیں۔ جن میں بعض نے بچشم خود دیکھا اور بیان کیا ان میں علماء بھی شامل ہیں۔ اہل خانہ اور مسجد کے ملازمین نے بھی بعض واقعات سنائے۔ یہ بھی سنارات کو مسجد کی چھت پر مسلمان جنات کے بچے۔ جوان پڑھنے آتے تھے تپائیاں بچھی ہوئی تھیں ان پر کتابیں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کی صاحبزادی صاحبہ محترمہ (زوجہ حضرت علامہ قاری حفیظ الرحمٰن علیہ الرحمہ) نے احقر کو بتایا بچپن میں ہم بچوں میں سے کبھی کسی نے کوئی فرمائش کر دی تو مطلوبہ شئے خواہ وہ بے موسم کا پھل ہو یا کوئی مٹھائی وغیرہ تھوڑی دیر میں وہ حضرت علیہ الرحمہ کے ہاتھوں میں ہوتی سب سے چھوٹے صاحبزادہ صاحب نے ایک بار کہا ابا جان آج ربڑی کھانے کو جی چاہ رہا ہے تھوڑی دیر میں حضرت کے ہاتھ اس انداز سے اٹھے جیسے کوئی کھڑا ہوا ہے اور حضرت اس کے ہاتھ سے لے رہے ہیں ایک برتن مٹی کا (چھوٹی سی مٹکی) ہاتھ میں تھا اس کو لے کر ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا لو ربڑی کھاؤ سب نے سیر ہو کر کھائی جناب صاحبزادی صاحبہ موصوفہ نے پوچھا یہ ربڑی کون لایا؟ گھر میں تو کوئی آیا نہیں حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھجوادی۔

حضرت علیہ الرحمہ کی اس قسم کی کرامت بعد وصال بھی ظاہر ہوئی اور یہ تو راقم الحروف کے گھر کا واقعہ ہے ۱۹۶۹ء میں احقر کے گھر میں ایک لڑکا تقریباً ۱۲-۱۳ سال کا

ملازم تھا- گھر میں ایک پرانی کیاری میں فالسہ کا درخت تھا ایک روز اس لڑکے نے
کیاری میں کھدائی کی اس میں ایک بوتل نکلی بوتل ہاتھ سے گری اور ٹوٹ گئی- اسی وقت
اہلیہ نے لڑکے کو کھانا دیا کہ دکان لے جائے (یہ دو پہرا بجے کا وقت تھا) تقریباً آدھے
راستہ میں ایک شیشے کا ٹکڑا اس کے ہاتھ پر گرا اور خون بہنے لگا- اسی حال میں دکان تک
آ گیا- پٹی کرا کر رخصت کیا تھوڑی دیر میں وہ پھرا یا کہ گھر میں پتھر آ رہے ہیں دروازہ
کے شیشہ اور بلب ٹوٹ گئے گلی میں دیکھا چھت پر چڑھا کوئی نظر نہیں آتا اور پتھر
آ رہے ہیں عزیزوں کو خبر ہوئی رات بھر چھت پر نگرانی ہوئی پولیس کو بھی طلب کیا مسئلہ
حل نہ ہوا- ایک دو پتھر اس لڑکے کی ٹانگ اور کمر میں اچٹتے ہوئے لگے- لڑکے کو
دوسرے دن شام تک اس کے ماں باپ کے پاس بھیج دیا پتھر کم ہو گئے جگہ جگہ آگ
لگنے لگی- مثلاً کپڑے سکھانے کے لئے لٹکائے کوئی ایک کپڑا جل رہا ہے اس طرح گھر کا
تقریباً سارا سامان جل گیا تعویز حاصل کئے فلیتے جلائے اثر ندارد- برادر طریقت صوفی
ذکر الرحمٰن مظہری سے پرانی دوستی بھی ہے ان کو بلایا اور ماجرا سنایا اہلیہ کو ان کے عزیز کے
ہاں بھیج دیا سامان جل چکا تھا تھوڑا تھوڑا سلسلہ چل رہا ہے رسی بندھی ہوئی ہے تو اس میں لو
نکل رہی ہے ذکر رحمٰن صاحب نے فاتحہ بحضور علیہ الرحمہ پیش کی شجرہ شریف پڑھا اور بہت
بلند آواز سے للکارا- ''سنو- اچھی طرح سن لو اس گھر میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ
رحمۃ اللہ علیہ کے غلام رہتے ہیں- کان کھول کر سن لو- اب تم جانو وہ جانیں ایک بار یہ سب
الفاظ دہرائے-'' اور احقر سے مخاطب ہو کر کہا ''بھائی تم بے فکر ہو جاؤ اب حضرت خود نمٹ
لیں گے-'' اللہ اللہ اسی وقت سارا ہنگامہ ختم ہو گیا-

سلب امراض:

ایک روز ایک صاحب آیۃ کریمہ کے کمالات کا ذکر کر رہے ہے احقر کو بھی اشتیاق ہوا
اور ورد شروع کر دیا (یہ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری کے ابتدائی دور کی

بات ہے) وظیفہ کی برکت سے کشفی خواب نظر آنے لگے کل جو ہونے والا ہوتا نظر آ جاتا احقر اپنے والد علیہ الرحمہ سے عرض کر دیتا۔ لیکن رات کو گہری نیند میں ناک سے خون بہتا اور جب تکیہ گیلا ہو جاتا تو آنکھ کھل جاتی۔ منہ دھو کر تکیہ بدل کر رکھتا پھر صبح تک کچھ نہ ہوتا بہت علاج کئے فائدہ نہ ہوا۔ والد ماجد علیہ الرحمہکے فرمانے پر حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا حضرت علیہ الرحمہ دراز ٹیک لگائے لکھا کرتے تھے بیٹھنے کا ارادہ فرمایا ہاتھ ذرا آگے بڑھایا میرے سر کی جانب مگر فوراً پھر ٹیک لگا لی محسوس ہوا کہ اٹھنے کی کوشش میں اتفاقاً ہاتھ ذرا اس طرف بڑھ گیا تھا بظاہر کوئی خاص بات نہ تھی۔ مگر بہت کچھ تھی دریافت فرمایا ''کچھ پڑھتے ہو؟'' عرض کیا ''جی آیۃ کریمہ کا ورد کرتا ہوں'' فرمایا ''اب نہ پڑھنا اس کے بدلے درود شریف پڑھا کرو۔'' اس وقت سے الحمدللہ آج تک یہ نوبت نہ آئی۔ البتہ خواب بھی اسی قسم کے نظر نہیں آئے۔ خون اور خواب دونوں بند ہو گئے۔

ایک جوان العمر محمد جمیل صاحب نے حاضر ہونا شروع کیا حضرت علیہ الرحمہ نے حسب معمول ان کی باری پر دریافت کیا آپ کچھ فرمائیں گے؟ جمیل صاحب کہتے ''نہیں'' چار دن میں انہیں اندزہ ہو گیا کہ راقم الحروف خاص خادم ہے عصر کے بعد واپسی میں انہوں نے کہا ''میرا ایک کام کر دو میرا مسئلہ حضرت کی خدمت میں عرض کرو میں روز اس ارادہ سے آتا ہوں زبان کھلتی نہیں جنسی اعتبار سے ناکارہ ہو گیا ہوں میں نے بہت جگہ علاج کیا احتلام کا مرض دُور نہیں ہوتا۔ گھر والے میری شادی پر ضد کر رہے ہیں میری عزت کا بھی مسئلہ ہے۔ دو زندگیوں کی بربادی کا بھی۔ احقر نے عرض کیا بے شک مجھ پر خاص نظر کرم ہے مگر اتنی جرأت نہیں یہ میں بھی عرض نہیں کر سکتا آپ تفصیلی حالات لکھ کر لے آئیں اور جب حضرت علیہ الرحمہ واپسی پر گھر میں جانے لگیں تو لفافہ دینا۔ دوسرے روز یہی ہوا۔ تیسرے روز جمیل صاحب حاضر ہوئے مگر سہمے ہوئے جب سب چلے گئے جمیل صاحب اور یہ ناچیز رہ گئے تو حضرت علیہ الرحمہ نے

جمیل صاحب سے کہا۔ ''شادی کرلو'' مسجد سے باہر جمیل صاحب نے کہا اب کیا ہوگا؟ احقر نے عرض کر دیا جو حکم ہوا بس اور کوئی راہ نہیں۔ شادی ہوگئی۔ اولاد بھی ہوگئی جمیل صاحب بہت خوش تھے بیعت بھی ہو گئے تھے۔''

برادر طریقت مظہر الدین مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے احقر کو بتایا کہ وہ شدید بیمار ہوگئے ایک روز یہ حالت ہوگئی جیسے ٹانگوں کی جان نکل چکی ہے اور باقی جسم کی جان نکلنے والی ہے گھر والوں کا یہی اندازہ تھا ان کے والد حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے حضرت علیہ الرحمہ اسی وقت ہمراہ ہو گئے حالت کچھ اور بگڑ چکی تھی حضرت پڑھتے رہے دم کرتے رہے کچھ دیر ٹھہر کر واپس آ گئے حالت سنبھلنے لگی ٹانگیں مسلسل بے جان معلوم ہوتیں۔ مظہر الدین صاحب نے پھر عرض کیا تو فرمایا اللہ کا شکر کرو دوبارہ زندگی مل گئی باقی بھی ٹھیک ہو جائے گا واقعی ایسی صحت ہوگئی کہ ملٹری کی ملازمت میں طبی معائنہ میں کامیاب ٹریننگ کے دوران دوڑ میں سب سے آگے رہے۔

خطرات قلب:

حضرت علیہ الرحمہ کو خطرات قلب پکڑنے میں کمال حاصل تھا۔ حاضرین کے دل میں کوئی سوال ہو۔ کوئی خیال ہو مسئلہ حل فرما دیتے تھے۔ بغیر یہ ظاہر کئے کہ روحانی قوت سے حضرت علیہ الرحمہ واقف ہو گئے ہیں بے شمار واقعات میں سے چند پیش ہیں۔

احقر ظہر کی نماز پڑھ کر حاضر ہوا ۲ بجے تھے ۳ بجے کہیں جانا تھا۔ جب ۳ بجنے میں ۵-۶ منٹ رہ گئے تو احقر کو ٹانگیں دبانے کا موقعہ ملا۔ سوچ رہا تھا ابھی خدمت شروع کرتے ہوئے پانچ منٹ ہوئے ہیں اب اجازت لوں یہ بات بھونڈی لگتی ہے۔ جیسے ہی گھنٹہ نے ۳ بجائے حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے دیکھا اور فرمایا ''تمہیں کہیں جانا ہو تو جاؤ'' احقر نے گھبرا کر کہہ دیا کہیں نہیں جانا۔ پھر خود ہی دل میں ملامت کرنے لگا۔ ناحق جھوٹ بولا۔ اجازت مل رہی تھی فائدہ اٹھالیتا۔ جانا تو ضروری تھا۔ اب کیا ہوگا؟

حضرت علیہ الرحمہ جوفتویٰ تحریر فرما رہے تھے اس کو مکمل کیا- دو تین خطوط یا فتویٰ جو لکھے جا چکے تھے احقر کو دیئے فرمایا ''جاؤ یہ لیٹر بکس میں ڈالتے جانا-'' سلام کر کے رخصت ہوا سوچ رہا تھا کہ آج دو خط دے دیئے روزانہ تو شام کو چلتے وقت اکھٹے دیا کرتے ہیں سمجھ میں آیا دل کی پہلی بات بھی معلوم ہوگئی تھی اور موقعہ دیا دوسری کیفیت بھی معلوم ہوگئی عزت رکھی کام بنادیا دوہری کرامتیں ہوگئیں-

ایک روز فرمایا ''صبح کہیں جانا تو نہیں-'' عرض کیا ''نہیں-'' ''صبح ۹ بجے آجانا''- حاضر ہوا تو حکم ملا ''تانگہ لے آؤ- نظام الدین چلنا ہے-'' درگاہ شریف پر اترے فرمایا تانگہ والے کو روک دو واپس اسی میں چلیں گے- گئے تو ایسے وقت تھے کسی کو خبر نہ ہو کیونکہ درگاہ میں شام کو سب حاضر ہوتے ہیں یوں لگا پورے علاقہ میں خوشبو پھیل گئی پیر ضامن نظامی نے دیکھ لیا تھا مزار شریف سے فاتحہ پڑھ کر آئے تو خواجہ حسن نظامی امام صاحب خلجی مسجد اور خواص وعوام اکھٹے ہوگئے خواجہ صاحب نے چائے کا انتظام کرلیا- فارغ ہوگئے چلے تانگہ میں بیٹھے روانہ ہوئے میں سوچ رہا تھا آنا جانا تقریباً دس میل سے زیادہ، انتظار پونا گھنٹہ دیکھے تانگہ والا کیا مانگے مجھے خبر ہوتی تو گھر سے روپے لے کر نکلتا-

گھر آیا حضرت علیہ الرحمہ تانگہ سے اترے فرمایا- ابھی جانا نہیں- دو تین منٹ میں ایک بچہ نے روپے لاکر دے دیئے احقر نے سوچا روپے زیادہ ہیں تانگہ والا سب لے آئے گا- روپے مٹھی میں دبائے اور پوچھا- ہاں بھئی بتاؤ تمہیں کیا دیں؟ اس نے بتادیا تھا جب روپے گنے تو بالکل وہی رقم جو اس نے مانگی تھی نہ ایک روپیہ کم نہ ایک زیادہ اب تو دینے پڑے میرے خیال کی خبر تانگہ والے کے ارادہ کی خبر دو کرامتیں ہوگئیں-

ریاست ٹونک کے محمد عثمان صاحب ایک صالح شخص تھے مرشد کی تلاش تھی سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوئے انہوں نے استخارہ کا مشورہ دیا- خواب

میں فتح پوری میں حضرت علیہ الرحمہ کی شبیہہ دکھائی گئی دہلی آئے امام صاحب سے ملنا چاہا نائب امام حضرت الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات کرادی گئی۔ یہ تو وہ نہیں جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا عثمان صاحب نے فرمایا تو حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا فوراً پہچان لیا۔ بیعت ہونے کی درخواست کی تو حضرت نے عاجزی وانکساری کرتے ہوئے کسی اور سے رجوع ہونے کو کہا وہ خاموش ہو گئے ان کا خیال سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع ہوا حضرت علیہ الرحمہ جو قلب پر نظر رکھتے تھے سمجھ گئے یہ طائر بلند پرواز ہے جس کی سفارش دربار صدیقی سے ہو رہی ہے فوراً فرمایا آؤ تمہیں بیعت کریں۔

غلام قادر خاں زیدہ مجدہ نے تحریر فرمایا۔ حضرت علیہ الرحمہ کو اپنے شہر لے جا رہے تھے ریل میں بہت رش تھا۔ تھرڈ کلاس میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت اپنے مریدین کو زیر بار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لو۔ میں نے سوچا ہم چھ آدمیوں کو کسی ایک ڈبہ میں تو جگہ مل نہیں سکتی اور سیٹ پر بیٹھنا بھی ممکن نہیں مگر حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علیہ الرحمہ ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں چڑھے۔ فرشتے راستہ بناتے گئے اور ہم سب یک ہی جگہ آرام سے سیٹ پر بیٹھ گئے۔ یہ سب کیسے ہوگیا کرامت ہی تھی۔

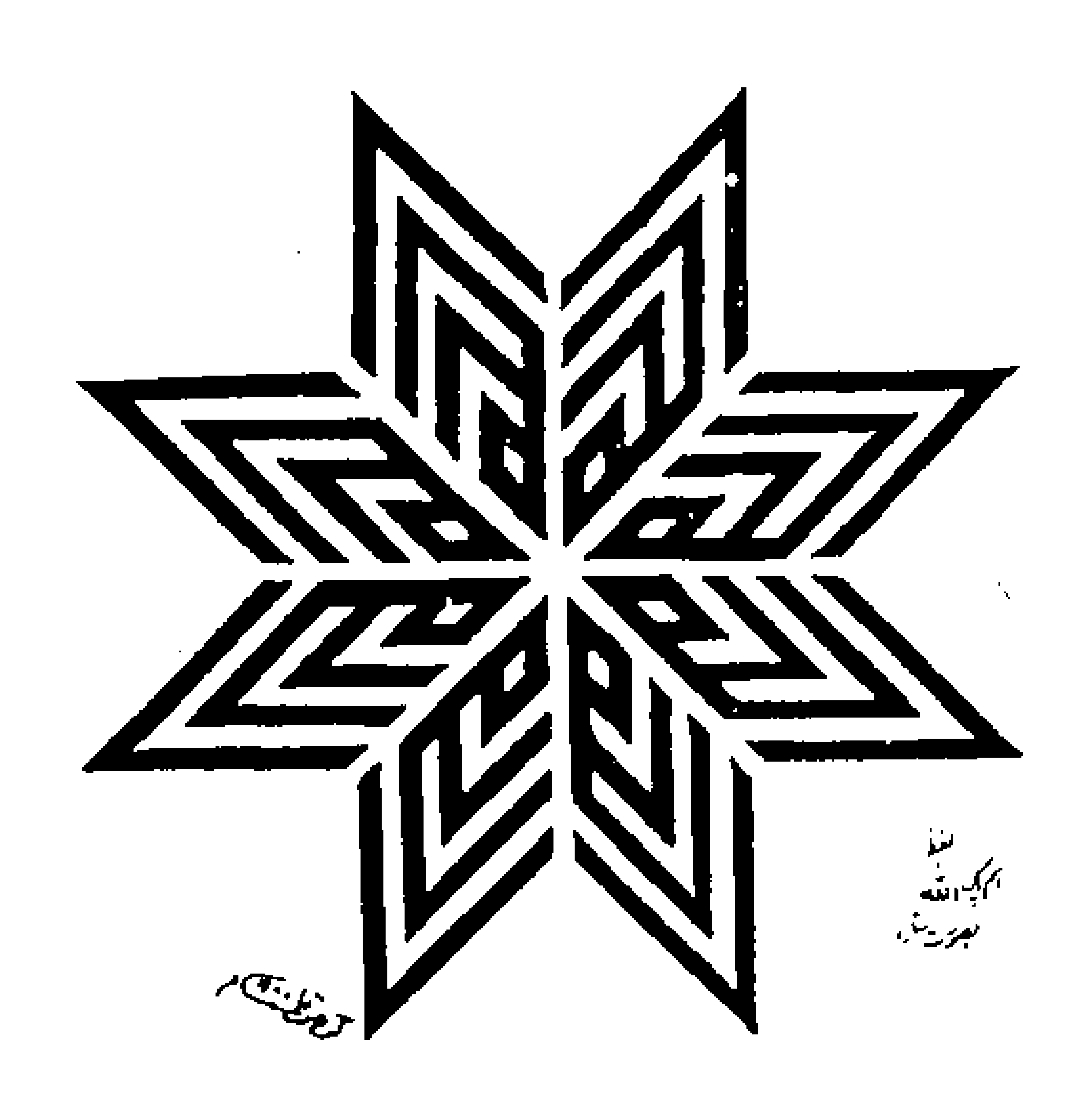
دھام پور سے واپسی پر مراد آباد اسٹیشن پر دس منٹ کے لیے ریل رکتی ہے۔ سب ساتھی بیٹھے رہے۔ حضرت علیہ الرحمہ اُترے احقر ساتھ تھا اسٹیشن سے باہر آکر تانگہ میں بیٹھے جامع نعیمیہ تشریف لے گئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی دو منٹ خاموش کھڑے رہے اور واپس آنے لگے تو حضرت صدر الافاضل کے صاحبزادے تشریف لے آئے اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلانا چاہا مگر یہ عذر قبول کرلیا کہ باقی حضرات ریل میں منتظر ہیں گفتگو میں دو تین منٹ لگے باہر تانگہ کھڑا تھا واپس آ گئے اور ریل میں بیٹھ گئے۔ تین چار منٹ بعد حضرت مولانا نعیم الدین صاحب کے صاحبزادے کھانا لے کر حاضر ہو گئے۔ ریل کھسکنے لگی چلتی گاڑی میں کھانا سپرد کیا۔

مسافر حیران تھے کہ تقریباً سوا گھنٹے گاڑی کیوں لیٹ ہوئی؟

حکیم محمد ذاکر صاحب کی آرزو تھی کہ حضرت کے ساتھ حج کریں اور درخواستوں کی منظوری آ گئی وہ انتظار میں مایوس ہونے لگے۔ حضرت علیہ الرحمتہ کے پاس آئے رونے لگے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا، مایوس نہ ہوں آپ میرے ساتھ حج کریں گے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی روانگی کے بعد ان کی درخواست منظور ہوئی اور جلدی جلدی سب کام ہو گئے اور مقام عرفات میں وہ حضرت علیہ الرحمہ کے پہلو میں بیٹھے اور اس قرب کی برکت سے پردے اُٹھ گئے ایک ایک ذرہ ہیرے کی طرح چمکنے لگا اور اشیاء کے مخفی راز عیاں ہو گئے۔ عجیب کیفیات طاری ہو گئیں۔

حاجی محمد سلطان زری گوڑ والوں نے بتایا کہ مکہ معظّمہ میں حضرت بلا علیل ہو گئے تھے حاجی محمد سلطان صاحب حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو حضرت کو بستر پر صاحب فراش پایا عصر کی نماز کا وقت ہوا تو نماز کے لیے حرم شریف چلے گئے۔ پہلی صف میں نگاہ پڑی تو حضرت کو دیکھا کھڑے ہیں سلام پھیرا تو آنکھ سے اوجھل ہو گئے حاجی سلطان جلدی سے حضرت علیہ الرحمہ کی قیام گاہ پر آئے تو بدستور بستر پر دیکھا۔



اقتباس مکتوب

حضرت مولانا مفتی مکرم احمد مدظلہ

مورخہ یکم اپریل ۱۹۹۹ء از دہلی

فتح پوری مسجد میں نعیم صاحب ٹین والے آتے ہیں انہوں نے دادا ابا کے دو واقعات ذکر کیے۔ لکھ رہا ہوں۔ نعیم صاحب کے ماموں یا کوئی قریبی عزیز حضرت کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ ایک مرتبہ ضد کرنے لگے کہ میں ابدال کو دیکھنا چاہتا ہوں مجھے بتایئے وہ کہاں ہیں؟'' آپ نے ہر چند منع فرمایا۔ زیادہ اصرار پر فرمایا جاؤ کھاری باؤلی کے دروازے کے باہر گنے بیچ رہے ہیں۔ پوری شناخت بتادی۔ یہ گئے اور جا کر ان سے انہوں نے گنا خریدا توڑ کر وہیں کھانا شروع کیا اور منہ بنا کر کہنے لگے ''گنا تھوتا ہے'' انہوں نے کہا اچھا واپس دے دو اور پیسے واپس کر دیئے۔

کچھ دن بعد پھر اصرار کیا حضرت نے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا اس وقت اب (جو ہیں وہ) جلالی ہیں۔ جب انہوں نے بہت ضد کی تو حضرت نے فرمایا جاؤ جامع مسجد کے دروازہ جنوبی کے باہر مشک سے پانی پلا رہے ہیں۔ کٹورے ان کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ گئے اور پانی طلب کیا۔ پانی کے کٹورے کو منہ لگایا اور بولے ''پانی گرم ہے'' ان کو جلال آ گیا اور ایک زور سے تھپڑ رسید کرتے ہوئے بولے۔ آج گنا تھوتا ہے والی بات نہیں چلے گی۔ یہ سہم گئے اور آ کر حضرت کو پورا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اب جلالی ہیں۔ اہل اللہ ہر آن نئی کیفیت میں ہوتے ہیں۔

یہ واقعہ عبدالرحیم کی حیات کا ہے۔ عبدالرحیم نے بیان کیا کہ ''ایک مرتبہ رات کے دو بجے ہوں گے میں نے دیکھا کہ حضرت صافے کو پہنے ہوئے چھڑی ہاتھ میں، نیچی نظر ہے،

وضو خانہ کے چبوترے کی طرف سے حضرت نانوشاہ کے احاطہ میں داخل ہوئے- میں نے سوچا آج حضرت اتنی دیر تک مسجد میں ہیں- گھر نہیں تشریف لے گئے جا کر میں نے احاطہ میں دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا--- میں نے بھائی صاحب سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے تو بارہا حضرت کو لباس سفید پہنے ہوئے عمامہ زیب سر کئے ہوئے رات کو دو تین بجے محراب مسجد میں نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا ہے لیکن میں تو پیچھے ہٹ جاتا تھا- ارے پاگل جنات اللہ والوں کے لباس میں آجاتے ہیں- ان سے دور رہنا چاہئے-''



شجرۂ خاندان نقشبندیہ (مفصل)

یا الٰہی ہاتھ اٹھاتا ہوں دعا کے واسطے
کھول دے اپنے خزانے مجھ گدا کے واسطے — مدینہ طیبہ
۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ — رحمتِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے

مانگتا ہوں وہ جو مانگا ہے رسول پاک نے — مدینہ طیبہ
دُور رکھ جس سے پناہ مانگی شہِ لولاک نے
۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ — حضرت ابوبکر شاہ اولیاءؑ کے واسطے

ہر مہم میں میرے یا رب تو میرا ہوجا کفیل — مدائن
اَنْتَ حَسْبِی، اَنْتَ رَبِّی، اَنْتَ لِی نِعْمَ الْوَكِيْل
۱۰ رجب المرجب ۳۳ھ — حضرت سلمان امام الاتقیاء کے واسطے

مشکلوں میں آ پھنسا ہوں اے مرے بے کس نواز — مدائن
چارہ سازی کر غریب و ناتواں کے چارہ ساز
۲۴ جمادی الاوّل ۱۰۱ھ — خواجۂ قاسم فردِ کامل بے ریا کے واسطے

ہیں معاصی اس قدر، اعمال نامہ ہے سیاہ — مدینہ طیبہ
یا الٰہی بخش دے ورنہ ہوا بس اب تباہ
۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ — حضرت جعفر سراج الاولیاءؑ کے واسطے

شرک و بدعت کفر و ذلت حب دنیا سے بچا　　بسطام
اور حمیدہ مجھ کو سب اخلاق کر یا رب عطا
۱۵ شعبان ۲۶۱ھ　　کنز عرفاں بایزید رہنما کے واسط

معصیت سے پھیر دے دل کو مرے طاعت کی سُو　　خرقان
اے دلوں کو پھیرنے والے بڑا قادر ہے تو
۱۵ محرم الحرام ۴۲۵ھ　　شاہِ خرقاں بوالحسن نورِ خدا کے واسطے

نفس و شیطاں راہزن ہیں اور کٹھن ہے راستہ　　طوس
کردے بعد المشرقین ان سے تو مرا فاصلہ
۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ　　بوعلی کنز الیقیں جان ہدیٰ کے واسطے

میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ　　مرد
نورِ مطلق کی چمک سے باطن کو پیراستہ
۷ رجب المرجب ۵۳۵ھ　　مظہر حق خواجہ یوسف مہ لقا کے واسطے

کام وہ مجھ سے کرا ہو جس سے راضی مجھ سے تو　　غجدوانی
تیرے محبوبوں کے سب انداز آئیں ہو بہو
۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ　　عبدخالق قدوۂ اہلِ صفا کے واسطے

اہلِ سنت کے طریقہ پر ہمیں ثابت قدم　　ریوگر
یا الٰہی رکھ کہیں ایسا نہ ہو ڈگ جائیں ہم
یکم شوال المکرم ۶۱۶ھ　　خواجۂ عارف سمائے ارتقا کے واسطے

عشق ایسا دے مجھے حضرت رسول اللہ سے داہگنی
ان کی ہر سنت پہ مٹ جاؤں پھروں بد راہ سے
۷ اربیع الاوّل ۷۱۱ھ خواجہ محمود مفتاح عطا کے واسطے

اک سرِ مو تیری طاعت میں نہ مجھ سے فرق ہو خوارزم
راہ میں تیری مرا دل یا الٰہی برق ہو
۲۸ ذیقعدہ ۷۱۵ھ شہ علی رامتینی مردِ خدا کے واسطے

راستہ پر اپنے محبوبوں کے مجھ کو ڈال کر سماس
اے مرے ہادی مجھے پھر اُس سے تو گمراہ نہ کر
۱۰ جمادی الآخرہ ۷۵۵ھ بابا سماسی چراغ اصفیا کے واسطے

رابطہ پیروں سے میرا ایسا مستحکم رہے سوخار
طے کراتا منزل صد سالہ جو ہر دم رہے
۸ جمادی الاوّل ۷۷۲ھ حضرت سید امیر رہ نما کے واسطے

اپنا ذوق و شوق درد و سوز یا رب کر عطا قصرعارفاں
اپنے زکر و فکر انس و معرفت کا دے مزا
۳ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ شہ بہاؤالدین غوث اولیاء کے واسطے

توبہ و زہد و ورع، صبر و قناعت کر عطا توجغالیاں
شکر و تسلیم و رضا و عزلت توکل اے خدا
۲۰ رجب المرجب ۸۰۲ھ شہ علاؤالدین عطارِ ولا کے واسطے

مورد الطاف میرے سب لطائف کر خدا بلقتو
قلب و روح سر و خفی مقام نفس وا
۲۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ حضرت یعقوب چرخی باصفا کے واسطے

مجھ کو خلوت انجمن اور وطن میں دے سفر سمرقند
دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر
۲۹ ربیع الاوّل ۸۸۵ھ شہ عبید اللہ نورِ کبریا کے واسطے

اپنی ناز عشق سے کر سوختہ دل کو مرے وخش
تا ہمیشہ کے لیے وہ نار دوزخ سے بچے (افغانستان)
کیم ربیع لاوّل ۹۳۶ھ خواجہٗ زاہد ماحی حرص و ہوا کے واسطے

یاد میں اپنی الٰہی ایسا استغراق دے الفراز
ذات واحد کے سوا جو مجھ سے سب کچھ گم کرے
۱۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ خواجہٗ درویش جان ارتقاء کے واسطے

جام وحدت کا پلا کر کردے بے خود مجھ کو یوں املنگ
غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست ہوں (افغانستان)
۲۲ شعبان المعظم ۱۰۰۸ھ شہ املنگی کبیر الاولیاء کے واسطے

زندگی جتنی بڑھے طاعت بڑھے اتنی مدام دہلی
موت جب آئے تو آئے چین اے ربِ انام (ہندوستان)
باقی باللہ ذوالمجد دعلا کے واسطے ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ

جس مقام قرب میں پہنچوں کہوں هَلْ مِنْ مَّزِیْد سرہند
میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید (ہندوستان)
حضرت احمد مجدد مقتداء کے واسطے ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ

خاتمہ بالخیر ہو سکرات کی سختی نہ ہو! سرہند شریف
رُوح جب تیری طرف جائے اسے پستی نہ ہو!
حضرت معصوم کوہِ اعتلا کے واسطے ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ

قبر جب بھینچے مجھے ہونے لگے مجھ سے سوال سرہند شریف
کیجئو میری مدد اس وقت میرے ذوالجلال
حضرت عبدالاحد محو خدا کے واسطے ۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۷ھ

روز محشر کا مجھے ڈر کھائے جاتا ہے خدا بامیاں
اس کی ہر سختی سے یا رب لیجیو مجھ کو بچا (افغانستان)
شہ حنیف فخرِ ارباب ہدیٰ کے واسطے یکم صفر المظفر ۱۱۳۳ھ

شمس ہو جب میل بھر محرم پسینہ میں ہوں غرق انتکی لاتقی
تیرا سایہ چاہتا ہے یہ کمینہ عار خلق (حجاز مقدس)
شہ محمد رازداں راز خدا کے واسطے ۱۱۴۳ھ

خصم جب میرے کریں مجھ سے طلب اپنے حقوق مکہ معظمہ
ان کو راضی مجھ سے کر دیجو کہ ہے تجھ پر وثوق
۹ ذی الحجہ ۱۱۴۹ھ شہ محمد مظہری محو رضا کے واسطے

جس مقام سخت میں پہنچوں شفیع عاصیاں لواری شریف
ہو مدد پہ مری سنتا ہو میری آہ و فغاں (پاکستان)
۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ شہ زمان سلطان خوباں باخدا کے واسطے

جب تیری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب قاضی احمد
حکم ہو جا ہم نے بخشا بے حساب و بے عتاب (پاکستان)
۱۶ ذیعقدہ ۱۲۲۳ھ حاجی احمد متقی نور الہدیٰ کے واسطے

تو لے جائیں جب میرے اعمال میزان میں خدا مکان شریف
پلہ نیکی کو بوجھل کرکے ہلکی کر خطا (ہندوستان)
۷ صفر المظفر ۱۲۴۴ھ خواجہ حاجی حسین دل ربا کے واسطے

جب سر پل میں چلوں تو ہوں تیرا محبوب ساتھ مکان شریف
یوں زباں پر ربِ سلّم ہاتھ میں ہو میرا ہاتھ
۱۳ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ شہ امام علی بحرِ عطا کے واسطے

وہ جہنم کانپتی ہے جس سے دنیا کی یہ آگ دہلی
میرے مولا دور رکھیو مجھ سے تو اس کا عذاب
۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ حضرت مسعود شاہ الیا کے واسطے

پیاس کی شدت ہو جب تو آبِ کوثر ہو عطا مکان شریف
تا ابد لیتی رہے مری زباں اس کا مزا
۲۲ رجب ۱۳۱۷ھ　　سید صادق علی مشکل کشا کے واسطے

روزِ محشر مثلِ لمحہ مجھ پہ گزرے یا خدا الور
آخرش فردوسِ اعلیٰ میں مجھے دی جائے جا (ہندوستان)
۲۰ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ　　شاہ رکن الدین محبوبِ خدا کے واسطے

مجھ سا منگتا بھی کہیں اس در سے جاتا ہے خدا دہلی
تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا
۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ　　شہ محمد مظہر اللہ پیشوا کے واسطے

مجھ کو اور اس کو کہ جس کا مجھ پہ کچھ حق ہے خدا
جو طلب میں نے کیا یہ سب، سبھی کو ہو عطا
اپنی ذاتِ پاک کے کل اولیاء کے واسطے

اللھم آمین

بجاہ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین

وضاحت

شجرۂ خاندان نقشبندیہ (مجمل)

بخشدے یا ربا محمد مصطفیٰ کے واسطے
حضرت بو بکر و سلماں با خدا کے واسطے

قاسم و جعفر زبہر بایزید و بوالحسن
بو علی و خواجہ یوسف مقتدا کے واسطے

عبد خالق خواجہ عارف خواجہ محمود علی
بابا سماسی امیر الاولیاء کے واسطے

شہ بہاء الدین علاؤ الدین یعقوب و عبید
زاہد و درویش و امکنگی علا کے واسطے

باقی باللہ خواجہ احمد خواجہ معصومِ ولی
خواجہ عبدالاحد مردِ خدا کے واسطے

شہ حنیف و شہ محمد رازداں پیر ہُدا
شہ محمد مظہری قطب ورا کے واسطے

شہ زاں و حاجی احمد متقی شاہ حسین
شہ امام با علی مشکل کشا کے واسطے

حضرت مسعود و صادق شاہ رکن الدین ولی
شہ محمد مظہر اللہ مقتدا کے واسطے

شجرۂ خاندان قادریہ

بخش دے یا رب محمد مصطفیٰ کے واسطے
حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے

قافلہ سالار اور سبط نبی حضرت حسن
سیّد الشہداء حسین دل ربا کے واسطے

دا روئے امراض زین العابدین باقر امام
جعفر و کاظم علی موسیٰ رضا کے واسطے

خواجہ معروف کرخی سری سقطی کے طفیل
اور جنید و خواجہ شبلی رہنما کے واسطے

عبدِ واحد خواجہ یوسف خواجہ قرشی بوالحسن
رحم فرما بو سعید باصفا کے واسطے

حضرتِ محبوب سبحاں عبد قادر شاہ دیں
عبدا رزاق ضمیر اولیاء کے واسطے

شاہ شرف الدین و حضرت سید عبدالوہاب
شہ بہاؤ الدین عقیل مقتداء کے واسطے

شمس الدین و شہ گدا رحمٰن اول کے طفیل
شمس دیں ثانی گدا رحمٰن علا کے واسطے

شہ فضیل و شہ کمال و شہ سکندر کے طفیل
حضرت احمد مجدد باخدا کے واسطے

خواجہ معصوم خواجہ صبغۃ اللہ باکمال
خواجہ اسماعیل مذبوح خدا کے واسطے

شہ غلام حضرت معصوم اور حاجی صفی
عبد باقی اور عطا معصوم علا کے واسطے

قطب وقت خواجہ معصوم ضیاء نور حق
رکن دین و مظہر اللہ پارسا کے واسطے

شجرۂ خاندان چشتیہ

بخش دے یا رب محمد مصطفیٰ کے واسطے
حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے

حضرت خواجہ حسن اور عبد واحد شاہ دیں
حضرت خواجہ فضیل پارسا کے واسطے

خواجہ ابراہیم اور حضرت حذیفہ کے طفیل
شہ امین الدین ہبیرہ باصفا کے واسطے

صدقہ ابراہیم و دینوری و بو اسحاق کا
اور ابو احمد شہ دین خدا کے واسطے

بو محمد اور شاہِ ناصر دین مبین
قطبِ دین مودود چشتی با خدا کے واسطے

از پئے حاجی شریف و خواجۂ عثمان کے طفیل
شہ معین الدین امام الاولیاء کے واسطے

قطب دین و شہ فرید و حضرت مخدوم علی
خواجہ شمس الدین شاہ اتقیا کے واسطے

شہ جلال الدین عبدالحق و عارف پرُ ضیاء
حضرت شیخ محمد مقتداء کے واسطے

عبد قدوس اور حضرت رکن دین محبوبِ حق
خواجہ عبدالاحد نے نور ہدیٰ کے واسطے

حضرت احمد مجدد الف ثانی کے طفیل
خواجہ معصوم پیر رہنما کے واسطے

از پئے خواجہ محمد صبغۃ اللہ شاہ دیں
خواجہ اسماعیل شاہ اصفیاء کے واسطے

شہ غلام و حضرت معصوم اور حاجی صفی
عبد باقی اور عطا معصوم علا کے واسطے

حضرت خواجہ ضیاء معصوم محبوب خدا
رکن دین و مظہر اللہ پارسا کے واسطے





تیرھواں باب



رخصت

قطعہ تاریخ وفات

پیر طریقت، آقائی، مرشدی حضرت مولانا مفتی
محمد مظہر اللہ شاہ نقشبندی دہلوی نور اللہ مرقدہ

مظہر اللہ شاہ رخصت ہوگئے گل، چراغ بزم عرفاں ہوگیا
چل بسی خاکی جسد سے روح پاک بس کہ شیرازہ پریشاں ہوگیا
جلتے جلتے شمع ہستی بجھ گئی یک بیک فانوس عریاں ہوگیا
چودھویں شعبان کو یہ ماہتاب شام کے دامن میں پنہاں ہوگیا
سانحے کی جس گھڑی آئی خبر روئیں آنکھیں دل پریشاں ہوگیا
اشک بن کر بہہ رہا ہے خون دل اور اک اک اشک طوفاں ہوگیا
سوزِ غم سے دل میں لو اٹھنے لگی داغِ دل، شمع فروزاں ہوگیا
صرف دلّی تک نہیں محدود غم جا بجا ماتم کا ساماں ہوگیا
چھا گئی گل زار ہستی پر خزاں چاک ہر گل کا گریباں ہوگیا
آہ یہ پیر طریقت کی وفات ذرہ ذرہ آج گریاں ہوگیا
حشر کی تمہید ہے مومن کی موت لحہ لحہ حشر ساماں ہوگیا
نقشبندی گل کدے کا یہ گلاب زینت گل زار رضواں ہوگیا

اے قریشی تم کہو تاریخ غم
زندہ دل خلوت میں پنہاں ہوگیا

نوٹ: یہ قطعہ حضرت زیبا ناروی نے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے مرید با خلاص
حکیم محمد عمر قریشی کی فرمائش پر لکھا تھا

زیبا ناروی

۱۳۸۶ھ



وصالِ حق

موت ہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ ہر ذی حیات کو موت آنی ہے اس سے کسی کو مفر نہیں اس لیے ''کل نفس'' فرما کر تصدیق کی گئی ہے۔

موت سے کس کو راستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

البتہ موت آنے کے انداز جدا جدا ہوتے ہیں۔ اس سے مرنے والے کی شخصیت کی Classification کی جاتی ہے۔ یعنی کچھ لوگ محبوبوں کی طرح کچھ مردودوں کی طرح اور کچھ مجبوروں کی طرح مر جاتے ہیں۔

(الف) کوئی مرتا ہے تو بس مر ہی جاتا ہے۔ بعد میں کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔

(ب) کوئی مر کر بھی نہیں مرتا۔ اس کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ یادوں میں سمایا رہتا ہے بلکہ اس کی یادیں مشعل راہ بن جاتی ہیں۔

(ج) کسی زندگی کو کامیاب کہتے ہیں۔ کسی زندگی کو نامراد کہتے ہیں اس فیصلہ میں انجام کو دیکھا جاتا ہے۔ ''انت بھلا سو بھلا''

(د) اور عالم کی موت عالَم کی موت ہوا کرتی ہے کہتے ہیں: مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ

(ا) یہاں شان محبوبیت کا اندازہ غالب تھا۔ آئین محبت ہے کہ محبوب کی ہر بات پوری کی جائے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے اللہ تعالیٰ سے جو طلب کیا وہ پایا۔ مثلاً موت کے حوالے سے شجرہ شریف کے بعض اشعار یہ راز کھول دیتے ہیں۔ فرمایا:

زندگی جتنی بڑھے طاعت بڑھے اتنی مدام

موت جب آئے تو آئے چین اے رب انام

زندگی ۸۳ سال تک بڑھتی رہی ہر لمحہ طاعت بڑھتی رہی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی ساری زندگی اپنی اور اپنے حبیب کی اطاعت میں صرف کرادی۔ موت نے فکر عقبیٰ سے نجات دلا دی تو چین آ گیا۔ شرعی اور علمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئے۔ روانگی کا دن تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر آخری فتویٰ تحریر فرما دیا دیگر علمی کام سمیٹے عصر کی نماز ادا کی وصیت تحریر فرمائی پھر تازہ وضو فرمالیا کہ مولیٰ کے حضور باوضو حاضر ہوسکوں مصلیٰ پر پہنچے اور جان جانِ آفریں کے سپرد فرما دی۔ ایسا اطمینان کس کو نصیب ہوتا ہے؟ محبوبوں کے انداز یہی ہوتے ہیں۔ فرمایا:

ہر مہم میں میرے یارب تو میرا ہوجا کفیل

انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

ہر انسان کی زندگی مہمات اور مشکلات سے بھری ہوئی ہے لیکن سب سے کٹھن گھڑی سب سے خوفناک مہم موت سے نمٹنا ہے۔ جب وہ تعالیٰ کفیل ہو تو مشکل آنے سے پہلے حل ہو جاتی ہے سبحان اللہ یہ مہم اس شان سے حل ہوئی کہ اس تعالیٰ کی قدرت نظر آ گئی۔ ''انت ربی '' تو ہی میرا رب ہے میں کس قدر اعتماد ہے۔ جب اعتماد کامل ہو تو خوف کا شائبہ نہ ہوگا تب ہی آخر وقت تک کام میں مصروف رہے۔ وہ قلم جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے وصال سے ۴۰ منٹ پہلے تک اس سے کام لیا گیا۔ دینی کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کام لیا؟ صرف ۵ منٹ رہ گئے پھر وضو۔ تازہ وضو اور مصلیٰ پر آ گئے۔ ۵ بج کر ۲۰ منٹ ہو گئے اجلِ مسمّٰی وقت موجود ہو گیا مسکراتے ہوئے دعا کی اجل کو لبیک کہا کیسی خوشی تھی۔ پانی مانگنا نہ پڑا۔ رفیق اعلیٰ سے ملاقات کا اشتیاق تھا یا ''فتمنو الموت ان کنتم صادقین'' کا کوئی رمز ھو. واللہ اعلم بالصواب

فرقت میں تیری اس زندگی کی شام ہو
موت جب آئے صبح وصل کا پیغام ہو

عاشق رسول ﷺ کے دل میں پیر کے دن کی نسبت خاموش آرزو بن چکی تھی ۔ یہ آرزو پوری ہوگئی عالم دین تھے تو وقت کی برکتوں سے واقف تھے قبل طلوع الشّمس وقبل غروب کی فضیلتوں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا فیض بھی درکار تھا۔ رحمت حق نے اپنے محبوب بندہ کو اس فضیلت سے بھی نواز دیا۔

خاتمہ بالخیر ہو سکرات کی سختی نہ ہو
روح جب تیری طرف جائے اسے پستی نہ ہو

خاتمہ بالخیر سے عموماً ایمان کی سلامتی مطلوب ہوتی ہے وہ بحمدہ کاملاً میسر تھی پھر کسی کامحتاج نہ ہونا۔صرف پانچ منٹ پہلے خود وضوفرما کر مصلے پر آئے کوئی سہارا نہ لیا۔کسی سے علالت میں بھی خدمت نہ لی۔ آخر وقت تک کسی کا کوئی احسان نہ لیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی طلب نہ فرمایا۔سکرات کی سختی تو ہوا کرتی ہے لیکن جب دعا قبول ہو جائے تو قادر مطلق کے لیے سکرات کی سختی سے بچا لینا کیا دشوار ہے۔ روح پرواز ہوئی بغیر کسی سستی اور رکاوٹ ۔کے چند لمحوں میں یہ سب کچھ ہوگیا گویا سکرات کا عالم نہ ہوا یا ہوا تو آناً فاناً گذر گیا گویا ہوا ہی نہیں۔کتنا مختصر ترین دورانیہ ہوگا!

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے تقریباً ۸۳ سال اس جہان رنگ و بو میں نہایت اطمینان قلب کے ساتھ گزارے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ طمانیت قلب کے لمحات ''حاصل زندگی'' ہوتے ہیں۔حضرت علیہ الرحمہ کو یہ لمحات بڑی فراوانی سے ملے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سکینہ سے بھرپور نوازا تھا ہر وقت ایک دل پذیر سکون ان پر نازل ہوتا رہتا تھا۔

ان کی زندگی میں نشیب و فراز آئے۔ لیکن وہ کبھی بے چین نظر نہیں آئے۔ وہ بیمار ہوئے درد گردہ میں کس کس کے منہ سے چیخیں نہیں نکلتیں مگر حضرت نے کبھی ''ہائے'' نہ کی۔ دشمنوں نے اذیتیں دیں۔ کبھی اُف نہ کی۔ جوان اولادوں کا انتقال ہوا کوئی آہ فغاں کوئی شکوہ کوئی نالہ و فریاد کسی نے نہ سنی غرض کہ ہر زندگی میں جو نا مساعد حالات آتے ہیں وہ آئے مگر حضرت علیہ الرحمہ مضطرب نہ ہوتے خوشیاں بھی آئیں۔ طبیعت کو قابو میں رکھا شکر کیا۔ فخر نہ کیا۔ جس طرزِ زندگی کا انتخاب کیا تھا اسی پر چلتے رہے حالات کے قابو میں نہ گئے حالات کو اپنے قابو میں کرا لیا اور یقیناً یہی مرادِ زندگی ہے۔ [1]

مشیت الٰہی یہ ہے کہ عام طور پر موت کا علم لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی ''امورِ غیبیہ'' میں سے ہے لیکن جس طرح انبیاء علیہم کو ''اِلّا مَنِ الرتَضیٰ'' کے مطابق امورِ غیبیہ سے باخبر کیا گیا اسی طرح نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور عشق میں مرتبہ فنا تک پہنچنے والے اہل اللہ کو ان کی موت کے آنے کا وقت بتا دیا جاتا ہے اور وہ اگر چاہیں تو در پردہ کسی کو بتا سکتے ہیں تعجب کی بات نہیں ہے یہ تو قدیم رسم ہے۔ جب آیۃ شریفہ ''اَلیومَ اَکمَلتُ لَکُم دِیناً'' نازل ہوئی تو بعض اہل خرد چونک گئے۔

تاجدار اقلیم عقل و وجدان سید الاذکیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے کہ حضرت والا نے اس اشارہ کو پالیا تھا۔ اب فخر کون و مکاں کامل عرفاں اکمل الایماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نظارے بھی نہ ہو سکیں گے اور خطبہ حجۃ الوداع میں سرکار مالک و مختار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح اشارے فرما دیئے تھے یہ سنت و نعمت اولیاء مخصوصین کو ورثہ میں مل جاتی ہے چنانچہ حضور امام ربانی مجدد الف ثانی سرکار شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے یہ فرمایا کہ ''اس کا کیا حال ہوگا جس نے آج (نصف شعبان المعظم) اپنا نام مٹتے ہوئے خود دیکھ لیا ہے۔'' اپنی ہی روانگی کی اطلاع دی تھی اور اسی طرح واقعہ ہوا۔

۱۔ سورہ جن آیت ۲۶

حضرت شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے دادا مرشد قطب عالم قیوم زماں حضرت سید امام علی شاہ قدس سرہ نے آخری ایام میں بعض محبین کو اطلاع کر دی تھی اور اشارہ فرمادیا تھا کہ اگر جلد حاضر نہ ہوئے تو ملاقات سے محروم رہو گے۔ اکثر خطوط میں یہ جملہ تھا ''نماز فرض خدا قضا بود لیکن نماز صحبت مارا قضا نخواہد بود۔'' پھر وہ وقت آ گیا یعنی انتقال سے دو روز قبل کچھ افاقہ ہو گیا خاص اصحاب نے گزارش کی کہ مشتاقان دید کی خاطر گھر سے باہر تشریف لے چلیں تو فرمایا پرسوں صبح گھر سے باہر جائیں گے اور پرسوں صبح آپ کا جنازہ گھر سے باہر نکلا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مرشد کریم شیخ عظیم سید صادق علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وہ تحریر جس میں حضرت ممدوح نے الحاج حضرت علامہ شاہ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ہدایت فرمائی تھی ''آئندہ سال فقیر رہے یا نہ رہے آپ دہلی سے مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ کو لے کر آ جائیں'' اور حضرت سید صاحب قدس سرہ اسی سال پردہ فرما گئے۔

ایک واقعہ تو راقم الحروف کا آنکھوں دیکھا ہے کہ برادر طریقت مولانا محمد احمد صاحب قریشی (رحمتہ اللہ علیہ) لاہور سے دہلی حضرت علیہ الرحمہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے تھے۔ جس روز لاہور واپس جانا تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ خلاف معمول حضرت علیہ الرحمہ نے کھڑے ہو کر محمد احمد قریشی (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کو گلے لگایا۔ آبدیدہ ہو گئے۔ بھائی محمد احمدؒ نے عرض کیا۔ ''حضور دعا فرمادیں پھر قدم بوسی کے لیے جلد حاضر ہو جاؤں۔'' حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''اب ملاقات نہیں ہو سکے گی۔''

پاکستان سے ایک صاحب نے دہلی حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو لکھ دیا شوق سے آ جاؤ مگر اب ملاقات نہ ہو سکے گی اور بعض خصوصی حضرات کو بھی اشارۃً تحریر فرما دیا تھا۔

جس روز دنیا سے تشریف لے جانا تھا اس روز ظہر کے وقت مسجد تشریف نہیں لے گئے۔ پہلے بھی جب کبھی علالت کے سبب مسجد نہ جا سکے تو عصر کے بعد بہت ہی خاص

حضرات کو گھر پر اجازت باریابی مل جاتی تھی۔ اس روز جو بھی گھر پر حاضر ہوا اس کو ایک ہی جواب ملتا۔ ''اب نہیں ملیں گے۔'' شہزادہ عالی قدر مکرم میاں سلمہ (جو اس وقت بچے تھے) نے جب احقر سے بھی یہی فرمایا تو میں نے پوچھا۔ ''حضرت کی طبیعت کیسی ہے؟'' فرمایا ''ٹھیک ہے۔'' پھر دریافت کیا۔ ''کیا کر رہے ہیں؟'' فرمایا۔ ''کام کر رہے ہیں، لکھ رہے ہیں۔'' حضرت شاہزادہ صاحب احقر سے بہت مانوس تھے ان سے پھر عرض کیا۔ ''آپ جا کر میرا سلام تو کہہ دیں مجھے تو آج تک کبھی منع نہیں فرمایا۔'' شہزادہ صاحب نے فرمایا۔ ''دادا ابا نے کہا تھا جو بھی آئے اس سے یہی کہنا۔ 'اب نہیں ملیں گے' آپ کا سلام رات کو پہنچا دوں گا۔''

ایسا کون سا کام درپیش ہو گیا جو کسی سے ملاقات ممکن نہیں پہلے تو ایسا کبھی نہ ہوا قیاس آرائیاں کرتا ہوا اپنے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک جانی پہچانی آواز نے چونکا دیا۔

فتح پوری گئے تھے؟ احقر نے کہا۔ ''وہیں سے تو آ رہا ہوں۔''

اس عزیز نے پوچھا۔ ''کب لے جائیں گے رات کو ہی یا صبح کو؟''

احقر نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کس کو لے جائیں گے، کہاں لے جائیں گے؟''

پھر اس عزیز نے کہا ''تمہیں نہیں معلوم ابھی تھوڑی دیر ہوئی حضرت مفتی صاحب فتح پوری والوں کا انتقال ہو گیا۔'' چند لمحے سکتے میں گزر گئے۔ پھر ہم دونوں مسجد کی طرف دوڑ رہے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر طرف سے لوگ دیوانہ وار مسجد فتح پوری پہنچ رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے مسجد سے مکان شریف تک چوڑی سڑک جام ہو گئی مسجد میں بھی سوگواروں کا ہجوم تھا۔

آہ وہ کیا منظر تھا؟ سسکیاں تھیں، آہیں تھیں، فریادیں تھیں، نالے تھے، کسی نہ کسی گوشہ سے ٹھہر ٹھہر کر درد بھری صدا آ جاتی۔ ''ہائے لٹ گئے۔ آج مسلمان یتیم ہو گئے! آہ وہ سایہ رحمت اُٹھ گیا۔ اب ہمیں کون پوچھے گا؟ ہمارا غم خوار گیا!'' جنہوں نے

دانتوں سے ہونٹ دبا کر ضبط غم کا مظاہرہ کیا وہ بھی ان تیروں کو نہ جھیل سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سارا مجمع اشکبار تھا غم سے نڈھال تھا۔

دیکھا نہ کہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

ادھر گھر میں غسل کی تیاری ہوگئی۔ علمائے باعمل متقی اور باصفا حضرات کے ہاتھوں یہ کام سرانجام پایا میت کو غسل دینے والوں میں۔

۱۔ نائب مفتی اعظم ہندالحاج علامہ حافظ قاری حکیم مفتی مشرف شاہ رحمتہ اللہ علیہ نقشبندی مجددی قادری چشتی سہروردی صاحبزادہ وخلیفہ مجاز حضرت علیہ الرحمہ۔

۲۔ دوسرے صاحبزادے عالم نبیل فاضل جلیل الحاج حافظ قاری علامہ مفتی محمد احمد شاہ صاحب نقشبندی مجددی۔ خلیفہ مجاز حضرت علیہ الرحمہ امام مسجد فتح پوری دہلی۔

۳۔ تیسرے صاحبزادے گرامی جناب ڈاکٹر سعید احمد رحمتہ اللہ علیہ نقشبندی مجددی مظہری سجادہ نشین درگاہ عالیہ خواجۂ خواجگان ذی شان حضور خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت علیہ الرحمہ کے پوتے مولانا حافظ قاری (مفتی) محمد میاں صاحب مدظلہ (اس وقت آپ نو عمر تھے حفظ وقرأت سے فارغ ہو چکے تھے اور علوم دینیہ (درس نظامی کے طالب علم تھے) اور علوم مروجہ کی تحصیل بھی فرما رہے تھے۔

۵۔ جناب علامہ محمد مسلم صاحب ایم اے صاحب علم وتقویٰ تھے حضرت علیہ الرحمہ ان پر شفقت فرماتے تھے اردو کے مشہور ومعروف اہل قلم ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کے پوتے جو صحیح العقیدہ سنی ہیں۔

آج کسی کو ضبط یارا نہ تھا
اک ذرا چھیڑے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

نہلا کر میت شریف کو گھر میں رکھ دیا جہاں تمام رات اہل خانہ عزیز و اقربا اور مستورات مخصوصین زیارت کرتے رہے۔ صبح جنازہ مسجد میں لایا گیا اسی حجرہ میں رکھا گیا جہاں تقریباً ۶۵ سال روزانہ حضرت علیہ الرحمہ رونق افروز ہوتے اور مخلوق کو فیض یاب فرماتے رہے تھے ان طویل سالوں میں سب نے دیکھا جی بھر کے دیکھا آج آخری دیدار کے لیے طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں دل و نگاہ صدقہ ہوتے رہیں۔ آج تقاضہ تھا جلدی جلدی گزرتے جائیں کوئی ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتا ہنگامہ برپا ہو جائے گا لوگوں کا اندازہ تھا کہ تقریباً چالیس ہزار زائرین لائن میں لگے ہوئے تھے لوگ چلے آرہے تھے دہلی کے اطراف سے بھی آرہے تھے۔ آخر منتظمین نے کئی گھنٹے بعد یہ سلسلہ بند کیا ورنہ رات ہو جاتی۔

رات کو فیصلہ یہ ہوا کہ مسجد فتح پوری میں نماز جنازہ ہوگی اور تدفین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ہوگی (جہاں اپنے خاندانی احاطہ میں حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے لیے ایک سرداوا (قبر) بنوا لیا تھا۔ اس پروگرام کا اعلان ہوگیا اور حکومت نے بھی انتظامات کر لیے۔ اچانک فیصلہ تبدیل کرنا پڑا جس میں اکابرین علما شامل تھے۔ نماز جنازہ جامع مسجد شاہ جہانی میں اور تدفین مسجد فتح پوری میں طے پا گئی۔ حکومت کے انتظامات اور ٹریفک کے منصوبہ سب درہم برہم ہو گئے۔ نئے پروگرام سے حکومت کو آگاہ کیا گیا پوری کوشش کے باوجود وہ قابو پانے میں عاجز رہے شاید اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لیے فرشتے مقرر فرما دیے تھے جو بقول بعض مبصرین کے ایک لاکھ عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر بڑے احترام سے مقدس جنازے کو فتح پوری سے جامع مسجد لے گیا جہاں خانوادہ مجددیہ کے روشن چراغ، محقق مشرق حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہ کے منجھلے صاحبزادے خانقاہ مظہریہ کے سجادہ نشین، حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی قدس سرہ نے (کہ اس وقت ان سے افضل سرزمین دہلی میں کوئی نہ تھا) حضرت کے جنازے کی نماز پڑھائی اور پھر اسی طرح جنازہ مقدس واپس فتح پوری آ گیا۔ جنازے کے ساتھ دُور تک اتنے بانس باندھے گئے تھے کہ لوگوں کو کندھا دینے

کا شرف مل جائے مگر ہزاروں عقیدت مند بانس تک نہ پہنچ سکے۔ دہلی کے سب مسلمانوں نے اپنے روزگار بند کر دیے قرب و جوار کے شہروں اور دیہاتوں سے جو جنازے میں شرکت کر سکتے وہ بھی شامل ہو گئے تھے۔ دہلی والوں نے کبھی اتنا بڑا جلوس دیکھا ہی نہ تھا۔ بازار لال کنواں، قاضی حوض چاوڑی، بڑی کشادہ اور لمبی سڑکیں جلوس ایک کنارے پر پہنچتا تو دوسرے کنارے پر بھی موجود ہوتا پوری سڑک پر انسانوں کے سر کے سوا کچھ نہ تھا۔ کہیں خلا نہ تھا کوئی سواری سوائے اس محترم جنازے کے نہ تھی ہندو، سکھ اپنی اپنی دکانوں پر ہاتھ جوڑے احترام سے کھڑے رہے کہ سارے علاقے ہندو آبادی کے تھے اور [illegible] مدوں میں عورتیں بھی حیرت اور احترام سے پر نام (سلام) کر رہی تھیں بعض [illegible] جلہ جنازہ مبارکہ پر گل پاشی بھی کی گئی۔

اخباری نمائندے سرکاری اور غیر سرکاری ایجنسیاں اس حیران کن جلوس کی رپورٹیں تیار کر رہے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری ایک طرف کھڑے سوچ رہے تھے اتنے لوگ جذباتی کیفیت میں ہوتے ہوئے نہ کوئی مرا نہ دبا نہ جھگڑا ہوا کون کنٹرول کر رہا ہے بوڑھے بھی تھے جوان بھی اور بچے بھی بیمار، صحت مند سب ہی تھے فرشتوں کا انتظام تھا۔ انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔

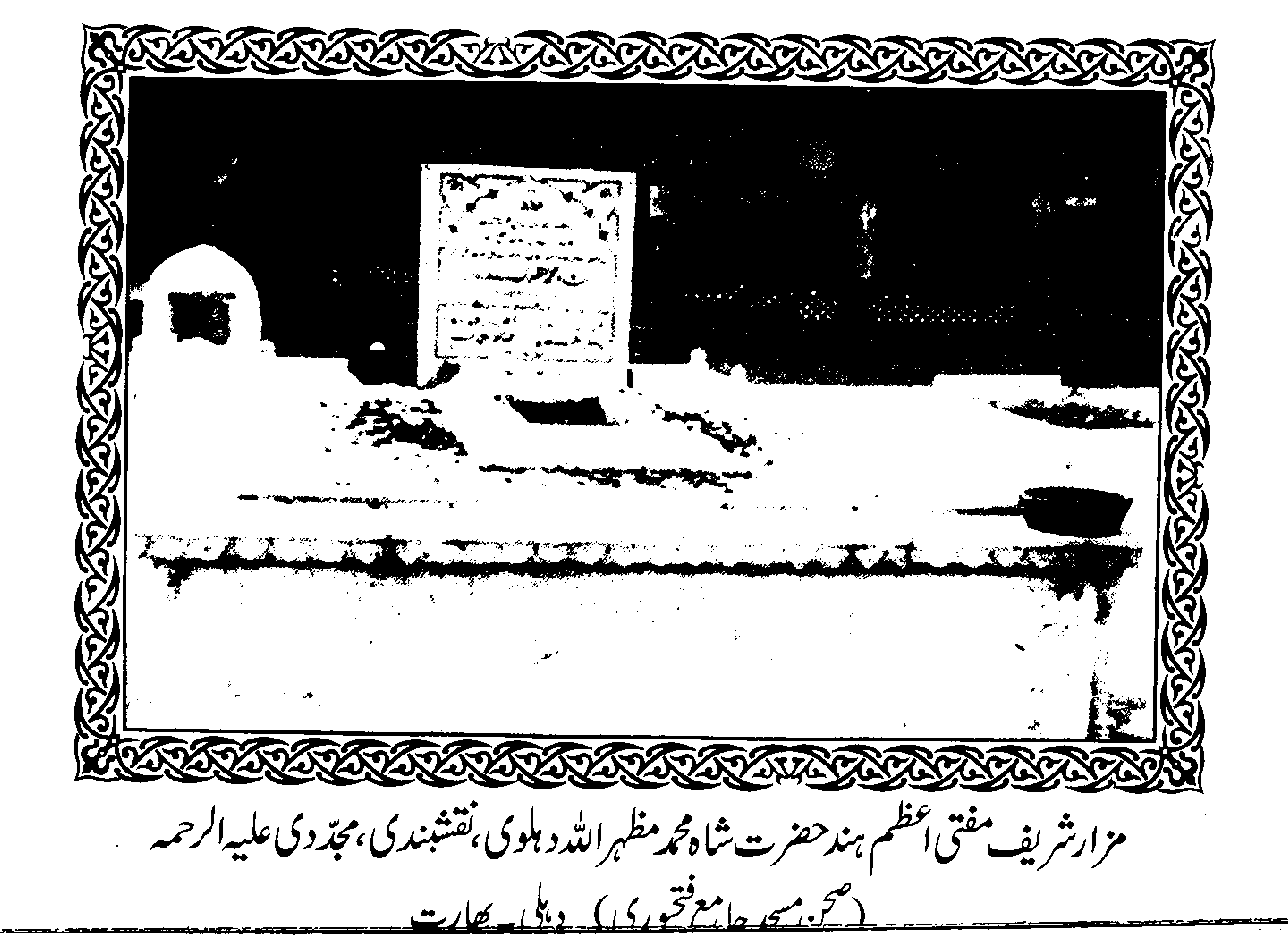
ان اخبار، رسائل و جرائد میں ماہنامہ ''منادی'' نئی دلی (جلد ۴۱ شمارہ ۱۲) دسمبر ۱۹۷۶ء محفوظ رہ سکا اس کی رپورٹ سے ایک اقتباس پیش ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شام کو وضو کر کے حضرت سجادے پر تشریف فرما تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ وصال کی خبر آناً فاناً ساری دلی میں پھیل گئی۔ دوسرے دن صبح نو بجے نماز جنازہ کا اعلان ہوا تھا اور خیال تھا کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب میں تدفین ہو گی لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے سارے انتظامات درہم برہم ہو گئے اور ہزار ہا کا مجمع حضرت کے جنازے کو کندھوں پر اُٹھائے جامع مسجد کی طرف لے چلا۔ بڑیوں کا کٹھہرہ، فراشخانہ، لال کنواں، سرکنواں، سرکیوالان، حوض قاضی، چاوڑی بازار کے تمام راستے بند ہو گئے ٹریفک پولیس کو بھی سخت دشواریاں پیش آئیں۔ کندھا دینے

والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب جلوس کا اگلا حصہ جامع مسجد پر پہنچا تو پچھلا حصہ قاضی حوض پر موجود تھا۔ جامع مسجد میں زوال آفتاب کے بعد دلّی کے مشہور گوشہ نشین عالم اور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن زید فاضل جامعہ ازہر سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہاں سے جنازہ چاندنی چوک ہوتا ہوا پھر دوبارہ مسجد جامع فتح پوری پہنچا اور مسجد کے صحن میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

دلّی اور اطراف کے بے شمار مسلمان جن میں ہر خیال اور عقیدے کے لوگ تھے نمازِ جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے۔ جلوس میں غیر مسلموں نے بھی کثیر تعداد میں حصہ لیا چاندنی چوک اور چاوڑی بازار میں جو خالصتاً ہندوؤں کے علاقے ہیں ہندو سکھ دکاندار جنازے کو دیکھ کر احترام سے کھڑے ہوجاتے تھے۔ چاوڑی بازار میں تو جنازے پر پھول بھی برسائے گئے۔ سارا انتظام بالکل غیر اختیاری طور پر اور پہلے سے طے کیے بغیر ہوا۔ راستے بھی خود بخود بند ہوتے چلے گئے یعنی ہر قسم کی سواریوں کا آنا جانا روک دیا گیا اور جنازہ بھی غیر اختیاری طور پر پہلے جامع مسجد پہنچا اور نماز کے بعد دوبارہ فتح پوری کی جامع مسجد میں آ گیا حالانکہ اعلان یہ ہوا کہ نماز جنازہ فتح پوری اور تدفین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی دنیا کو دکھانا چاہتا تھا جو ساری عمر شہرت سے بچ کر گوشہ نشین رہتے ہیں ور خاموشی سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ حضرت کا آخری سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر ختم ہوا اور مئے حب الٰہی سے سرشار اس بزرگ کو جو امام شہر بھی تھے اور صاحب سجادہ بھی ہزاروں مومن مسجد سے مسجد تک کے سفر میں اس طرح دوش بدوش لے گئے کہ حافظ کا یہ شعر نئے معنی و مفہوم میں سب پر آشکار ہو گیا کہ

زکوئے میکدہ دوش بدوش می بردند
امام شہر کہ سجادہ می کشید بدوش



مزار شریف مفتی اعظم ہند حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، نقشبندی، مجدّدی علیہ الرحمہ

(صحن مسجد جامع فتحپوری) دہلی۔ بھارت

مسجد فتح پوری کے صحن میں مشرق کی جانب حضرت میراں نانوشاہ کی درگاہ ہے چند شہداء کے مزار بھی ہیں جہاں حضرت شیخ الاسلام کو دفن کیا گیا اس قدر ہجوم میں تدفین کا عمل نظر نہ آسکا جب دعا ہوئی تو پتا چلا کہ یہ کام پورا ہوگیا۔ لوگ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو جارہے تھے۔ احاطے کی جالیوں کے چاروں طرف ہزاروں لوگ جمع تھے ایصالِ ثواب کرر ہے تھے اس رات بھی مسجد بند نہ ہوسکی۔ مسجد کے دالانوں میں قرآن خوانی ہورہی تھی۔ جا بجا لوگ نوافل اور تسبیحات میں لگے ہوئے تھے صحن مسجد میں دعائیں ہورہی تھیں۔ رات کو آل انڈیا ریڈیو نے بار بار اطلاع دی صبح ہوتے ہی ہندوستان اور پاکستان کے تمام اخباروں نے بڑی بڑی شہ سرخیاں لگائیں بعض اخباروں نے اس قدر سیاہ حاشیئے لگائے گویا ماتمی لباس میں دکھی دلوں کی فریاد پیش کرر ہے تھے۔ بقول غالب

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

ان میں سے صرف چند شہ سرخیاں اور اہم ریمارکس ہیں جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ اس سانحہ سے صحافت کی دنیا میں کس قدر محرومی چھا گئی اور عوام کا کیا حال ہوا ہوگا ان سرخیوں کے تحت جو اظہارِ ملال کیا گیا اس میں سے بعض اقتباسات تذکرہ مظہر مسعود میں محفوظ ہیں۔

۱۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب شاہی امام مسجد فتح پوری کی وفات حسرت آیات سے شریعت و طریقت کے ایوانوں میں اداسی چھا گئی (ماہنامہ منادی نئی دہلی، دسمبر ۱۹۶۶ء)

۲۔ آسمان سلوک و طریقت کا آفتاب غروب ہوگیا (اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء)

۳۔ حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات ملت کے لیے ایک

افسوسناک سانحہ اور دینی حلقوں کے لیے نا قابلِ تلافی سانحہ ہے۔ (اخبار الجمعیۃ ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء)

۴۔ آہ...... مفتی اعظم حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب راہ گزار عالم فردوس ہو گئے...... حضرت مفتی اعظم نقشبندیہ سلسلے کے بڑے بزرگ اور ولی کامل تھے۔ (اخبار ہمارا دور دہلی ۲۰ نومبر ۱۹۶۶ء)

۵۔ جنازے میں شہر کے مسلم اکابرین اور عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی (اخبار دعوت دہلی ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

۶۔ مرحوم مسلمانوں کے ہر طبقے میں احترام اور عقیدت کے ساتھ دیکھے جاتے تھے اور متوسلین کا ایک بہت بڑا حلقہ رکھتے تھے مرحوم کو ہمیشہ مرجعیت اور مقبولیت حاصل رہی (الجمعیۃ ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

۷۔ دنیائے تصوف کا شہنشاہ اور آسمان علم و عمل کا درخشندہ آفتاب غروب ہو گیا (پندرہ روز غریب نواز ۲۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

۸۔ مسلمانان اہل سنت میں صف ماتم...... نماز جنازہ میں عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم۔

۹۔ پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا...... آل انڈیا ریڈیو نے تقریباً سات بار وصال کی خبر ریلیز کی ہندوستان پاکستان کے اکثر شہروں میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوتی رہی۔ غالباً کسی مرید نے مدینہ منورہ میں بھی ایصال ثواب کی مجلس منعقد کی تھی۔

اہل قلم اپنے تاثرات پیش کرتے رہے بلکہ اب بھی بعض رسائل اور اخبارات میں مقالے شائع ہوتے رہتے ہیں شعراء نے مرثیے اور تاریخی قطعات لکھے جن میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

۱۰۔ عالم باعمل فاضل بے بدل فقیہ یگانہ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب، صدیقی حنفی نقشبندی شاہی امام مسجد فتح پوری ''شریعت اور طریقت کا یہ مہر تاباں

عین غروب آفتاب کے وقت ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ آپ کے معتقدین و متوسلین کو بالخصوص اور امت مسلمہ کو بالعموم جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی اس دور قحط الرجال میں ممکن نہیں اور اس اعتبار سے ان کے انتقال پر جس قدر بھی حسرت و ملال کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے آپ نے پورے ۶۰ سال تک نہایت ورع وتقویٰ اور کمال تدین کے ساتھ دہلی کی عظیم الشان شاہی مسجد فتح پوری میں امامت فرمائی اور افتاء کی جلیل القدر خدمات انجام دیں۔''

(پندرہ روز پیام مشرق اشاعت ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء)

۱۱۔ حضرت مفتی مولینا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت ایام آخری وقت تک اسلام وسنت کی خدمت کے فریضہ کی انجام دہی۔ حضرت اکابر اہل سنت و جماعت میں سے تھے آپ کی فراست ایمانی اور تفقہ فی الدین سب ہی آپ کی علمی قدر و منزلت کا احترام کرتے تھے۔ نقشبندی چشتی صابری اور قادری چاروں سلسلوں سے حضرت کی وابستگی تھی۔ زہد واتقاء عبادت و ریاضت، شب بیداری اور تہجد گزاری میں قابل رشک حیثیت رکھتے تھے کیا عجب کہ اس صلہ میں رفیق اعلیٰ کی طلبی کے لیے شب قدر کی مبارک ساعت کا انتخاب کیا گیا جو ایک مرد مومن کے لیے سب سے بڑی سعادت اور باعث نجات ہے (ماہنامہ آستانہ دہلی جنوری ۶۷)



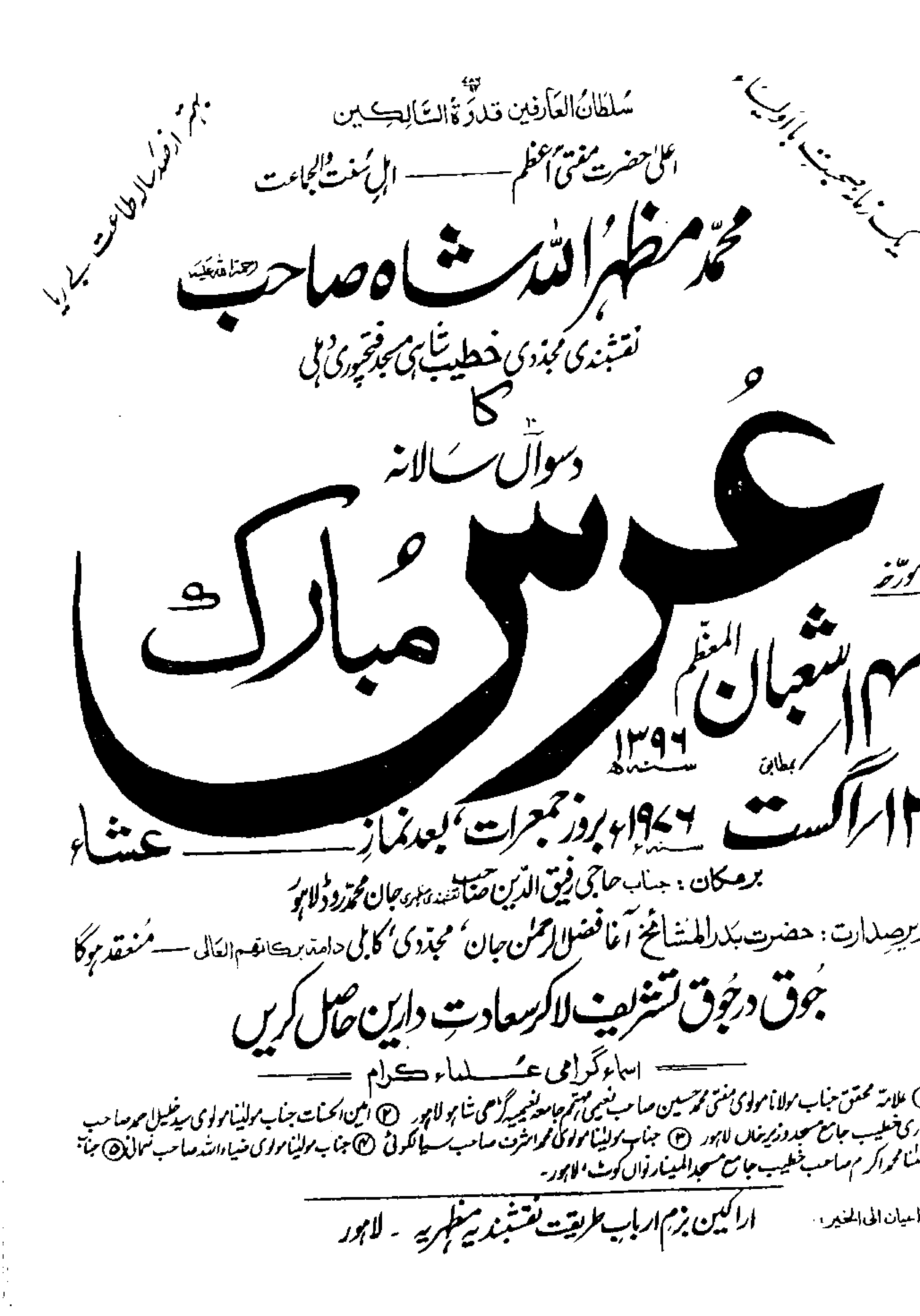
عرس مبارک

طریقت کے تمام سلاسل میں بزرگان دین کے عرس منانے کا رواج ہے۔ عموماً یہ مجالس صاحب عرس کے مزار پر منعقد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے مقبول اور بافیض بندے بھی ہیں جن کے عرس مختلف مقامات یا مختلف شہروں میں بھی ہوتے ہیں ایسے حضرات عموماً اولیائے کبار میں شمار کیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا عرس دہلی میں ان کے مزار مقدس پر شایانِ شان طریقہ پر منایا جاتا ہے۔ لاہور میں عرس کی خصوصیت یہ ہے کہ بکثرت قرآن کریم پڑھا جاتا ہے کراچی میں کئی سال تک جامع مسجد آرام باغ میں بڑی سادگی سے عرس مبارک ہوتا رہا۔ چند سالوں سے یہ حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم کے دولت کدہ کے سامنے منعقد ہوتا ہے، آرام باغ کے مقابلے میں یہاں شرکاء محفل کی تعداد دس گنا ہوتی ہے اور ہر سال بڑھتی جارہی ہے۔ علماء کرام اور مشائخ عظام شرکت فرماتے ہیں۔ خصوصاً حضرت آغا پیر فضل الرحمٰن صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ العالی جو اس دور میں خانوادہ عالیہ مجددیہ کی سب سے محبوب اور مقبول شخصیت میں معہ شہزادگان خاندان مقدسہ مجددیہ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس محفل عرس کی شوکت، اعلیٰ انتظام اور بہت عمدہ لنگر شریف صاحب عرس کے فیوض برکات پر گواہ ہیں آپ کے عقیدت مندوں کا ہجوم بڑھتا جارہا ہے۔

بھارت اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں محافل عرس اور ایصالِ ثواب کی تقریبات میں بھی رونق ہوتی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے عرس کی ایک امتیازی شان اس کی مبارک تاریخ ہے۔ بندہ کے لیے یہ بے اختیاری امر ہے۔ یہ انتخاب تو اللہ جل جلالہ کا خاص انعام ہے۔ نصف شعبان المعظم کی شب وہ مقدس رات جب کہ تمام مخلوق کے لیے آئندہ سال کے اہم فیصلے ہورہے ہوں۔ اللہ سبحانہ اعظم شانہ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہو۔ شب برأت


سلطان العارفین قدوۃ السالکین
اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ——— اہل سنت والجماعت
محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نقشبندی مجددی خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی
کا
دسواں سالانہ
عرس مبارک
۱۴ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ
بمطابق ۱۲ اگست ۱۹۷۶ء بروز جمعرات بعد نماز ——— عشاء
بر مکان: جناب حاجی رفیق الدین صاحب نقشبندی مظہری جان محمد روڈ لاہور
زیرِ صدارت: حضرت بدر المشائخ آغا فضل الرحمٰن جان مجددی کابلی دامت برکاتہم العالیہ ——— منعقد ہوگا
جوق در جوق تشریف لاکر سعادت دارین حاصل کریں
اسماء گرامی علماء کرام
علامہ محقق جناب مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور ② امین الحسنات جناب مولینا مولوی سید خلیل احمد صاحب
خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور ③ جناب مولینا مولوی محمد اشرف صاحب سیالکوٹی ④ جناب مولینا مولوی ضیاء اللہ صاحب نمانی ⑤ جناب
محمد اکرم صاحب خطیب جامع مسجد المینار نواں کوٹ، لاہور۔
الداعیان الی الخیر: اراکین بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ - لاہور

الا ان اولیا اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

✶

عرس مبارک

✶

سلطان العارفین قدوۃ السالکین یگانہ حضرت صمدیت مقبول بارگاہ احدیت شیدائے تاجدار مدنی مستغرق الی اللہ مظہر العلوم الجلی والخفی اعلیٰ حضرت مفتی اعظم اہل سنت والجماعت محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دھلی کا تیسرا سالانہ عرس مبارک منجانب بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ لاھور مورخہ ۱۴ و ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۷ و ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء بروز پیر و منگل حسب پروگرام ذیل بر مکان حاجی رفیق الدین صاحب نقشبندی مظہری پان والے واقع جان محمد روڈ نئی انارکلی لاھور منعقد ھوگا۔ استدعا ھے کہ شرکت فرما کر فیض دارین حاصل کریں۔ فقط والسلام

المـــداعیان الی الخیر

اراکین بزم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ۔ لاھور

پروگرام

نشست اول بروز پیر ۱۴ شعبان المعظم مطابق ۲۷ اکتوبر

بعد نماز مغرب ... ... مراقبہ

بعد نماز عشاء ... ... قرآن خوانی

تقاریر علمائے کرام۔ نعت خوانی۔ ختم خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارھم۔ صلواۃ و سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

بعد نماز فجر ... ... تقسیم تبرک

نشست دوم بروز منگل ۱۵ شعبان المعظم مطابق ۲۸ اکتوبر

بعد نماز عصر ... ... قرآن خوانی

بعد نماز مغرب ... ... مراقبہ۔ ایصال ثواب و طعام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۞ نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ما از نبی بود گدائے نقشبند
الم دو قوام از شاہ نقشبند

عرس سراپا قدس

اعلحضرت عظیم البرکت رہبر شریعت و طریقت، واقف اسرار حقیقت، امام اہلسنت حضرت مولانا و مقتدانا مولوی حافظ قاری ابی و اُستاذی و مجازی مفتی اعظم الہند الحاج محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی، مجددی، قادری چشتی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی کا عرس مبارک مندرجہ ذیل اوقات میں ہوگا:۔

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۶۷ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء جامع مسجد آرام باغ کراچی میں جلسہ ہوگا جس میں علمائے کرام (فضائل شب برأت) اور آپ کی سیرتِ مُبارکہ پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۵ شعبان المعظم بروز ہفتہ بمقام جناح مسجد آرٹلری میدان ۱۲ بعد نماز ظہر تا عصر تلاوتِ قرآن پاک، بعد نماز عصر قُل شریف ہوگا۔

الداعی الی الخیر

احقر العباد محمد ظفر احمد غفرلہٗ الصمد خلف اکبر حضرت مفتی صاحب نقشبندی قادری چشتی، سہروردی فریئر روڈ کراچی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عالم و فاضل، فقیہ و مقتدائے عارفاں
شیخ دوراں، مظہر اللہ مفتی ہندوستاں (ضیا بدایونی)

عرس مبارک

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مفتی اعظم، شیخ المشائخ الحاج شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ نقشبندی مجددی قادری چشتی شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

زیر سرپرستی

عالی مرتبت، عظیم البرکت، طریقت پناہ حضرت مولینا علامہ مفتی الحاج شاہ محمد محمود احمد صاحب الوری دامت برکاتہم العالیہ

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء بروز

پہلی نشست ——— قرآن خوانی :- بعد نماز ظہر، جامع مسجد آرام باغ، کراچی

دوسری نشست ——— قل شریف :- بعد نماز عصر، 〃 〃 〃

تیسری نشست ——— طعام :- بعد نماز مغرب

(برمکان حاجی منظور احمد، مالک میٹرو فرنشنگ، متصل آرام باغ)

چوتھی نشست ——— تقاریر علمائے کرام :- بعد نماز عشاء، جامع مسجد آرام باغ

شرکت فرما کر فیوض و برکات سے مستفیض ہوں

الداعی: احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ (ابن مفتی اعظم علیہ الرحمۃ) احقر: محمد ظفر احمد عفی عنہ (نبیرہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ)

نظام الاوقات

(درمیع رقم دہلوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عُرس مُبارک

محترمی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی، قادری، چشتی، سہروردی علیہ الرحمہ

(شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی)

کے عرس مبارک کی محفل مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق منعقد کی جارہی ہے

شرکت فرما کر سعادت دارین حاصل کریں

تاریخ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۱ اکتوبر بروز پیر وقت ۵ بجے شام

(نماز عصر، قرآن خوانی، درود شریف، نماز مغرب، تلاوت ونعت خوانی، تقاریر وصلوٰۃ وسلام، نماز عشاء وطعام)

مقام: پی ای سی ایچ سوسائٹی کمیونٹی ہال، شاہراہ قائدین، کراچی ۷۵۴۰۰ (نزد سوسائٹی آفس)۔

ٹرانسپورٹ روٹ: کوچ: میزان، دولت، مرحت، منی بس: ایف۔۹، ایف۔۶، ایف۔۱۶، یو۔۴، یو۔۵، ڈبلیو۔۲۲، جی۔۷، ایم۔۱، ایس ایف۔بی

رابطہ: فون: ۴۵۵۲۰۶۸، ۲۲۱۳۹۷۳، ۵۸۴۰۹۹۳

الداعیان احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ (ابن مفتی اعظم علیہ الرحمہ)، احقر محمد ظفر احمد عفی عنہ (نبیرۂ مفتی اعظم علیہ الرحمہ)، احقر ابوالسرور محمد مسرور احمد (نبیرۂ مفتی اعظم علیہ الرحمہ)۔ نوٹ: زکوٰۃ کے مستحق طلباء اپنی پسند کی ۳۲ صفحات تک کی ایک کتاب لے سکتے ہیں۔

جہنم سے چھٹکارا کی رات ہر عبادت کا ثواب بہت زیادہ اس رات کی مثال نہیں۔

اس تاریخ کو کوئی مسلمان بھول ہی نہیں سکتا۔ اس رات کو ایک محبوب کا ذکر خیر کرایا جاتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں حضرت علیہ الرحمہ کی مقبولیت اور محبوبیت کے لیے اس سے زیادہ واضح اور کیا دلیل ہوگی؟

عرس مبارک میں شریعت کی متابعت خاندان عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا طرہ امتیاز ہے اس کی سختی سے پاسداری کی جاتی ہے۔ نمازِ عصر باجماعت کے فوراً بعد تلاوتِ قرآن حکیم ایک طرف اور دوسری طرف دانوں پر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ نمازِ مغرب سے چند منٹ پہلے قل شریف اور شجرہ مبارکہ یا نماز مغرب کے فوراً بعد۔ پھر نعت شریف بحضور سرورِ کون و مکاں ﷺ، تقاریر علماء کرام ہر تقریر کے بعد ایک نعت شریف یا کبھی دو۔ موسم کے پیشِ نظر ۱۰، ۱۱ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے پھر صلوٰۃ وسلام اور دعا کے بعد نمازِ عشاء باجماعت اور اس کے فوراً بعد لنگر شریف۔

اس طویل پروگرام کا نظم ونسق اس قدر خوش اسلوبی متانت اور وقار کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سے زیادہ آدمی اس قدر سکون سے کھانا تناول فرماتے ہیں کہ حضرت پروفیسر علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کی بین کرامت نظر آتی ہے۔ کارکنان کا ایثار ان کی سچی عقیدت اور بہترین تربیت کی اعلیٰ مثال ہے۔



آرزوئیں

سخت سردی کے دن تھے حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت ناساز ہوگئی، احقر نے مزاج پرسی کی تو فرمایا۔ ''سینہ پر ٹھنڈ کا اثر ہے۔'' دوا کے لیے عرض کیا تو فرمایا۔ ''دوا سے زیادہ احتیاط ضروری ہوتی ہے'' امید ہوئی ابھی کچھ اور ارشاد ہوگا، بار بار نگاہ اٹھتی چہرہ انور کی بلائیں لیتی واپس آجاتی۔ خط جو تحریر فرما رہے تھے پورا ہوا ادھر لب کشائی ہوئی ادھر گرہ کشائی ....فرمایا۔ ''پہلے لوگ سینہ بند پہنتے تھے اب رواج ہی نہیں رہا، شاید اب کوئی سینہ بند سینا جانتا ہی نہیں کسی بوڑھی عورت سے معلوم کرنا۔'' ایک دو عورتوں سے پوچھا کسی نے ہامی نہیں بھری۔

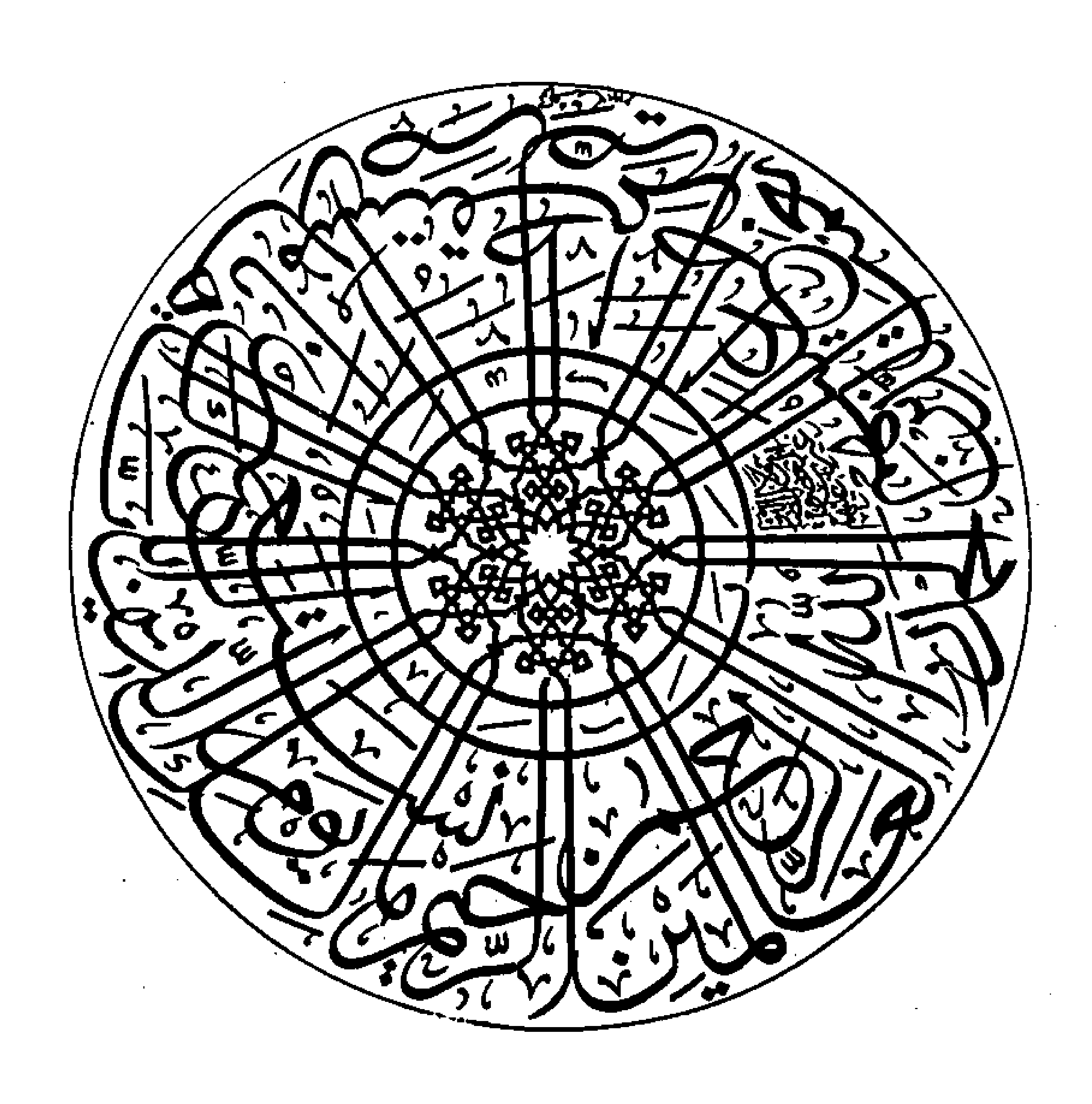
بازار فراشخانہ (دہلی) میں لب سڑک مسجد کے سامنے ایک بوڑھے درزی کی دوکان تھی۔ ''السلام علیکم! چچا کیا آپ سینہ بند سینا جانتے ہیں؟'' احقر نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ ''معلوم تھا کہ بڑے نخرے والے ہیں بڑے صاحب نے بڑے ناز سے سر اُٹھایا۔'' آتا ہے؟ ہمیں کیا نہیں آتا، دھوپ میں بال سفید نہیں کیے۔'''' تو پھر سی دیں'' احقر نے کہا۔ درزی صاحب نے کہا ہم یہ چیزیں نہیں سیتے امید اتنی جلدی ناامیدی میں بدل گئی کچھ سوچ رہا تھا...... وہ سمجھے میں نے ان کا جواب نہیں سنا اس لیے دھرایا'' ہم یہ چیزیں نہیں سیتے۔'' میں نے کہا حضرت مفتی صاحب کے لیے سلوانا ہے۔ درزی نے چونک کر پوچھا فتح پوری والے سرکار؟ ''جی ہاں'' جو کپڑا کاٹ رہے تھے اُسے ایک طرف سرکایا منہ سے بیڑی نکال کر پھینکی سامنے مسجد میں گئے خوب کلیاں کیں کہا چلو ناپ لائیں۔ میں نے کہا آپ نے وضو کیا نماز نہیں پڑھی تو درزی صاحب نے بتایا میں نے کلیاں کی تھیں تا کہ میاں کی ناپ لیتے وقت میرے منہ سے بدبو نہ آجائے۔

خدمت شریفہ میں حاضر ہوئے تو احقر نے عرض کیا یہ درزی ہیں۔ سینہ بند کے لیے ناپ لینے آئے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ''میں نے تو معلوم کرنے کے لیے

کہا تھا۔انہیں کیوں زحمت دی؟''

درزی صاحب کھڑے ہو گئے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔''حضور زحمت کیسی آج تو میری قسمت جاگی ہے سرکار کی خدمت تو نصیبوں (نصیب) والوں کو ملتی ہے۔'' ناپ لے کر گئے سب کام پسِ پشت ڈالا سینہ بندسیا ایسے اترا رہے تھے (کہ کوئی شہنشاہ کے کپڑے سی کر بھی نہ اترائے گا) کہ ان سے بڑا یا ان سے خوش نصیب درزی دنیا میں کوئی نہیں۔

ایک درزی ہی کیا کس کس کی آرزو تھی کاش ہمیں کوئی خدمت کا موقع مل جائے۔



کہتی ہے خلق خدا تجھ کو غائبانہ کیا

ممتاز شخصیتوں، سیاستدانوں، علما و مشائخ وغیرہ میں عموماً یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ ان کے مداحوں اور معتقدوں کا حلقہ وسیع تر ہوتا جائے۔ معاصرین میں کسی کو آگے بڑھتا دیکھتے ہیں تو اس سے Jeolous ہو جاتے ہیں۔ ایسی ہستیاں نادر الوجود ہیں معاصرین جن کی عظمت کے نہ صرف معترف ہوں بلکہ اس ہستی کی تعظیم و محبت کو نیکی سمجھتے ہوں۔ شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ مجددی علیہ الرحمہ ایسی ہی نابغہ روزگار ہستی تھے جن کے اپنے پرائے سب ہی گن گاتے تھے۔ اردو کے مشہور شاعر جناب گلزار دہلوی نے حضرت علیہ الرحمہ کی شان میں کہا تھا:

اپنے تو پھر اپنے ہیں اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی بھی زبان پر شہرہ تمہارا ہے

نظر کرم ہو اس پہ محمد مظہر اللہ
گل زار جس کا نام ہے منگتا تمہارا ہے

مفسر قرآن صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد (یو پی۔ بھارت) و خلیفہ اجل امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ماہنامے ''السواد الاعظم'' شمارہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں ص ۲۴ پر حضرت علیہ الرحمہ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب جیسا پاک سیرت شخص سرزمین دہلی میں رحمت خدا ہے وہ ایک ولی صفت بزرگ ہیں۔''

اخبار دبدبۂ سکندری جولائی ۱۹۴۷ء (رام پور بھارت) کے ایڈیٹر مولانا شاہ محمد فضل حسین صابری علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں یوں نذر عقیدت پیش کرتے ہیں۔

''ہر مسلمان جس کو اپنے اکابر کی قدر ہوا سے ہر صبح و شام بارگاہِ الٰہی میں حضرت والا کی ایسی مقدس ہستی کے لیے تضرع وزاری سے دعائیں کرنا لازم ہے۔ ایسی ذات مقدس اب زمانہ ہزار کاوشوں سے بھی پیدا نہ کر سکے گا۔''

مشہور مبلغ اسلام مولانا منور الحسین[1] نے اپنے مکتوب مورخہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء میں تحریر فرمایا۔

دہلی آنے سے قبل تبلیغ کے سلسلے میں پورے ہندوستان میں دورے کرتے رہے لکھتے ہیں'' دہلی آنے سے قبل پندرہ سال انڈیا کے تمام ہی صوبوں کی گشت کی مگر یہ کمال کسی صاحب میں نہیں پایا کہ موافق ومخالف سب ہی گرویدہ ہوں۔'' ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔'' میں اولیائے کرام کی تلاش میں تمام انڈیا میں پھرا مگر ایسا مجسمہ رحمت نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ میں اپنی معرفت تامہ عطا فرمائے۔''

حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب نے ۸۰ برس سے زیادہ عمر پائی اور ساری عمر دین حق کی خدمت میں گزار دی دنیا ان کو صرف امام جامع مسجد فتح پوری دلّی اور مفتی اعظم ہی کی حیثیت سے ہی نہ جانتی تھی بلکہ ایک ولی کامل اور مرشد کی حیثیت سے بھی دور دوران کا شہرہ تھا اور بے شمار مخلوق ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھی۔

مخالف و موافق ہر حلقہ میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔

علامہ اخلاق دہلوی کا عقیدہ ہے کہ'' قابل تعریف بات تو اخلاق ہیں تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق کی ایسی والہانہ انداز میں تائید فرمائی حضرت علیہ الرحمہ اخلاق محمدی ﷺ کا نمونہ تھے۔'' علامہ ممدوح دل کھول کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

''آپ نہایت شائستہ مزاج، متحمل طبیعت، سیر چشم، حق آگاہ، متبع شریعت، بے لوث، ملنسار، کم آمیز، وضعدار اور پسندیدہ خصائل کے مالک و وارث ہیں۔ آج دلی کی

1۔ سیف الاسلام مولانا منور حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے انتہائی جراٗت مند مبلغ اسلام تھے بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور شائع و تقسیم کی گئیں۔ بڑے نڈر سیاسی کارکن تھے۔ قائداعظم کے قریبی ساتھیوں میں تھے انگریزی حکومت پر سختی سے تنقید کرتے تھے قید بھی ہوئے۔ مظہری

قدیم عالمانہ اور درویشانہ تہذیب کی جیتی جاگتی یادگار ہیں۔ آگے لکھتے ہیں ”متانت، ذہانت اور نورانیت روز افزوں ہے بلکہ اب تو یہ عالم ہے گویا کہ نور کی خیالی تصویر ہے مادیت نام کو بھی نہیں۔“

علوم کے حوالے سے حضرت علامہ اخلاق دہلوی فرماتے ہیں ”تفسیر و حدیث، فقہ و معقول، ریاضی واقلیدس اور ادب و انشا میں کمال مہارت ہے فقہ کی جزئیات پر اس قدر عبور ہے کہ مخالفین بھی لوہا مانتے ہیں اور کمال کے معترف ہیں مسائل تصوف سے بھی غایت درجہ آگاہی ہے گویا آپ علم و ہنر اور فضل و کمال کے اتھاہ سمندر ہیں کیسا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو آپ ادنیٰ توجہ سے حل فرما دیتے ہیں۔ اسلوب بیان کیا پاکیزہ اور شائستہ ہے کہ ہر بات دل میں اُترتی چلی جاتی ہے اور ذرا بھی بار خاطر نہیں ہوتی۔ تصوف اور روحانیت میں آپ اپنے عہد میں مسلم الثبوت شخصیت کے مالک ہیں...... الغرض آپ گوں ناگوں اوصاف و کمالات کے اعتبار سے وحید العصر شخصیت کے مالک ہیں اور مرجع اوتاد و ابدال ہیں۔“ [1]

حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں یہ کسی ایک اہل قلم کی رائے نہیں ہے ہر ایک کی زبان پر یہی چرچا ہے۔ مثلاً ماہنامہ آستانہ تصوف پر ایک کثیر الاشاعت اور بہت مقبول ماہنامہ ہے جس میں ایک مستقل موضوع باب الاستفسار ہے۔ حضرت مولانا زاہد القادری مفتی آستانہ فقہی اور دینی سوالات کا جواب لکھتے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ ”ایسی نادر الوجود ہستی کہاں ملے گی؟“ میں ایک ایسے مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت چاہتا ہوں جس کی قوت ایمان اعلیٰ درجہ کی ہو جو ہمیشہ باوضو رہتے ہوں جو تہجد گزار ہوں۔ جو پابندی اوقات کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے ہوں۔ جن کی عبادت میں خشوع و خضوع کی جھلک موجود ہو۔ جو اکثر روزے رکھتے ہوں، جو مال حرام سے اجتناب فرماتے ہوں جن کو تلاوت قرآن کا شوق ہو۔ جو اکثر ذکر الٰہی میں مشغول

۱۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

رہتے ہوں۔ جو خدمت خلق کے لیے تکلیفیں اُٹھاتے ہوں۔ جن کے اندر مسکین نوازی کا جذبہ ہو۔ جن کے اندر حلم اور بردباری ہو۔ جن کے اندر صداقت اور دیانت موجود ہو اگر دہلی میں ایسے بزرگ موجود ہوں تو مطلع کیجئے۔

الجواب: ہمارے علم و یقین میں دہلی میں دو ایسے بزرگ موجود ہیں جن کے پتے یہ ہیں۔

۱۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت مولانا حاجی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب، شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی۔

۲۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ حاجی میاں صاحب فریدی کوچہ پنڈت دہلی[1]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور صبر و استقامت میں اپنے شیخ کامل حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے آئینہ دار تھے۔ فقاہت و علمیت میں بے بدل اور روحانیت میں بے مثل تھے۔[2]

پندرہ روزہ غریب نواز (دہلی) مفتی اعظم نمبر مورخہ یکم نومبر ۶۸ء میں اس طرح رطب اللسان ہیں ”علم و تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت و ثروت، لالچ و طمع، شہرت و اقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لیے جامہ فقیری میں مخلوق خدا کی جس طرح رہنمائی فرمائی۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے بددینی اور بدعقیدگی کی لعنت کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔“

ملی ایڈیشن نوائے وقت مورخہ ۲۸ء نومبر ۶۶ کا دعویٰ ہے۔ ”آپ متقدمین اہل سنت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ آپ کی شخصیت اخلاق مصطفوی کی آئینہ دار تھی۔ دوسرے مسلک اور دوسرے شہروں کے علماء خلوص اور محبت سے حاضر ہوتے تھے اور آپ کی مثالی تقویٰ اور تبحر علمی کے قائل تھے۔ آپ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جیتا

۱۔ (سید مظہر عباس اشوک نگر خریداری نمبر ۲۹۴۵)

۲۔ ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد ۱۴ شمارہ ۱۲، عقیدت نئی دہلی جولائی، اگست ۱۹۶۴ء

جاگتا نمونہ تھے (آپ کے) مکتوبات اللہ اللہ ایک ایک سطر عشق میں ڈوبی ہوئی ایک ایک جملہ امین عشق آپ کی ذات گرامی سے مسجد فتح پوری کی عظمت وشوکت میں اضافہ ہوگیا۔

غرض یہ کہ ایک مومن کامل بلکہ ولی اللہ میں جو جذبات اور قویٰ ایمان ہوتے ہیں وہ ان میں بدرجہ اتم تھے۔ کبھی کسی ظالم کا خوف نہیں کیا نہ اپنے راسخ عقیدہ سے کسی قسم کے خوف یا لالچ کے تحت ہٹے ان کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں میں ہمت اور جسارت پیدا ہوتی تھی ان میں صرف اسلامی صداقت اور مسلمانوں کی عزت وآبرو کی پورے طور پر حفاظت کے جذبات تھے کبھی کسی معاملہ میں قرآن وحدیث کے احکام کے بغیر مفتی صاحب نے قدم نہیں اٹھایا۔''

شریعت کی پابندی کرنے میں وہ بے حد محتاط تھے لیکن دوسرے علماء اور مفتیوں کی طرح تقریر کرنے اور زبردستی اپنی بات منوانے کے قائل نہ تھے وہ تقریر سے زیادہ تاثیر دکھاتے تھے۔

''حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت ایسی سحر انگیز، ایسی دلکش اور دلربا تھی کہ جو ایک بار دیکھ لیتا تمام عمر نہ بھولتا۔ اگر چہ بہت دور چلا جائے بہت زمانہ بیت جائے زبان ومکان کی دوریاں یادوں کو نہیں مٹا سکیں۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں حضرت علیہ الرحمہ کے شیدائی دوسرے شہروں سے محض حضرت کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے- کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر سکون قلب حاصل کیا۔ ایک عالم دین مولانا مبین احمد زیدہ مجدہ، نے اس تڑپ کو کتنے عرصہ سینے سے لگائے رکھا پھر لاہور سے دہلی گئے تو سکون ملا۔ ان کے ایک خط کا اقتباس پیش ہے ''مجھے جو چیز کھینچ کر لے گئی وہ حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کی روحانیت تھی۔ چالیس سال کی بات ہے میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں گیارھویں شب کو میں رات بھر مسجد فتح پوری میں رہا سیرت پاک کے موضوع پر تقریر ہوتی رہیں لیکن حضرت مولانا مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ عشاء سے صبح صادق تک اس مجلس میں شریک رہے

پہلو تک نہ بدلا اور خاموشی سے درود پاک پڑھتے رہے۔ ان کی صورت ان کی سیرت یاد آتی ہے۔

وہ ایک شریف النفس اور پاکیزہ مزاج انسان تھے اللہ نے ان کو مرجع خلائق بنایا تھا۔ خاص و عام ان کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ میں نے ان کو شادیوں میں بھی دیکھا ہے سکون کی کیفیت ان کے ساتھ رہتی تھی معلوم ہوتا ہے اللہ نے ان کو نسبت سکینہ عطا فرمائی تھی میں نے ایک صاحب سے سنا تھا کہ قرب کا دارومدار تقویٰ پر اللہ کی یاد پر اخلاص اور اطاعت پر ہے یہ چاروں چیزیں ان کی ذات میں جمع تھیں۔"

ان کی یاد کس کے دل سے بھول سکتی ہے۔ مولانا عارف اللہ شاہ قادری صدر جمعیۃ العلماء لاہور اپنے مکتوب میں رقم طراز ہیں۔

حضرت مبرور کی بار بار دہلی میں (اور ایک بار راولپنڈی میں) کئی مجلسوں میں زیارت کی ان کی مجلس میں بیٹھ کر علمی مسائل اور اتباع سنت کی پیروی کی باتیں سننے میں آتی تھیں اور اسلاف کی زندگی کا نمونہ نظر آتا تھا۔

اعتدال کا وصف عام نہیں ہوتا یہ اللہ کی دین ہے جس کو چاہے نواز دے حضرت علیہ الرحمہ کی اعتدال پسندی سب کو تسلیم ہے ماہنامہ الحبیب ۱۹۷۸ء سے ایک اقتباس پیش ہے۔

"حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے عہد کے نہ صرف جلیل القدر عارف تھے بلکہ متبحر عالم بھی تھے آپ کے فتاویٰ پاک و ہند کے دور دراز علاقوں میں اور ہر مکتب فکر میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز اعتدال اور توازن تھا جو آپ کے معاصرین علماء سنت میں ماسوا چند حضرات کے نایاب تھا آپ اپنے مخالف کو دشمن نہیں مریض سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ امراض روحانیہ کے مریض آپ کی صحبت سے مستفیض ہو کر شفایاب ہوں چنانچہ بہت سے علماء شفایاب ہو گئے۔"

گرچہ تنہا تھے مگر ان کے تصور کے نثار
اپنے ہمراہ لیے ایک پری خانہ چلے

حضرت شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے تصور پر ہر شیخ و شاب نثار تھا۔ تصور کے فیض کا چرچا بے سبب بھی نہ تھا۔ انتہائی کاملین میں سے بعض کو اللہ تبارک و تعالیٰ ایسا فیض رساں بناتے ہیں کہ ان کی توجہ یا تصور سے قلب میں ذکر الٰہی جاری ہوجاتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو اللہ سبحانہٗ نے اس انعام خاص سے مشرف فرمایا تھا۔ اہل عرفان کا خیال ہے کہ مقام فنا فی اللہ پر فائز ہونے پر اس فضیلت کا ظہور ہوتا ہے۔ ''عشق الٰہی میں فنائیت کی وجہ سے آپ کے تصور سے سوتے ہوئے دل جاگ جایا کرتے تھے۔[1]'' (روزنامہ نوائے وقت)

حضرت کے تصور کا فیض کرامت تھا۔ لوگوں نے بارہا تجربہ کیا کہ جب کوئی مشکل درپیش آئی تو حضرت کے تصور کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آسان فرمادی۔

نومسلم سردار جوگندر سنگھ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔[2] ''آپ کا چہرہ مبارک تصور میں لانے سے فوراً دل یاد الٰہی میں مصروف ہوجاتا ہے۔ حضرت پروفیسر علامہ اخلاق حسین دہلوی فرماتے ہیں۔

''جب بھی حاضر خدمت ہوا افکار دینوی یک قلم محو ہوگئے اور قلب جاری ہوگیا۔[3]

حضرت سیف الاسلام مولانا منور حسین (تلمیذ رشید مولانا احمد رضا) خاں بریلوی علیہ الرحمہ) تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت علیہ الرحمہ کے تصور سے میرے حواس کو بفضل تعالیٰ قوت حق گوئی حاصل ہوتی ہے۔''

معاصرین میں ایک جلیل القدر عالم و عارف محدث کبیر حضرت علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شیخ المشائخ محمد مظہر اللہ شاہ علیہ الرحمہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہا تو حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

۱۔ روزنامہ نوائے وقت
۲۔ ڈائریکٹر لینگویجز پنجاب۔ بھارت (یہ مسلمان بھی ہوگئے تھے)
۳۔ ماہنامہ عقیدت دہلی ۱۹۶۴ء مکتوب مورخہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء

''حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری دہلی سنی، صحیح العقیدہ، پرہیزگار بزرگ ہیں تقریباً ۲۲ سال سے ان سے فقیر کے تعلقات ہیں بارہا ان کے ہاں آنا جانا رہا حج بھی ایک سال میں کیا۔''

پروفیسر حضرت علامہ اخلاق حسین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔

''ایک معتبر اور صادق القول عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ مفتی کفایت اللہ نے ایام علالت میں آپ سے (حضرت سے) فرمایا تھا کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں۔'' مگر ہنگامی حالات کی بنا پر غالباً بروقت ورثا کے علم میں یہ بات نہیں آئی یا کوئی اور سبب لاحق ہوا کہ حضرت کو نماز جنازہ پڑھانے کا موقع نہ ملا اگر مل جاتا تو بلاشبہ بین الاحناف اتحاد کے لیے مفید ہوتا۔''

مولوی احمد سعید نے بھی چند روز پہلے برادرم حکیم سید حسن دہلوی سلمہ' سے اور الحاج مولانا ایاز الدین صاحب سے بطور وصیت فرمایا۔'' پرہیزگاری میں تو مفتی مظہر اللہ صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں، دل چاہتا ہے نماز جنازہ میری وہی پڑھائیں مگر ان کے ساتھ بدعت کا دم چھلا لگا ہوا ہے مبادا کوئی فتنہ رونما ہو خیر تو میاں ایاز مولوی یوسف سے پڑھوا دینا اگر وہ سفر میں ہوں تو مفتی مظہر اللہ سے ہی پڑھوانا [ا] مفتی کفایت اللہ اہل دیوبند کے نزدیک مفتی اعظم تھے اور مولوی احمد سعید دہلی کے مشہور جادو بیان مقرر ممتاز دیوبندی عالم دین اور کانگریسی لیڈر تھے۔

افغانستان کے ایک مشہور عالم و عارف حضرت ملا شور بازار نور المشائخ کابلی مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی علمیت اور روحانیت کے دل سے معترف تھے آپ نے فرمایا'' مفتی مظہر اللہ مردے باطن است و عالم خوب است۔''

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شاہ کرامت اللہ رحمتہ اللہ دہلوی نے فرمایا۔'' میرے بعد اگر کوئی چراغ روشن ہوا تو وہ مولانا مظہر اللہ ہوں گے۔''

ا۔ ماہنامہ عقیدت نئی دہلی جولائی، اگست ۱۹۶۴ء

مولوی سلطان محمود اس دور میں مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے انہوں نے سیف الاسلام مولانا منور حسین کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں فرمایا۔ ''(وہ) شریعت کی برہنہ تلوار ہیں۔ ان کے ہاں کوئی مصلحت اور رعایت ہی نہیں وہ مدلل حکم صادر فرماتے ہیں کسی کو لب کشائی کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔''

مولانا منور حسین اپنے اس مکتوب مورخہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء میں آگے لکھتے ہیں۔ ''مخدوم وممدوح حضرت قطب عالم مولانا مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے طفیل ہم سب مسلمانوں کو ان بزرگان دین کی کمال پیروی عطا فرما کر کامل مومن بنا دے۔''

منقول ہے کہ مفتی کفایت اللہ کے پاس کوئی شخص بیعت ہونے کے لیے آیا تو مفتی صاحب نے یہ فرماتے ہوئے کہ ''تقویٰ اور پرہیز گاری میں تو امام صاحب کی نظیر نہیں۔'' حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

مشہور دیوبندی عالم دین اور معروف سیاستدان صدر جمیعتہ العلماء ہند اور ہندوستان کی پارلیمنٹ کے ممبر حفظ الرحمٰن سیوہاری نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ''فقاہت اور فن فتویٰ نویسی میں مفتی صاحب کا ہندوستان میں ثانی نہیں۔''

مولوی الیاس بانی تبلیغی جماعت نے بھی کہا۔ ''اگر مرد کامل کی صحبت اختیار کرنی ہو تو حضرت امام صاحب کی صحبت میں بیٹھو۔''

اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام ہے کہ وہ کسی بندہ کو کمالات سے نوازتا ہے اور اس کے ذریعے مخلوق کو فیض پہنچانا چاہتا ہے تو اس کو مرجع خلائق بنا دیتا ہے۔ عوام اور اہل حاجت تو بکثرت آتے تھے مگر سرکردہ عمائدین شہر صوفیاء علماء سیاستدان امراء عہدیداران سب ہی حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں آتے اور احترام کرتے تھے غلام قادر خان صاحب، زیدہ مجدہٗ نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ ''حضرت صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی جیسی جلیل القدر ہستی کو دیکھا جب حاضر ہوتے تو نہایت ادب کے ساتھ۔ واپس ہوتے تو الٹے قدموں کبھی حضرت علیہ الرحمہ کی طرف پشت نہ کی۔ مولانا معین الدین اجمیری سے

علمی دنیا میں کون واقف نہ ہوگا وہ میدان علم اور سیاست دونوں کے شہسوار تھے بایں ہمہ شرف وبزرگی حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں آتے تو بڑے احترام کا مظاہرہ کرتے تھے۔"

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو اپنے اور بیگانے سب قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اس قدر و منزلت میں بھی سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آرہی ہے کہ آپ کے چاہنے والے بھی اپنے اور بیگانے سب ہی ہیں

اپنے تو پھر اپنے ہیں اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی بھی زباں پہ شہرہ تمہارا ہے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعات

قطعۂ تاریخِ وصال

حضرت المفتی الشاہ محمد مظہر اللہ دہلوی نقشبندی نور اللہ مرقدہٗ (خطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی)

ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء وفات ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

''پاک باطن، صاحب فضیلت''
۱۸۸۶ء

''کمال ذوق وشوق''
۱۳۵۳ھ

''چراغ محفل جاوید''
۱۳۸۶ھ

نتیجہ فکر جناب عبدالقیوم طارق سلطان پوری

تفکر میں یکتا، عمل میں یگانہ ۔۔۔ وہ مخدوم دوراں وہ شیخ زمانہ
اُسے دام میں کیسے صیاد لاتے ۔۔۔ بلندی پہ شاہین کا تھا آشیانہ
وہ شمع ایمان اُس نے جلائی ۔۔۔ جہاں چھائی تھیں ظلمتیں کافرانہ
درِ معرفت، درس گاہِ عزیمت ۔۔۔ اُس حق بین و حق کیش کا آستانہ
فقیرِ حرم جس کا اجلالِ شاہی ۔۔۔ وہ درویش باسطوتِ خسروانہ
بہادر کماندار وہ جیش حق کا ۔۔۔ سدا قلبِ باطل تھا جس کا نشانہ
وہ آرائشِ بزم عشق و محبت ۔۔۔ وہ زینت وہ محفلِ عارفانہ
ہر اس کی حکایت ہے ایمان پرور ۔۔۔ حقیقت پہ مبنی ہر اس کا فسانہ
کیے اس نے وہ کارہائے نمایاں ۔۔۔ اسے یاد کرتا رہے گا زمانہ
مسلسل جدوجہد کے بعد طارق ۔۔۔ ہوا جانبِ خُلد آخر روانہ

سرِ ''مردِ حق'' سے سِنِ وصل اس کا
ادب سے ''کہو، فیض بخش زمانہ''

۱۹۲۱+۴۵=۱۹۶۶

تاریخِ وفات

جناب مولانا حافظ قاری مفتی محمد مظفر احمد صاحب

سابق خطیب مسجد فتح پوری دہلی

۱۳۹۱ء

قطعہ تاریخ

نتیجہ فکر حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی

سجادہ نشین ساہن پال شریف (ضلع گجرات)

زہے ذات والائے آں شاہِ دیں — محمد مظفر سعادت قرین

کہ در علم تفسیر فقہ و حدیث — بہ اقرن خود بود مرد فطین

خطیب و مقرر فصیح البیان — بفتح پوری عمدۂ قارئین

بفتوائے او اہل حق را فروغ — بشرعِ نبی زبدۃ مومنین

ز تبلیغ و جہدش ہزاراں ہنود — شدہ داخل زمرۂ مسلمین

چو برداشت دل از سرائے فنا — بدارالجناں روحِ اوشد مکین

شرافت زسال وصاش بگفت — ولی ولایت بخلد برین

۱۳۹۱ھ

قطعہ تاریخ وفات

علامہ قاری حافظ مولانا محمد احمد شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی رحمۃ اللہ علیہ از حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین سابق ساہن پال شریف (پنجاب پاکستان)

عارف دین محمد احمد حامئ شرح افتخار زمان
حافظ پاک حاجی حرمین بود در قاریان بلند مکان
جامع علم و فضل و تقوی بود مخزن راز وحدت و عرفان
آں امام و خطیب فتح پوری سکہ زن شد بہ ملک دارِ جناں
از شرافت چو رحلتش پری
داخلِ خلد، دین پناہ بداں

١٣٩١ھ

میر شریف احمد شرافت نوشاہی
۲۵ رمضان المبارک
١٣٩١ھ



تواریخ وفات

''عالم دوران، فاضل نوجوان، جناب مولانا منور احمد صاحب مرحوم و مغفور،
خطیب وامام مسجد شاہی فتح پوری (دہلی)
خلف ارجمند حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب دامت برکاتہم۔''

از فقیر ضیاء القادری البدایونی غفرلہٗ

وہ دل جو مظہر انوار ذات ربّ اکبر ہو — نہ کیوں تنویر سے اس کی دل عالم منور ہو
اگر سینے میں سلطان مدینہ جلوہ گستر ہو — چراغ طور سینا دل بنے ایمان منور ہو
رضائے ربّ میں وقف سجدہ شکرانہ جو سر ہو — یقیناً رحمتوں کی رات دن اس پر نچھاور ہو
وہ مسلم صادق الاسلام ہے سچا مسلمان ہے — جسے ایمان کامل لطف باری سے میسر ہو
ہے یہ ادنیٰ علامت صاحب ایمان کامل کی — مصیبت میں سکون صبر کا ہر آن خوگر ہو
اجل کی چیرہ دستی دل ہلا دیتی ہے انسان کا — مگر رکھے ہوئے جو دل شکستہ ہاتھ دل پر ہو
جواں فرزند کا داغِ جدائی کیا قیامت ہے — بجائے دل کے پہلوئے پدر میں کاش پتھر ہو
محبت باپ کو اولاد کی ایک فطری شئے ہے — نہ ہو یوسف کا غم تو دیدۂ یعقوب کیوں تر ہو
سکون، صبر و رضا ہے خاصہ اصحاب تقویٰ کا — مگر صبح ازل ہی جس کو یہ نعمت میسر ہو

امام حق حسین ابن علی تھے صبر کے پیکر — یہ دولت اب امام اہلسنت کو میسر ہو

کمر خم ہے جواں بیٹے کے مرگ ناگہانی سے — تسلی یاب یارب جان مظہر قلب مظہر ہو

منور احمد مرسل کے جلووں کا فدائی تھا — الٰہی قبر اس کی نور احمد سے منور ہو

یہ فاضل نوجواں یہ عالم دیں مفتی کامل — جوانی میں مسلم ہے وہ نور درشت محشر ہو

کسی نے سچ کہا ہے موت عالِم موت عالَم ہے — نہ کیوں اس غم میں صرف نال وشیون جہاں بھر ہو

تھا مظہر اللہ یہ جوان اوصاف بیحد کا — بجا ہے ذکر اُس کا گر سر محراب و منبر ہو

الٰہی مغفرت فرما جوان و مرحوم عالم کی — مدد پر حشر میں اس کی شفیع روز محشر ہو

تہیہ مدفن سرور جاوداں اس کو عطا فرما — ابد تک قبر پر گلہائے جنت کے نچھاور ہو

سکون وصبر سے مرحوم کے خویش واقارب کو — علی قدر مدارج پر سکون قلب مظہر ہو

ضعیف و ناتواں مولانا مفتی مظہراللہ ہیں — عنایت آپ کو صبر جمیل اللہ اکبر ہو

دعائے مغفرت کو ہاتھ اُٹھے ہیں سوگواروں کے

ضیاء تاریخ کہیے تربت احمد منور ہو

۱۳۶۲ھ

المدینہ شریف ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ۔

[illegible] جمادی الاولیٰ سے ۲ ماہ [illegible] دوران بخار و نقاہت
وقفہ در وقفہ ۱۵ جمادی الاولیٰ کو یکبارگی سے کم شدہ
[illegible] نعتیہ محبت موصول ہوئے۔ [illegible]
مد ظلہم کا تشکرات بہ خدمت [illegible] ارسال ہے۔

نعتی عقیدت نہیں، حقیقت کی بھی زبان
[illegible] سچ کہا گیا
[illegible] منظر اِن کا [illegible] اہلِ بیت موجود
[illegible] وجود مسعود [illegible] ۔

السلام و دعا [illegible]

[illegible]
۱۵ [illegible] ۴ اگست۔


IDARA-E-MAS'UDIA, KARACHI
SINCE 1992
Islamic Republic of Pakistan
ادارۂ مسعودیہ ۔ کراچی


IDARA-E-MAS'UDIA, KARACHI
SINCE 1992
Islamic Republic of Pakistan
اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ
ادارۂ مسعودیہ، کراچی